



سچی کہانیاں آپ کے بیتان جنگ میدان

سنگرز گزشت

کراچی

اپریل 2012

محمد اعظمی
معراج رحول

عزم کی پیگری، مسکراہوار ڈھانچے والی دوشیزہ کا زندگی نامہ

نکس ماسی: درد کے سمندر میں ڈوبے اصرار نے دلی لڑکی کی جگہ پائی

ان کے علاوہ بھی بہت ساری جگہ پائیاں، سچے قلمی آواز، انصاف اور معلوماتی مضامین



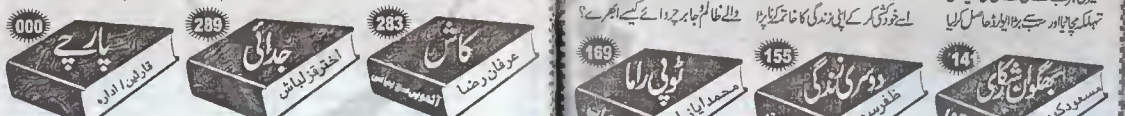
دل میں درد کو سہارا دینا
عقلانی کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
دل میں درد کو سہارا دینا
دل میں درد کو سہارا دینا



سفید کوا کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
خالہ شنا کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
بریں بریں کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا



بانجھ کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
تھیں آنکلا کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
بے لال کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا



پاچے کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
جدائی کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
کاش کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا

ہر انسان کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
ہر انسان کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
ہر انسان کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا



غالب بنگالہ کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
شیر خیاں کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
باری ذوق کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا



سفرِ زمیں کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
ناجتم کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
تولی کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا



زرد آستہ کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
بیتست کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
عز کا پیکر کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا



دوسری زندگی کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
ٹوپی رانا کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
جنگل شگلی کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا

ہر انسان کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
ہر انسان کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
ہر انسان کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا

ہر انسان کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
ہر انسان کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا
ہر انسان کے لیے دل میں درد کو سہارا دینا

[illegible][illegible][illegible][illegible]

۱۔ ہمارے جاکے گا، خدا کا نیکو مسلمان، قاتی جہلہ اور جہلوت کی جانب سے آج میں۔ بیتابی میں کسی مفرد یا کافر اور دوزخی سے کیا۔ دوسری دوزخی کی طرح ہے کہ
 ۲۔ اگر ہم سے اور ہمارے مصلحت سے ایک حکومت ہونے کے ساتھ حکومت اور دوزخ سے متعلق کیا ہے جس میں ہر کوئی جو اس بات پر یقین
 ۳۔ ہمارے دوزخ کی کہتے دل سے اچھے دلوں کو خدا کے در سے غالی ہاتھ میں لواتا ہے۔ ایمان، جبر، کھن سے چاہیے جیسے اچھے اور نیک انسان کے ساتھ بہت

جیڑا گیا۔ چند روز کی ہنگامی ایک بہت ہی قیمتی سسزائی خریدے اور کہانی کے انعام کے لئے بہت ہی چٹایا۔ ایسا کیوں؟ کمال الدین کے ساتھ جماعتات و واقعات چٹا کرے، اس بات کی حیرت انگیز اور دلچسپ تھے اور کہانی کو آخر تک پڑھنے کے بعد ہم بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کیا کہیں کہانی کہانیاں بھی اچھی کتابوں میں نہیں مل سکتی؟

[illegible][illegible][illegible]

سرگزشت کے نگاراری کی یہ خوب نچل کر پیشہ 13 مارچ کو تھانہ چھپے سے جائے (انڈیانا) اور ماہنامہ (جون) مرحوم باگستانی کی علمی منت سے سرحد تک بحیثیت کہانی نویس دستخط کیا۔ گھر پر سے "ادوار" ان کے گھر والوں کے علم میں نہ رہا اور کاشمیر کے اردو گاہ سے کہ آئندہ تھانہ ان کی مسافرت فرمائے "جہاد رست" میں جگہ ممتاز ہے۔ اردو گاہ میں کہیں نچلے ممتاز ہے۔ آمین۔

وہ خواب نگہ کی شہزادی تھی۔ اس کا حسن جہاں گیر فتنہ سامانی کا سبب تھا۔ اس کے عشاق اس کا نام لے لے کر آہیں بھرتے اور وہ ان کے دلوں کو ٹھوکروں میں رکھتی۔ اس کے حسن کی جنتوں خیزی کو مدنظر رکھ کر اسے مشورہ دیا گیا کہ اپنے حسن کی جادوگری سے علاقے کے باہر جو دنیا ہے، اسے بھی محفوظ کرو اور اس نے یہ مشورہ مان لیا۔ اس راہ پر چل پڑی جو دولت و شہرت سے نوازا ہے۔ جب آگے بڑھی تو پھر بڑھتی ہی چلی گئی۔ راستے کی ہر دیوار خود ہی گرتی چلی گئی۔ عکس و فن کی اس دنیا میں اس کا راج قائم ہو گیا تھا۔ وہ فن کی دیوی کہلانے لگی۔ آج بھی اس کی پرستش اسی انداز میں ہوتی ہے۔

عالمی سینے پر مہر و لب و لہجہ کا دعویٰ نامہ

جب وہ پیدا ہوئی تو اس کے ہونٹ اس طرح سکڑے ہوئے تھے جیسے دل بنا ہوا ہو۔ اس کے ہونٹ دیکھ کر بے اختیار دل آجاتا تھا اور دل چاہتا تھا کہ اس بچی سے محبت کی جائے، وہ محبت کی نشانی تھی، محبت کا نشان ہو توں بے لگے کر پیدا ہوئی تھی۔ اس لیے اس کا نام "لو" یعنی محبت ہی رکھ دیا گیا۔ لو (LOVE) نام رکھنے کی ایک اور بھی وجہ تھی۔ اس کی ماں بیٹ بیٹ دونوں کالج میں زیر تعلیم تھی۔ اس وقت اس کی سب سے بہترین دوست کا نام لو (LOVE) تھا۔ اس کا قہقہہ فٹ کیا رہا اور کالج تھا۔ اس کے سنی بال، وہاں میں لڑاتے تھے اور اس کی کمرے غیے کولوں تک پہنچتے تھے۔ اس کی جلد خفاف، سفید اور گلابی جبکہ آنکھیں گہری، چمکیں طرح کی تھیں۔ وہ ایک بہرہ ور شخصیت تھی اور کالج کے ہر نوجوان کے دل کی دھڑکن، وہ اس کی ماں کی زندگی میں آئے والی خوبصورت ترین عورت تھی۔ وہ ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہو گئی تھیں کہ جب جدا ہوا پڑا تو دل خون کے آنسو روئے لگا۔ جدا ہونے وقت اس نے لو (LOVE) سے وعدہ کیا اور کہا کہ اگر میری بیٹی پیدا ہوئی تو میں اس کا نام لو رکھوں گی اور تمہاری محبت کو پیشہ بننے سے لگا کر رکھوں گی۔ جب تم یاد آؤں گی تو اسے یاد پار کر لیا کروں گی اور تمہاری دوری مٹانے کی تو اس نے لے لگا کر تمہیں یاد کر لیا کروں گی اور پھر بیٹ بیٹ ہونے کے معاملے میں ایک بیٹے کے بعد بیٹے نے جنم لیا تو اس کا نام بھی "لو" (LOVE) رکھ دیا گیا۔ یہ طبعیات ہے کہ لو کو رکھ دینے سے اس کی شخصیت اتنی متاثر کن نہیں ہوتی جتنی اس کی ماں کی تھی۔ "لو" کی محبت نے اس کی طرح بال شری ہو کر اس کے کولوں تک آئے اور نہ کالج قہقہہ فٹ کیا رہا اور کچھ اس نے پوری دنیا میں کالیائی کے جھنڈے گاڑ دیے اور "آئی نو ٹاؤنڈ ڈو یو لاسٹ سر"



ابھی وہاں قدیم روایات کی طرح اپنی اسکول کی ٹیوں کے درمیان دوڑتی فٹ بال بچوں کا انقطاع ہوتا ہے۔ ٹیکساس کے لوگ ان ٹیکسوں میں اور دیگر قدیم مشاغل میں اب بھی اسی طرح دلچسپی لیتے ہیں، بس طرح آج سے پچاس یا ساٹھ سال قبل لیتے تھے۔ حتیٰ کہ عمر رسیدہ افراد کی دلچسپی کا خور بھی کسی تقریبات ہیں۔ اس کے علاوہ دانا تو فقا ہوئے والے مقابلہ حسن، جن کو جدید شہوں میں دینے والے لوگ، ماضی سے برآمد ہوئے والی دلچسپی سمجھتے ہیں اور محض کنواری لڑکیوں کے سینوں و نچل شیبہ و فراز دیکھنے کے لیے ہی ان مقابلوں میں جاتے ہیں۔ یہ مقابلے آج بھی اسی شد و حد کے ساتھ ٹیکساس کی معمول کی زندگی کا حصہ ہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ٹیکساس "دراصل امریکا کے ماضی اور حال کا حسین امتزاج ہے" (KILLEEN) جہاں کی گلیوں میں جینفر لوہوٹ کے شباب کی مکہ آج بھی رہی، یہی ہے ٹیکساس کے مرکز سے اتنا ہی قریب ہے جتنا کہ گولی اور شر اس سے قریب ترین دسرا شر آئشن ہے۔ ٹیکساس کے رہنے والے جینکس کلائے ہیں اور آئشن ٹائی شر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ جینکسوں کی یادگار کی اعلیٰ ترین نمونہ "جیدہ سوچ" رکھنے والا قدیم روایات کو زندہ رکھنے والا مکالموں کا مرکز اور امریکی موسیقی کا اہم ترین مرکز ہے، یہی وہ جگہ ہے جہاں جینفر لوہوٹ، "پلی بزمی جوان ہوئی اور جوانوں کے دلوں کی

[illegible]

ادارہ ہو گیا۔ اس ادارہ کے تحت ایک کتب خانہ قائم کیا گیا جس میں ہر روز ایک کتاب پیش کی جاتی تھی۔ اس ادارہ کے تحت ایک کتب خانہ قائم کیا گیا جس میں ہر روز ایک کتاب پیش کی جاتی تھی۔ اس ادارہ کے تحت ایک کتب خانہ قائم کیا گیا جس میں ہر روز ایک کتاب پیش کی جاتی تھی۔

کڑاے میں کوئی نیا تپ نہیں رہا تھا وہیں سے گاڑی کو
دھچکا ساتھ ساتھ بڑی کر با تھا۔ وہ الدین نے راز غور
کیا تھا چھوٹے منہ سے نفی میں بڑی بات سمجھ میں آئی
انہوں نے اپنے منہ سے جو کچھ لیا۔ منہ سے سر ہاتھ
پکڑتے ہوئے کہا "اگر تو نے سوچا ہے تو راجہ اپنی عمر
میں اس قدر سمجھ دار کی کیا بات کرے گا۔ ہمیں اس کی
راے کا احترام کرنا چاہیے۔"

باب نے کہا "مگر رائے کا احترام کیا کیجائے تو ان
کے انگوٹھ میں اضافہ ہوتا ہے تمہارا بہت شکر ہے بیٹا! اٹھنے

ای سی شیعہ میں اسے کامل کیا۔ اگرچہ ملازمت کی جگہ واگو
نے زوراً تسلیم کر لیا مگر کوئی اس قصبہ کے چھوٹے سے
شہر میں رہنے کے کچھ فوائد بھی سمجھنے ہی پہلوں کی بہترین
پروسیں کے طور پر سمجھ کر چلے۔ دوسرے علاقوں کی یہ
ثبت سستی بھی ادھر پھر جھانپ کر مرکز آئسن کے قریب ترین
جگہ بھی اس کے علاوہ ڈیڑھ کئی تیزی سے بڑا ہو رہا تھا۔
اس نے واگو میں ہی دوتے بنائے تھے۔ اگر وہ وہاں سے
کسیں ادھر نکل گئے تو وہاں تک کے مطابق اپنے آپ کو
"ڈانٹا" بنے اسکول میں جانا اور دوسرے بتانا یہ سب اس
کی شخصیت پر اثر انداز ہو سکے۔ پھر شاید بیشتر بھی جو اس
علاقے کے مزاج میں رچ بس رہی تھی اس کو اور جگہ رہنا اس پر
بھی نفسیاتی طور پر اثر انداز ہو۔ آؤ آؤ اس کی ماں نے وہاں
سے کسیں ادھر نکل ہونے کا فیصلہ مؤخر کر دیا۔

کہتے ہیں بوت کے پاؤں پالنے میں غلٹ کرتے ہیں۔
 جیسے کسی شخصیت پر اپنے خواہشوں کو مرکوز کر دیا اور جتنا سیکھا
 تو اندازہ ہو کہ وہ لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کا
 گریباڑہ طور پر اپنے ساتھ لے کر نکلتی ہے۔ جب اس کے
 منہ میں زبان آئی اور توکوں کو احساس ہو گیا کہ یہ نئی آنے والی
 کرکیا کی ہے اور کیا کرے کہ جب اس جگہ کے ہر ایک
 قدم اڑانے لگے نہ کہ ٹھک کر گرنے اور ٹھک ٹھک کر چلنے
 والی نئی ہڈیوں کو ہرے کی ٹھانڈی اور سب کو نچانے کی۔
 وہ ان کے ٹھانڈے والے مہمان اس کی طرف متوجہ رہے اور
 ان کا بھی سلاخی ہوئی۔ کسی گاٹی بھی باقی اور کسی طرح
 طرح کی حرکتیں کر کے کھائی۔ اس کی ماں کو جراتی بھی کہ
 بالٹ مری کی کو یہ سمجھے آتا ہے۔ کون کھانا ہے اور
 کون تانا ہے مگر اس نے اس کی حرکتوں کو اس کے بچپن کی
 غصیت سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ وہ بھی سمجھی کہ جوں جوں
 پیشتر جاتی ہے سب بچہ بچہ جانتے کی طرح وہ دوسرے
 بچے ہوتے ہو کر اپنے بچپن کو بھلا کر دوسری عی طرح کی
 شخصیت بن جاتے ہیں۔

وقت و وقت گزارا۔۔۔ میوں بیتے گئے مگر بیدار
اس کیفیت کے بحر سے مارنے آئی۔ وہ لوگوں کا دل
بلائے اور سب کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ صبح کی طرح
پاؤں سے لیٹ جانے لگی تھی۔ وہ باہر بھی تھی اور گلی بھی
تھی! ایسا لگا کہ حاکم دیکھ کر اس کے خون میں
سرایے پڑ گئے۔ یہ سب علم حاکم بچپن سے موسیقی کی
میراث پر جوئے اور اٹھنا اٹھنا کر پائے والی ہنر مستقبل
میں ایک استہزیائی ساز بننے والی ہے۔

اس کی ماں غاص گھلو عورت تھیں شوہر کی سے
مطلق کی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں وہ اس قسم کی
اس میں بھی اپنا بی بی کو جب کہ توڑ کر کھینچ کر لے کر
فوراً حریصانہ انداز میں اس کو آڈیشنوں والوں اور مقابلہ
حیثیات میں مصروف پرتی تھیں اسے دل میں ایسی کوئی
پوشہ خاں بھی نہیں تھی وہ اپنے بی بی کے ذریعہ پوری
کر کے آدھو ہو جاتی تھیں مگر وہ اپنی بی بی سے راہ میں اس قسم کی
رکاوٹ نہیں کرتی کہ اس کا بی بی اس نے اپنی بی بی سے
صاف صاف کہہ کر تھا کہ تم مجھ کو کرنا چاہو تو مجھ سے ہر
موقع پر اور ہر مقام پر تمہارا ساتھ دوں گی مگر یہ بھی ٹھیک
ہے کہ میں شوہر کی طور پر جس اس راہ پر چلتا ہوں چاہی
ہوں گے، لیکن اگر تم شوہر بنو چاہنا ہی چاہو تو تمہارے
کے بی بی کے ہر نہ کے کاروں کی

جب بیٹھنے میں برس کی تیسواں وقت آیا تو اداؤں پر
آیا جس سے اس کی ماں کو کھپکھپا شادمانہ لہجہ تھا کہ بیٹھ کر
مقبل آج ہو گا۔ وہ تین دن کے فاصلے کے ذریعہ کہ
میں کے ہونے سے نوڑی کر کے ادا پر ہو چکی تھی۔ ادا
کہاتے ہوئے اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کی پیاری
سوانح اس درمیان نہیں ہے۔ فورت تو میری آہستہ آہستہ
ہینچے اور اس جہان سے دور ہو گئے۔ میں نے کبھی نظر اڑا کر
نہی۔ دونوں ماں بیٹا جڑت زدہ ہو گئے اور پوند اور اس کو
سلاخی کرنے لگے۔ اچانک بیٹہ کو دوسرے کمرے سے جانی
پھانسی آواز سنائی دی۔ وہ بلاشبہ جھنجھکی آواز کی جوی
بچائی تھی۔ کہ پانچویں بج چکی اس کی طرف سے کہایت
"ہیلپی۔ ایک تھک دینا۔" گلابی۔ ایک تھک دینا۔
نوازیاتوں کے کہ رہا تھا اور اگر نہ سمجھے تو کہو جس نے انہما
میں بیٹے کی کہایت سن رہے تھے اس کی حوصلہ افزائی میں
ماں ہانپ رہی تھیں۔

تین سال کی بچی ہوئی یہ قسمی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ عریض
یہ کارکردگی اس کی ماں نے اس کے بیان کیا کہ اس کے بیان
سے کسی عام عریض میں بلکہ ایک فنکارہ نے جنم لیا ہے
اس کی بچی عریض میں اسے پنج بڑی زندگی کا عریض ہے
بہنے کی بات کا احساس ہوتے ہیں اس نے فیصلہ کر لیا کہ
اس بچی میں فطری صلاحیتیں ہیں اور ان فطری صلاحیتوں کو
پروان چڑھانا اور اس بچی کو اس کے اصل خطہ پر پہنچانا اس
کی ذمہ داری ہے۔

چار سال کی عریض اس کی ماں نے جیتھو کو قصہ کی
ایک ترتیب کا ماس داخل کر دیا اور کنڈرگارڈن میں تعلیم کے

لے داخل ہونے سے پہلے وہ بیرون کو درص کے دست
 داروں سے حرکت نہ کرنا، ان کا نہیں کرنا، ان کو ممانور
 نہ کرنا، تاکہ یہ کسی غیر ملک میں کسی کسوف نفرن کا گیت
 نہ گائے۔ یہی خیال قاضی میں کسی کسوف نفرن سے
 ہزار قفار سے فخر و تکرار نہ کرنا، تاکہ ان کا گیت نہ
 اس وقت آیا جب وہ ہر جس کی تضحیہ کر چکے وہ دین اور چار
 ہر جس کی عمر کے دوران بڑے بڑے گلابی کر چکے میں کتب
 لایو ہزار قفار سے کتب اس وقت ماہر وہ ہر سال کی ہوگی
 تضحیہ اس وقت کے علاوہ میں لہوٹ کے نام سے
 خاص مشہور ہوئی تھی۔

امیر کا کہنا تھا کہ جسوں نے ان کے ساتھ ہونے والے ایسے
 وہاں کی زندگی پر تنگی پرست اثر انداز ہونے میں حصہ لیا
 مقبول کی نوبت کیا اور وہ کہہ رہے تھے جسے میں جہاں انسان اور
 مومنین کےاں دور میں ایک تصور ہے جسے میں نے ایسے ایک
 لیے میں گائے کے لیے لویہ کی ایک کیا تھا۔ اس کی ہاں
 اسے اپنے ساتھ لے کر لیے میں کی قبول سے اس کا وارنٹ
 چلنے لگا۔ اس نے ناک کشید کر کہا "کیا کیا میں اس کے
 مرقاؤں میں اس کی؟"

پہلے کے آرکائیوز ان کے قریب ہی تھا۔ اس نے
 ڈھٹائی سے کہا ”اس جگہ میں کیا پڑائی ہے۔ ایسے میلوں میں
 بڑے بڑے فنکار اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔“
 جینفر نے ٹاک پکڑتے ہوئے پوچھا ”تکریں ماں اتنی بدبو
 کون سے؟“

”جس جگہ یہ شو رہا ہے اگلے تک یہاں چھڑی اور اس کچڑ میں سینگوں خیز روٹیاں لگا رہے تھے۔ ہمیں اس جگہ شو کرنے کی اجازت تھی مگر مجھ کو اگلے ہی یہاں سے خیزوں کو نکالنا تھا اور اس جگہ کو صاف کر کے شو کے قابل بنایا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ تو اتنی جلدی ختم نہیں ہو سکتی۔ دوسرے ایسے ہی ٹیبلٹس شو بلو رہے تھے۔ کیا تمہیں یہاں پر قائم رہنے میں تھکن ہے؟“

[illegible]

ماهنامه سرگزشت

۲۰۱۲ء

14

میںفر لوہوٹ سے بڑی نہیں تھی مگر پھر بھی ہریتے چھوٹے سے دی کے ذریعے لوگوں امریکی گروں میں گھس جاتی تھی۔ میں کبھی فر سے "جس میں بھی دی گئی آن کر کے" چکی ہوں "ہاں" اور میرے دل میں شوق پیدا ہو گیا ہے اس بھی میں جانوں۔ اس نے اپنی زبان سے "کہہ دیا" میں اس سے گھسی نہیں بن سکتی اسب آگ کو دیکھتے ہیں "اس سے پیار کرتے ہیں اور اس کے آگ کا نظارہ کرتے ہیں۔"

”میں کچھ نہیں جانتی مس! اور میں جانتا بھی نہیں جانتی“ میں تو بس اس جیسی بننا چاہتی ہوں۔ ماما! پلیز آپ مجھے اس جیسا بنا دے۔“

مختصر لوگ عمر میں ہی جنگی برسرِ آوارہ جاتی تھیں۔ حالانکہ وہ جنگی سے زیادہ مصروف رہتی تھیں۔ اس کے معمولات اس کی ماں کے سے دور جب حملہ ہوا ہے۔ اس کی اس کی ماں ہی اس کی جو اسے لڑنے اور مقابلوں میں لے جاتی تھیں وہی سارے اختانات کرتی تھیں پھر اس کی پر قاضی تھے اور اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے اس کے ساتھ بھی ہوتی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی سے جدا ہر کاروبار والی دنیا کی دیگر ماں کی طرح تھیں ایک ماں تھی پھر اس کا شوہر بھی تھا۔ ساتھ ساتھ خاندان کے علاوہ ایک شوہر بھی ہے۔ خیر وایاں بھی تھیں پھر خود اس کا اپنا کیریئر تھا وہ سب کچھ اس کا اپنے آپ کے طور پر اچھا دور بار جاتی تھیں اس کا رو بار کے ذریعے اپنے بچوں کے لیے ایک خاصی رقم کما لیتے تھیں۔ کامیاب بھی تھیں۔ اب اپنی ذات کے لیے اس کے پاس بالکل وقت نہیں تھا تاہم پھر بھی وہ کم تھیں۔ وہ اپنے بچوں کے سامنے بے شکایت زبان پر ہیں لانا چاہتی تھیں کہ وہ ان کی وجہ سے خالی برتن کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں۔

کم عمر جینٹری کی دوسری مصوفات کے ساتھ ساتھ
 دھن کی تربیت بھی جاری تھی۔ اس کی اس دیکھ بھلی تھی کہ
 اس میں عمدہ ترین، قاصرہ جینٹری کی تمام تر خوبیاں موجود ہیں۔
 دھن کی تربیت کے ساتھ اسے نقد بھی کرنا پڑی تھی۔
 غرض انگریزین کے لئے کاگوئی بھی دیر نہ ہو، وہ جب نکلا، سچ
 رہتی کوٹش کر دئی، اس وقت تک اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس کی
 صاحبہ طرہ پر بھی نہیں ادا تھا۔ روانے اسکو کے زمانوں
 میں حصہ لینے کے اس کے پاس آج وقت بھی نہیں بچتا تھا کہ

20. *Handwritten text*

اس کی ماں خوشی کے مارے ساری رات سو بھی نہ سکی۔ مگر یہ سفر ان کے لیے آسان نہ تھا۔ انہیں اس سفر میں دوس کے ساتھ ساتھ ڈنمارک بھی جانا تھا اور پروگرام کئی ہفتوں کے شیڈول پر محیط تھا۔ اس کا مطلب تھا کئی ہفتوں تک اسکول سے مسلسل غیر حاضری اور یہی سب سے بڑی مشکل تھی۔ کیونکہ اس کی ماں کی ترجیحات میں اس کی تعلیم سرپرست تھی۔ تاہم انہوں نے یوروں کا انتظام کر لیا۔ اس کی ماں کا کہنا تھا کہ ایسا موقع بار بار نہیں ملتا۔ اسے ایسے ملکوں میں سفر اور پرکار منس کا موقع مل رہا تھا جن کے بارے میں دوسرے بچے صرف کتابوں میں پڑھ سکتے تھے یا بی بی پر دیکھ سکتے تھے۔ یہ پلا موقع تھا کہ جینیفر اپنے گھر سے اپنے گھر، اپنے شہر اپنی ریاست اور اپنے ملک سے اتنی دور جا رہی تھی۔ اس کی ماں بہت فکر مند تھی۔ اس کو پریشان دیکھ کر ٹیلنٹ اسکواڈ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا ”فکر کی کوئی بات نہیں۔ جب وہ اس گروپ میں اکمل لڑی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ اور بھی لڑکیاں ہیں۔ ان سب کے ساتھ یکساں اور اچھا سلوک ہو گا۔ ہر چیز کا خیال رکھا جائے گا۔ کھانے پینے اور سونے کا بھی دھیان رکھا جائے گا۔ اس کے علاوہ دیکھ بھال بھی اسی طرح ہو گی جس طرح ایک ماں اپنی بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔“

اب بھی انہیں بہت سی تیاریاں کرنا تھیں۔ جینیفر کے لیے پاسپورٹ حاصل کرنا تھا۔ اس کے بعد نئے کپڑے خریدے گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ سردیوں کے موسم میں دوس اور ڈنمارک بہت زیادہ سرد ثابت ہوتے ہیں۔ ٹیکساس اور کیلیفرن میں ان علاقوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔

جینیفر کی زندگی کا یہ پلا غیر ملکی سفر بڑے ایڈونچر سے کم نہیں تھا۔ اس سفر میں وہ اپنی ماں کے بغیر دوسری لڑکیوں کے ساتھ گئی تھی اور سرکاری ہفتیوں کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اس شونے اسے روسیوں کو قریب سے دیکھنے ان کے معاشرت جاننے اور بہت کچھ سیکھنے کا موقع فراہم کیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ امریکا میں روسیوں کے بارے میں جو کچھ پڑھ لکھا گیا جاتا رہا تھا۔ اس میں بہت حد تک جھوٹ شامل تھا۔ روسیوں کو قریب سے دیکھنے پر اسے معلوم ہو گیا کہ روسی کس قدر منظم تھے اور ان کے بچے بھی کس قدر منظم نظر آتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے مگر سکرپٹ کا بین الاقوامی طریقہ اکتھار جانتے تھے۔ ان کو سکرپٹ دیکھ کر وہ بھی سکرپٹ تھے۔ لفظوں

کے بغیر بھی محض سکرپٹ کے تبادلے سے ایک دوسرے کے مفہوم جان جاتے تھے۔ اب انہیں معلوم ہوا تھا کہ روسی بھی انسان ہوتے ہیں۔ اس دورے سے چند سال قبل ہی امریکی صدر ریگن نے دوس کو ”شیطان سلطنت“ کا خطاب دیا تھا۔ جینیفر نے اس دورے میں دوس کو کھلی آنکھوں سے دیکھا اور حساس دل کے ساتھ محسوس کیا۔ اس وقت روسی حکومت کیوزم سے ذرا فاصلے پر قدم اٹھا کر چلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پورا ملک سیاسی اور معاشی طور پر مشکل دور کا سامنا کر رہا تھا۔ وہاں بے روزگاری تھی، لوگوں کے پاس نہ ذریعہ معاش تھا اور نہ رقم، امریکی لڑکیوں کو جس قسم کے پُر آسائش مکانوں اور اپارٹمنٹس میں رہنے کی عادت تھی وہاں اس معیار کے نہ گھر تھے اور نہ اپارٹمنٹ وہاں انہوں نے زندگی کو ایک نئے رخ سے دیکھا اور زندگی کی ایسی تعلیم حاصل کی جو وہ اسکول میں کتابیں پڑھ کر کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ وہاں انہوں نے نرین اور دوسری اشرافین اثر قوت کے خوف زدہ کر دینے والے طریقوں کے ذریعے سفر کیا۔ یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ دوس کس قدر طویل و عریض ملک تھا اور اس کے مضائقہ علاقے کس قدر دور دراز تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہاں مقامی لوگوں کی طرح سارا سہرے بھاپ اُڑاتی چائے پی مقامی کھانے کھائے اور اس دوران میں میکڈونلڈ اور برگرکنگ کو شدت سے یاد کر لی۔

یہ دورہ جینیفر کے لیے یادگار ترس تھا۔ اس دوران میں جب وہ مقامی لوگوں کے ساتھ رقص کرتی تو اس کی خوشی کا شکا نہ نہ رہتا۔ اس دورے سے پہلے انہوں نے ایک ہفتے تک مسلسل ریسپرل کی تھی۔ جس کا پھل اب مل رہا تھا۔ ان کی پڑ پڑائی جس انداز میں ہوئی تھی اس سے ان کا سیوں خون بڑھ جاتا تھا۔

ڈنمارک بھی دوس جتنا ہی سرد تھا مگر اس سے زیادہ باؤرن اور جدید تھا۔ ٹیکساس کی یہ لڑکیاں جن چیزوں کی عادی تھیں۔ وہاں تقریباً وہ سب کچھ میسر تھا۔ یہ چند ہفتے خواب کی کیفیت میں گزر گئے۔ لوہوٹ نے اس دوران میں ایسی چیزیں دیکھیں جن کے بارے میں اس نے بھی خواب و خیال میں بھی نہ سوچا تھا۔ وہ گھر آئی تو اپنے بھائی اور ماں کے لیے طرح طرح کے تحائف سے لدی پھندی تھی۔ اس کا بھائی اس وقت تک کالج میں زیر تعلیم تھا۔ واپس آ کر کئی دنوں تک وہ گھنٹوں اسی سفر کی باتیں کرتی رہتی۔ اپنی ماں کو بھائی کو اور اسکول میں سہیلیوں کو وہ سب بار بار بتاتی رہتی جو اس

[illegible]

میں اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اب دلاس انجیل
جاری ہے۔ اسے ایک بار مروج کیا گیا تھا۔
21 فروری 1989 کو کلوپوٹ کی تیسویں سالگرہ تھی
یہ روزوں میں اس کی نکاس سے دلاس انجیلوں پر پھیلنے
پہلے سالگرہ کی نہ کوئی تعریف نہ کیا۔ اور نہ ہی مو
ٹھیں اور نہ ہی تحائف کا انبار۔ لوگ نے کڑک لاس انجیل
پہنایا یہ سب سے بڑا ختمہ۔ قبل ازاں اسے (AX)
انٹروٹ پر جمی وقت گزار رہا تھا اس وقت اسے
دیکھا کہ پورا اخبار انٹروٹ کا نام لے رہا تھا۔ وہ
نہیں ڈوبا وہ تھکا نہ ہوئی۔ کیا یہ منظر بھی اسے اس کے ارادوں

یہ ہزار تھکے میں غلام رہا۔ اسے انرا ڈونگا نہ تھی کسی کا
 ہو رہی تھی کہ غلامی کے پیچھے یہ شرعی طور پر دھوکہ دیا
 ہوایا۔ اس نے غلامی کے ڈولاس ڈونگا تھا اور ایسا دھوکہ
 تھا۔ یہ شرعاً اس نے بھی جی کو تو دھوکہ دیا تھا کہ جی بھائی
 اس کی آنکھوں میں ایسا عراج گھیر مچھلے گی نہیں دیکھ
 رہا تھا۔ اس نے پہلے دو کام شروع کر دیے تھے۔ اس کے کوشش بھی
 دیکھنے کے لیے وہاں کے شہسورہ صرف نشان اور دو ایک کام
 کی تھی۔ اس کی نسبت خراب تھی۔ وعدہ کے باعث
 اس نشان اور ہارٹی کو دیکھنے میں غلام رہی تھی۔

تھا۔ یہاں سیکنگو نہیں جڑواں کی تعداد میں بڑھ سکا۔
 پہنچنے پر قسمت آئے انہوں نے اور دینی جاننے کے جواب آئیں
 میں کہتا ہے کہ قسمت ہر کسی پر مہربان نہیں ہوتی کسی
 اور نہ ہی ہر کسی کے خوابوں کو سچا فیصلہ نہیں
 انہیں کسی نہیں معلوم تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا
 ہے؟ قسمت ان کا ساتھ دینے والی ہے یا رکھ کر نہ دلا
 لینے یا توڑنے والی۔
 کوئی میں مہمان نہیں رہے بعد دو دن باہر نکل آئیں۔
 یہ بیورو تفریح اور کھونٹے پرانے قلعے کا تھا۔ وہاں دوڑ کے
 اور گرد کے وہ قلم مشور مقامات دیکھ کر اپنی اچانک میں گھس
 کے بارے میں لوگوں کی تھی کہ اس کی پہچان اپنی مقامات
 کے خوالے میں ہے۔ اسے انہی کے خوالے سے شناخت
 کی۔ وہاں جو کھونٹے پھرے اور ایک ایک جگہ کچھ اچھی
 طرح دیکھ کر بعد دو روزہ ان کے فز کے ایک ہو گئی
 چھوٹے تھیں۔ انہوں نے ایک طویل کمرے سے ایک چوڑی
 گزارا تھا اور یہی معلوم نہیں کہ اب آئندہ ان کے من
 ہیں ہوں گے کہ رات۔
 اس میں شریں کو قتل ہو گئی تھیں اور یہاں آتے ہی
 انہیں سب سے پہلی صورت ہوئی اور اپنی اندر کی گرنے

تھا۔ یہاں سیکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں برسے۔ اور
بچے اپنی قسمت آزما لے اور زندگی بنائے کے خواب آسمانوں
میں جا کر گرتے تھے کہ قسمت کس پر مہربان نہیں ہوتی تھی
اور نہ ہی کس کے خوابوں کو کس کا سہا قیصر کی تھی
اسمیں کسی عطلہ نہیں تھا کہ ان کے سہا قیصر کی تھی
ہے قسمت ان کا ساتھ دینے والی ہے یا دھکا کر کے مڑ
لینے پر تیار ہے۔
موتی میں سامان رکھنے کے بعد دو دنوں پر کل آسمان
بے سرحد نرسخ اور دھوئے چمڑے کا قلعہ ہوا۔ وہاں دوڑ کے
اور گرد کے در تمام مشورہ مقامات کا نقشہ تھا۔ جس میں

محمدؐ اس ہشتاد کی عکس بنی اس کے لیے ایک بائبل
 پر قاعدہ اس سے پہلے کی سلاوا پہنچا بیٹھ نہیں
 تھے۔ یہاں کی تو دنیا ہی مختلف تھی۔ بے شمار
 مال۔ جو حد سے تیز جہد کر کے محمدؐ اس کے
 وجود کو جھلسا رہی تھی لوگ اس کی انداز میں منتظر
 تھے جیسے ہمت جلدی میں ہوں۔ عکس بنی کا سلاوا دن
 کے لیے زندگی کا طویل ترین دن ثابت ہوا۔ ان کا بیشتر
 اس نے اس انتظار میں گزارا کہ اب اس کا کام پورا
 ہو گا اور اس سے کام کروایا جائے گا۔ اس روز اس نے
 چند سینکڑے کے لیے کیرے کا سامان کیا۔ منتظر ہو گیا
 لیکن ڈاکٹر نے اس کی منتظر کی طرف سے عکس بنی کا۔ تب
 جا کر وہ مطمئن ہو سکا۔ لوگ کے لیے یہ سب کچھ قریب
 کم نہ تھا۔ وہ دل میں دل میں طے کر چکی تھی کہ وہ چاہے
 اس دنیا میں رہے لیکن دنیا وہیں داخل نہ ہو گیا تھا۔
 یہ اشتعال لگی ڈھن میں اس کا سلاوا باقاعدہ کام تھا۔ وہ
 ایک پتھر سے نہیں ڈرا رہا۔ ایک بیٹے نے اسے کہا کہ
 ایک اشتعال سے ادا رہیں۔ ان میں ہی ہاں یہ ضرور ہے
 سس کے کام کی شروعات ہو گئی ہیں۔
 لاس انجلس میں ان کے سین پہننے ہوتی رہے تھے۔
 لیکن کا خیال تھا کہ ایک بیٹے میں ایک اشتعال حاصل
 ہو گا۔ لیکن یہاں پر نہیں ہے لیکن کوئی امید تھی کہ اس
 کو ایک ضرور ہو گا۔ یہ وہی ہے۔ وہی ہے۔ وہی ہے۔

چند ہفتے کے لیے میرے پاس سارا دن بے پرواہی
 کی زندگی بسر کی اس منظر کو جس مرتبہ میں نے یاد کیا۔ تب
 جا کر دو مہینوں، دو سالہ لوگوں کے لیے سب سے عجیب
 کم نہ تھا۔ وہ دل میں طوفان کے جھلکی تھی کہ وہ کچھ
 سننا نہیں رہے یہ دنیا وہی ماحول اس کا تھا۔
 یہ اشتیاق تھی، دستان پر اس کا بسلا باقاعدہ کام تھا۔ وہ
 سب سے پہلے میں ساری چیزیں بیٹے نے اسے کیا کہ
 ایک اشتیاق سے دستان میں، اس میں ہاں ہے فروہ ہے
 کے کام کی شروعات ہو گئی ہے۔
 اس انجیل میں ان کے سینے پہنچے باقی رہ گئے تھے۔
 میں ان کا خیال تھا کہ ایک ہفتے میں ایک اشتیاق حاصل
 ہوگی یا اگر ہاتھ نہیں ہے تو کوئی امید تھی کہ اسے
 ایک نیا دور شروع ہو جائے۔

کی تو اس وقت سے کہ اس انجیل سے خوابوں میں
آتا تھا۔ اس انجیل اس کے خوابوں کا نگہگار ایسی سر
جہاں وہ رہتا تھا۔ یہ وہاں کاربست مطمئن ہو
گئی۔ یہاں ایک بھی ایسا شخص تھا جو اس کو اکثر غیبت
کے لیے کہتا رہتا تھا کہ جسے کبھی نہ کہیں کہ اس کا مخالف
ہو۔ پھر نکلس میں توکل دین پر آئے گا کوئی موقع ہی
ہے۔ جبکہ یہاں ہر روز مواقع ملتے تھے اور پھر اس
میں ہل دوڑ بھی جگہ بھی کسی جہاں وہ "مگر اوسین
پر نہیں" سے جا کر تقریباً تمام ہی قسمی ستاروں کے احوال
مشاہدہ کر سکتی تھی۔ ہر روز "سین" سے جا سکتی تھی
کہلوں کے ساتھ رو اس ہوتا تھا۔ وہاں وہ سڑکیں بھی
جو ہل دوڑوں کی طرف تھیں۔ جہاں بین الاقوامی
یافتہ ادارہ کاروں کے گھر تھے۔ اس کو ہر دوں درمیان
کو بھی جاننا تھا۔ غصہ غصہ کا بھی نہ تھا کہ اگر وہ اس ماہ
ورن۔ اس ایک اشتہار کے علاوہ غرض کام حاصل نہ کر

3 سے اس کے لیے فون آیا۔ اسے طلب کر لیا گیا تھا۔ ماں بیٹی

افراق میں اسٹوڈیوز میں آؤں میں تیار کیا کہ دوسری لڑکی
 شوک کے وقت ان کی توقعات پر پوری نہیں اُترتی تھی۔
 فخران کی دل کو ٹیڑھا ناکل کر لیا گیا تھا۔
 اس کی بد قسمتی، ایک ہی خوش قسمتی میں بدل گئی تھی۔
 اس سیریز میں کام شروع کرتے ہی لو کے مسائل میں بھی
 اضافہ ہو گیا۔ وہ خوف ناک حد تک مصروف ہو گئی تھی۔
 آپ دوسرے مسئلے میں لگی تھی۔ اشتیاق کیلئے ڈنگ میں کرنی
 تھی اور ساتھ ساتھ اسکو مل بھی جاری تھی۔ مجبوراً شوٹرز
 کی دوسری لڑکیوں کی طرح اس کے لیے بھی سنبھالنے پڑے تھے کہ
 انتظام کر دیا گیا۔ لو نے دیکھا تھا کہ "مکڈونلڈ کارپوریشن" کے
 تمام ادارہ کار ادارہ کار کے ساتھ ساتھ مختلف سائز میں بنائے
 تھے۔ جبکہ لو کو تو سب جانتا تھا اس آقا تھا۔ اس بات سے
 اسے یہ پتا نہ چلا کہ کیونکہ اسے سیریز میں رہا جس کے طور پر
 بورڈ بھی بنایا تھا۔ محکمہ جی اسے یہ جان کر اطمینان ہو گیا کہ
 سائز کی بات تو جانتا تھا اسے تو صرف سائز ہی تو آواز میں
 گیت ہاتھ اور سر کے لیے تھے۔ مگر ان پر اتنی

کڑواں کارپوریشن کے ساتھ ہی اس نے اپنا اگلا
 آؤٹش "پل اسٹار" کے پیپرس شوٹ اور کیریو کے
 پرنٹ کی پیش کے لیے وہ اور کی آؤٹشوں میں اپنے تجربے
 اور قابلیت سے کام لے ہوئے تو خروہ ناکل تک پہنچ کر اور
 بھر جلد ہی وہ اس کی پیش کے لیے منتخب بھی کر لی گئی۔ اس
 وقت تک اسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس اشتیاراتی
 کی پیش میں اسے اتنی کی دہائی کے پراپرٹیاں مل چکیں
 کے ساتھ کام کرنا تھا۔ یہ دس برس کی کھسی ہی ادا کا کہہ
 لیے ایک معرکہ تھا۔ اس لیے اس نے اپنی سب سے بھلی چندہ

ہی ہوئے تھے۔ اس مقابلے کے شروع ہونے تک اس سیریز
 کے لیے اس کی "مکڈونلڈ کارپوریشن" کی ریکارڈنگ عمل ہو
 چکی تھی۔ فخران اس کی پیش میں کام کرنے کے لیے آزاد
 ہو گیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ آپ کی رکن میں بھی جو نیگل
 جیمسن کے ساتھ ٹور پر جا رہا تھا۔ اسے مانگیل جیمسن کے
 ساتھ چلتا تھا۔ فخران اور اپنی ٹور پر کارڈنگ دکھانا تھی۔ لو
 کے لیے یہ ایک نادر موقع تھا۔ پوری ریاست تھوہ
 امریکا "ایٹیا" پر راپورڈ ہو چکی تھی۔ فخران کو سب کچھ
 مونیٹ ایسے مواقع نصیب والوں کو ملتے ہیں۔ وہ راقوں
 رات نصیب والی بن گئی تھی لیکن ایک مشکل اس کے
 سامنے نہ بھڑکے کھڑی تھی۔ ابھی اس کے اسکول کا سال
 ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنی تعلیم کو دوسری سچو سچ تھی۔
 "اپیل اس کیگز" والوں نے اس کی مشکل کے چیلنظر اس

ہلت کا انتظام کر دیا کہ پورے نوٹریں ایک ہی ٹران کے ساتھ
 رہے گا۔ اس کا پڑھائی سٹارڈ نہ ہو سکے۔
 وہ کم ہونے کے باوجود عجیب آواز میں پڑھ رہی تھی۔
 اس انداز میں تعلیم حاصل کر رہی تھی جس کے بارے میں
 کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی پہل اس کو پچھنی
 دیتے پچھنی تھی مگر اور اس کی بال کے بارے میں یقین
 دلا گیا کہ وہ اسے فور کے دوران اپنی بچہ کو مسلسل کھینچتی
 رہے گی اور انہیں اپنی پڑھائی کے شعل سے آگاہ کرے گی۔
 اس کا نور مدت عجیب و غریب تھا۔ ایک شرے
 دوسرے شرے درمیان مختلف شرے ہوتے۔ مگر یہ چلتے
 ہوئے یا پھر پھرت کے پیچھے اپنی باری کا انتظار کرتے وقت وہ
 اپنے نیوٹ سے سبق لیتے تھے۔ مصروف رہتی تھی اور لو ان
 سب معلومات کو سمجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ کسی بھی قسم کی
 ڈنگ نہیں سمجھتی۔ جب وہ اپنی کلاس نیچے کلاس نیچے کو کھلا
 لگتی تھی تو جوش ہو جاتا۔ وہ بھتیجی کسی شراں کی
 بھرکاس ٹیٹو اس کے نور پر اتنی ہی خوف ہو رہی ہوگی ہتارک
 وہ ہے۔ کڈز ان کارپوریشن کا شوٹنگ والا آؤٹشوں اس کو ہتکار
 دیتے اور آقا تھا دوسری طرف یہ نور اس کی توانائی بچہ دینے
 والا تھا۔ اس کا شعور سرگرم رہی تھی۔ وہ اپنی کے مختلف مقامات
 دیکھ رہی تھی۔ حائف خرید رہی تھی۔ دن میں جا رہا۔ مرید
 پر قمار میں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ پڑھائی "اب اس کے
 پاس ٹیک طرح سے سونے کے لیے بھی وقت نہیں تھا۔ اس
 پورے دوسرے کے دوران میں وہ لوگوں کی قوجہ کا مرکز
 مشعل بن رہی تھی۔

جب وہ اس انجیل پہنچی تو حکم کر چور چور ہو چکی
 تھی۔ اس کی بال نے اس کا استقبال کیا۔ وہاں کے گنگے لگتے
 ہوئے بولی "مہاشا بہت تھک گئی ہیں۔ کچھ ہفتے آرام کرنا
 چاہتی ہیں۔"

"لگتا ہے میری بیٹی کو اس نرس میں آگیا۔ اگر ایسا
 تھا تو غلط نہیں اس قدر بڑی نہیں نظر آتی تھیں۔"

لو نے خوشی کے مارے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا
 "میں نے کہا کہ میں نور میں ہو رہی ہوں۔ یہ تو میری زندگی
 کا حسین ترین نور تھا۔ میں نے اس قدر بڑھانے کیا کہ شاید
 زندگی میں ایسا موقع بھی دوبارہ نہ مل سکے لیکن میری طرح
 تھک گئی ہوں۔ اب یہ دن آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

لو نے چند دن آرام کیا۔ سڑکی ٹکان سے خیانت حاصل
 کی اور ایک باہر "مکڈونلڈ کارپوریشن" کے سپر پیچ

گل۔ اگلے ہی دن کے لیے پورے لوگوں کی ریکارڈنگ شروع ہو
 گئی تھی جس میں وہ "مہاشا" کا کارڈنگ کر رہی تھی۔ وہ
 ایک باہر مصروف ہو گئی اس کے پاس خود اپنے لیے وقت
 ہی تھا۔ وہ ایک عربی تھی مگر اس قدر مصروف تھی کہ وہ
 باہر کے لیے بھی بچی نہیں بن سکتی تھی اور اس کی
 لڑائی تھی۔ وہ بے شمار ہے جو کہ چاہتی تھی وہی دسب
 گزشتہ میں تھی۔ اس نے اپنی بال کو خودی تو اس
 اس اس نے پھر مجبور کیا تھا اور اب سب کچھ اس کی اپنی
 مرضی کے مطابق ہو رہا تھا۔ اس کی عمارتی تیزی سے نہیں
 بڑھ رہی تھی۔ تیزی سے تیزی سے ایک بچہ بڑھ رہا تھا۔

اپنی بہترین کارڈنگ کے باعث وہ "مکڈونلڈ کارپوریشن" کے دوسرے سیریز کی کاسٹ میں شامل رہی۔
 اتنی کم عمری میں بھی وہ اس قدر پروفیشنل تھی کہ لوگ حیران
 رہ جاتے تھے اور یہ بالکس دیکر کہتے تھے کہ اس لڑکی کو بہت
 آگے جانا ہے۔ یہ کارڈنگ کی کارڈنگ کو سر پرانے کر
 اس کے لیے وہ ابھی سے تیار کر رہی تھی۔ وہ رہتے رہتے
 کے سنے زادے اور اسے اندازہ نہ رہی تھی۔ اس کا جسم
 اس قدر خوبصورت تھا کہ لوگ اس کی موٹرسر چلیں تک
 میریکا بھول جاتے۔ اسے احساس نہیں کہ زندگی صرف
 شوٹرز تک محدود نہیں تھا۔ وہ اسکول بھی پڑھتی ہے جا
 رہی تھی اور اس دوران میں مختلف اشتیارات کے حصول
 کے لیے آؤٹشوں میں جانے کے لیے بھی وقت نکال لیا کرتی
 تھی۔ ابھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ کوئی بھی نیگام
 حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو بتانا پڑا ہے کہ آپ نہیں جانتے
 کہ ہیں۔ اس لیے وہ کسی بھی آؤٹش میں بلا بھگ پیچ
 جاتی۔ اس کے اشتیادوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا
 جاتا رہا۔ قمار خوروہ اپنے بے پناہ فیلٹ اور اسٹیج پر عمدہ
 کارڈنگ سے وہ اپنے کارڈنگ کی نظروں میں بھی آتی جاتی
 تھی۔

دیکھا جائے تو باریابی ڈول کے اشتیارات کی مستقل
 رکن بن گئی تھی۔ پابلی ڈول کا جو بھی اشتیاد سامنے آتا
 ملین تھا کہ اس میں لو نہ ہو۔ کچھ ہی عرصے میں اس نے
 پابلی ڈول کے ہنگ بنگ میں اشتیاد کرنا سب اور دیکر
 سچ کیا جب پابلی ڈول کی "لڑکا" اپنا کسب کی قوجہ کا
 مرکز بن گئی۔ وہ ایک 1991ء میں پابلی ڈول کی ڈیو بیٹا نے
 لیدر کیا تھا۔ کھانہ کھانے ہوئے ڈیو بیٹا کو سچو سچ خیال
 کو نظر رکھتے ہوئے بنائی جا رہی تھی اور وہ خاص خیال تھا

ورڈ۔ اصل میں اس دور میں ایک نیا دھماکا ہو سکتا ہے
 آپ کا ایک ڈول کے حدود اور اس کی لیدر بنا سکتے آنا شروع
 ہوئی جس میں انہیں ورڈز کرتے رکھا گیا تھا اور پھر دیکھتے
 ہی دیکھتے ایک محسوس ہونے لگا کہ ڈول کا ہر اشارہ ورڈز
 کرتے ہوئے اپنی دیاؤں بولنے کے لیے جنوں میں مبتلا ہو گیا
 ہے۔ یہ ایک قسم تھا "اور اس پیش کی ابتداء کا راز کھین
 فوڈز کے تھے۔

فلی دیتا۔ اس کی ملک کی بھی "بھیر چال" سے نیچ
 کٹی" اپنی ڈول میں بھی وہ آتا ہے اور یہ کچھ تو ہے۔
 پابلی ڈول بنانے والے ادارے نے سوچا کہ اگر پابلی ڈول
 کے ساتھ رخص کرنے یا ورڈز کرنے ہوئے لوگوں کو پیش کیا
 جائے تو انہیں ایک خاص راکٹ مل سکتی ہے۔ چونکہ
 دوسری تمام ڈولوں کا فروغ کے لیے بنائی جا رہی تھی، فخران
 کیلئے ایک پابلی ڈول کی ڈیو ان لڑکیوں کے لیے بنائی جائے
 گی تو اس کی پابلی ڈول میں بھی بڑھتی ہوئی ہوگی۔
 ڈیو کا آؤٹش ہے۔ یہ تھا کہ ٹور عمر بھر پیش لڑکیوں کو کبھی بڑی
 مدد سے تقویت مل جائے والی ایک پابلی ڈول کے ساتھ رخص
 کرے۔ گیت گاتے اور ورڈز کرتے دکھانا تھا۔ اس ڈیو کے
 زب سے امریکی بن چکیں میں تحریک پڑا کر کی دہائیوں
 اور کبھی نہ امریکی بن چکیں کے سامنے سے ہٹ کر دن میں کچھ دیر
 کے لیے ورڈز بھی کر لیا کریں کہ یہ فطری زندگی کے حسن
 سے لطف اندوز ہو سکیں۔

اس ڈیو کے آؤٹش کے لیے بھی بلا پیس سیکڑوں کی
 تعداد میں لڑکیاں نکلیں۔ لو نے بھی آؤٹش میں سے مائل
 نہیں کیا۔ کڈز ان کارپوریشن اور باری کے کرشنا اشتیادوں
 میں کام کرنے کی وجہ سے پروفیو سونے سے اپنی ترجیحی
 فرسٹ میں شامل رکھا۔ اس دوران ساتھ ہی آؤٹش ہوئے
 اور پھر فرسٹ میں شامل ہوئی رہی اور آخر کار کچھ تھی
 آؤٹش ہوا تو اسے اس میں بھی کاسیابی حاصل کر لی اور اسے
 ڈیو میں کام کرنے کے لیے دیکر آؤٹ لڑکیوں کے ساتھ ساتن
 کر لیا گیا۔

اس کی بال کو کچھ تھی کہ لو اس بے مزہ اور پچھلی سی
 ڈیو کے لیے اس قدر جوش کھیل ہو رہی ہے۔ فوج کے اس
 کو ساتن کر لیا گیا تو اس کی بال نے کہا "میری بھینج میں نہیں
 آتا کہ تمہارے بارے میں کیا سوچا"۔ جس کا ادراک ہی کا
 شوق ہے مگر اس ڈیو میں بھینجے تو اس کا کھن نظر آ رہا
 ہے۔ اور اسے اس ڈیو میں کام کرنے کے لیے اس کی ری سیریز
 کام کرنے سے بھی عزت و توقیر حاصل کر سکتی ہو؟

بابی دول کی ورزش ڈیڑھ کے دوران اسے واقعی بہت مزہ آیا تھا۔ یہ ڈیڑھ بنیادی طور پر جسم پر مشتمل کسی اور قسم کی ورزش کی بنی پر مشتمل تھا۔ وہ برسوں سے اس قسم کی ورزش کی تھی، تاہم یہ حقیقت حوالہ دیتی ہے کہ ایسی ورزشیں کلیم کر رہی تھیں جس میں کچھ بڑے تشکیل شدہ کریم کے ساتھ ساتھ وہ کچھ تھا۔ وہ اس دن رک رک کر وہ باپ کی نامی مشہور و معروف ڈیڑھ کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔ تاہم، اگرچہ یہ کچھ کیا تھا۔ اس میں صرف کے لیے تھا۔ وہ بھی وقت کو اپنی ملاقات میں چلی گئے تاکہ ہر موقع ملے۔ اسے دیکھا، ڈیڑھ کے دوران ہر فارم میں کھانے کا ایک تجربہ کیا۔ وہ ڈیڑھ کے ذریعہ کئی چیزیں کھاتی تھیں۔ یہ کچھ چیزیں تھیں۔ لہذا اس ڈیڑھ الم میں شامل تمام چیزیں کے لیے اس کا منتخب ہونا کوئی چیز کی بات نہیں ہے۔ یہ کچھ ڈیڑھ میں سادہ تھی۔ کچھ بڑے تشکیل شدہ والی بابی کی کئی مراحل میں وہ سادہ تھی۔ لیکن اسے آواز میں دیکھا دیکھتے تھے۔ اس ڈیڑھ اور چرخہ داروش میں مسلسل کام کرنا کو

اس کو اداکاری کی تربیت دینے والا استاد بھی وہی موجود تھا۔ اس نے لو کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا "تیری جلد کو ہمت داتا بہادروں کا کام نہیں" میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے

لو کی سمجھ میں اپنی بچہ کی بات کسی طرح بھی نہیں آتی تھی۔ اس نے تعلیم کے دوران پوری دنیا کا سفر کیا تھا۔ اب یہ بچہ کو بہت زیادہ وقت دے رہی تھی۔ مگر پھر بھی وہ اس کو ماہنامہ سیرگزیشت

[illegible]

خاصیت تھا۔ یہ گیت اور پرواہیہم ہی پورے جاپان میں شہ
 حد قبول ہوا۔
 لوہیچے نے مجھے اتنی بھی اپنی کامیابی اور مقبولیت کے
 وجہ انداز دلان اچھی طرح یاد ہیں میرا اہل خانہ اب تھا لیا جا رہا
 تھا۔ میرا ایک چھوٹا چائلی چائرس میں چار مہینے پہلے
 تجربہ رہا اور اس قدر مقبول ہوا کہ بعد میں اسے انگلینڈ
 جرمنی سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا میں بھی ریلیز کیا گیا۔
 اس اہم کام "لوہی سونگ" (LOVE SONGS) تھا۔
 1992ء میں اس وقت ریلیز ہوا جسہ لوہی نے نوبل انعام میں قدم
 رکھا تھا۔ یہ اہم بین الاقوامی گیت گیت گیت اور تمام
 اس عمر کی نوجوان لڑکیوں کے جذبات کی مکمل ترجمانی کرتے
 تھے۔ لوہی گیت "نہیں کی شہرت اور میرے لیے سب سے
 اس کے لیے میری عمر معمولی اضافہ تھے اور ان سے ثابت ہو
 رہا تھا کہ لوہی کا رومانوی اور بہت فکاہہ ہے۔ لوہی سونگ
 کا سب سے مقبول گیت "پلیز سیو اس دی ورلڈ"
 (PLEASE SAVE US THE WORLD) اس نے کم از کم
 ان کا پورا انڈیا کے فکاہوں کے ساتھ ریکارڈ کیا تھا۔ یہ
 گیت دو سالہ شہرت کا شکار رہا اور جنگ کے خاتمے کی
 ایک معصومانہ درخواست تھی۔
 اس گیت کو فکاہوں نے "گٹھڑا کار پورائینڈ" میں
 بھی پیش کیا اور پھر 1992ء کو "میو ٹائٹل سیریل پالیسی
 ٹیلی ویژن" میں طوفان مچا لیا اور وہاں بھی اس نے
 اس گیت کی فراخ دل گئی اور پھر یہ گیت اس گروپ کا
 باقاعدہ ترانہ بن گیا۔ انہوں نے اس گیت کی ڈیوٹی بنائی۔
 جس میں کم از کم کا پورا انڈیا کی کاسٹ کے علاوہ کئی دوسرے
 مشہور نوجوان فکاہوں کو بھی شامل کیا تھا۔ پھر 1992 میں
 ہی انڈیا کی کاسٹ کے فکاہوں کو لیے براؤن کے
 شہریت دی گئی۔ یہ "رٹھ سٹ" ہوئی جس میں دنیا بھر سے
 ہندو شہرک ہوئے تھے اس میں سب سے نف "پلیز سیو
 اس دی ورلڈ" اس قدر پسند کیا گیا کہ اسے "رٹھ سٹ"
 ہی انڈیا کی فکاہوں نے قرار دیا۔ یہ گیت بے بہت ہوا اور تمام
 اس کی آواز گواہ اور انڈیا میں سارا لیا تھا کہ وہ تصویر میں
 کر سکتی تھیں مگر اس اعزاز اور کامیابی سے اسے کوئی فائدہ
 نہیں ہوا۔ تمام اہم کار پورائینڈ لوگ اسے اب بہت اچھی
 طرح یاد ہیں۔ یہ تھا کہ اب اس کا کیریئر روشن ہو گیا تھا۔
 کریکس سے پہلے "گٹھڑا کار پورائینڈ" اسے لگاتار تین
 کی میچل کے بعد لوہی ایک فلم کے لیے ڈیوٹی دیا تھا اور
 خوش قسمتی سے یہ فلم اس کی گئی اس فلم کا نام بھی

(MUNCHI) تھا۔ اس میں لوہی نے انڈیا کا کارواں ادا کیا
 کہ یہ فلم اس کے لیے کبھی شناخت کا سبب نہیں بن سکی
 تھی۔ اصل میں یہ فلم 1987ء میں ریلیز ہونے والی تھی
 "پنچ" کی کہانی پر بنائی گئی تھی پھر پینچر خوشی 1987ء
 کی فلم "پنچر" میں چائلی چائرس میں چار مہینے پہلے
 1990ء میں بھی تیار ہوا تھا۔ اس بات سے انہوں نے ایک چر
 سکا کہ یہ بالی ووڈ میں کبھی کم تر دوڑنے سے چرے ساز
 کی جاتی ہے۔
 لوہی نے فلم "پنچ" میں کام کیا تھا۔ اس کے بارے میں
 کارجم اور دوسری فلم تھی یہ ایک مزاحیہ فلم تھی کہ
 داربات بھی تھی کہ اس میں حراج نام کو بھی نہ تھا۔ اس
 کے فکاہوں میں سب سے بڑا نام "سٹی ایڈیٹرز" ہے۔ اس
 لونی ایڈیٹرز نے ایک مزاحیہ وی پی کے "سٹائی" میں
 دو سالہ کام کیا تھا۔ انڈیا میں اس کی شہرت بڑھ گئی تھی کہ
 اس نے مشہور کارواں رٹھ سٹائل سے شادی کر لی۔ یہ سٹ
 رٹھ سٹائی کی بیوی کے طور پر لونی ایڈیٹرز نے اپنی اداکاری سے
 زیادہ شہرت حاصل کی اس فلم کا مرکزی کردار "بھبی
 گیٹ" ہے۔ ادا کیا تھا اس کردار کا کام "میگ ڈوسن"
 تھا۔ جو اقلیتی طور پر ایسی مخلوق دریافت کر لیتا ہے اور اس
 قوتوں کی حامل ہوتی ہے اس مخلوق کا نام ہی "پنچ" تھا۔
 یہ نام ہی یہ مخلوق کیمک ڈوسن کی بہت مدد کرتی ہے
 انکوں میں پینچہ باز قسم کے لوگوں سے بناتی ہے اور
 اس کے دوسرے ہونے اپنے خوابوں کی شہزادی انڈیا کو کھول
 کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔
 انتہائی دلچسپ گیت یہ فلم اس ہنسن پر کوئی ریکارڈ
 جاسکتی۔ لوہی نے فلم میں انڈیا کا کھنجر کارواں ادا کیا تھا۔
 فلم کے لیے پورے ہندوستان سے دو چار ہوئی کہ لوہی نے فلم دیکھنے
 کے لیے تھیں ان کا رخ ہی کیا مگر بہر طور اس فلم دیکھنے
 کے لیے وہ ایک فلم کا نام لیا تھا۔ اب اس کی مصلحتی
 میں کر سکتے تھے شروع ہوئی تھیں۔ اس نے کم از کم ہندو
 اس بہت کام کیا تھا۔ اس کی اداکاری سرگیت تھی ایک فلم
 الہم اور کچھ لوگوں کے شہر کا اعزاز۔ وہ اس کے علاوہ کئی
 مزید کام کرنے کے لیے کمر بستہ تھی۔
 1999ء میں لوہی نے ٹیلی ویژن کے لیے اپنے ڈرامے
 کی شہر بند کی گئی۔ یہ دوراصل "رٹھ ورلڈ" کے نام
 سے بنائی جا رہی تھی۔ اس کا ٹائٹل پروگرام تھا۔ اس میں
 کے مرکزی کردار کے طور پر آج کے مشہور معروف ہندو
 ہائڈ ہینڈ پیرس دوسن کا انتخاب کیا گیا تھا۔ اس وقت تک

طعن کی سیر "پنچ" میں "پنچ" کے بعد مشہور
 کی اور اس کامیابی کے نئے نئے پیرس دوسن کو جڑی
 سٹار کا رشتہ تھا۔ وہ پینچا اس وقت ہوائن میں ادا
 تھا۔ وہ دلہن میں وہ ایک آٹوموبائل رسالے کا کارواں ادا
 رہا۔ کارواں اس کی بیٹی کے کردار کے لیے منتخب ہوئی تھی
 انہوں نے اپنی ہی اداکاری سے ہر پروگرام کا انڈیا کا کارواں
 اس ہی میں ادا کیا۔ پینچہ پر پروگرام کا انڈیا کا کارواں
 اس کے لیے پیرس دوسن کے کام کے بعد۔
 اس کا اس بات سے ایک ٹکٹا سا لگا تھا کہ اب ایسا دکھائی
 دے گا۔ اس کا ایک قدم چھپنے کی طرف آتا تھا وہ
 قدم آتے بھی بڑھ جاتی تھی۔ کم از کم کا پورا انڈیا کے
 گیت میں کامیاب تھے۔ وہ اس نے ایک فلم میں سامان کر لی
 دے شروع ہوئے۔ وہ اپنے فکس نیٹ ورک کے لیے اپنے دوست
 نے ایک فلم میں پیرس کے لیے کم از کم اس کی شہرت بڑھ گئی تھی
 اس سے اس میں پیرس کا ٹائٹل منظر ہو گیا۔ اس کا مطلب
 تھا کہ اس کے آئندہ چہرہ ادا ہی سیٹ پر گزرتا تھا۔ اب وہ
 اس کا ایک سب سے کیریئر پروگرام تھا۔ اس میں پینچہ
 اس سے گزرتا تھا۔ مثلاً کم از کم کا پورا انڈیا سے
 کی۔ یہ ایک بہت مشکل فیصلہ تھا۔ کیونکہ اس میں پیرس کی
 اس میں گزرتا۔ اس سے اس کی بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی
 اس نے گزرتا ہوئے اس پینچہ اسے تھا۔ اب اپنے تمام
 اس سے مجبور ہو گئی تھی۔ اس نے گزرتا ہوئے اس میں
 کے لیے لیا۔ اب وہ بہت زیادہ پروفیشنل ہو گئی تھی۔ پینچہ
 کی بیٹی ہوئی تھی۔ پینچہ نے بے ہوشی سے فیصلہ کرنے لگی تھی۔
 اس میں پیرس کی تیار کی ہے اسے سیٹ پر کامیادیتا
 تھا۔ پھر جب تک مسلسل شہرک ہو رہی تھی۔
 اس میں فیصلہ کرنا تھا کہ اس کو چھوڑ دے یا پھر پیرس
 اس میں مسلسل شہرک مقبول کے ساتھ وہ اس کو
 اس کا تھی۔ پینچہ اس نے اپنے لیے ایک ایسے ٹیوٹر کا
 اس کا کام کیا۔ اس میں مسلسل اس کے ساتھ رہنے کا پینچہ
 لوہی نے اس کو اپنا چھوڑ دیا۔
 * * *
 "رٹھ ورلڈ" کے ٹائٹل کی ناکامی کے بعد لوہی
 نے "رٹھ ورلڈ" کی طرف سے خاصی گھر مند گئی۔ اس کی
 اس کی طرف بھی صرف وہی نہیں بلکہ کئی
 اس میں مرضی وجود میں آنے والے فکس نیٹ ورک کو
 اس میں پروگراموں کی اشہر ضرورت تھی جس کے ذریعے

دوسرے نیٹ ورک کے کامیاب پروگراموں کا مقابلہ کیا جا
 سکتا۔ اس سے دو چار تھی۔ "پنچ" گزرتا تھا کہ اس انداز میں
 بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ پینچہ پر پروگراموں
 کا مقابلہ کرنے کی اہل ہو گیا۔ مینی گزرتا کا موضوع بہت
 حساس تھا۔ دیگر سیریزوں اور میچل گزرتا کی طرح اس میں
 ڈراما اور مزاح دونوں ہی شامل کیے جا رہے تھے۔
 کینڈا کا ادا کیا۔ مگر فخر اس میں سیریز مرکزی کردار
 ادا کر رہا تھا۔ مگر فخر کا سامنا مقبول ادا تھا۔ اس کی دہائی
 میں اس نے "سٹی پیڈوم" میں سیریز مرکزی کردار ادا کیا
 کر کے کام کیا تھا۔ اس میں مقبول نہ ہوئی۔ مگر مگر فخر
 کو لوگ جانتے اور پہچانتے لگے تھے۔ یہ کردار اس کی
 شناخت میں گمراہ کیا جس سے پینچہ چھوڑا۔ اس کے لیے اس
 بننا چاہا۔ اس میں دور میں "پنچ" گزرتا کا کانسٹیو
 تجربہ کیا گیا تھا۔ ان دنوں ایک "ڈاؤن سائزنگ
 اچانک مرضی وجود میں آیا تھا اور لوگوں کے ذہن پر بھوت
 کی طرح ہوا۔ یہ تھا ڈاؤن سائزنگ ایک ایسی اصطلاح
 جس سے ایسے بے شمار لوگوں کو اچانک بے روزگار کر دیا
 تھا جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ پیشہ پر روزگار دہیں گے۔ ان
 لوگوں کی بے تحاشہ فکریات تھیں جو ہمیں لوگ اس کی اقسام کی
 مہارمت سے بھی محروم ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں امریکا کے
 بے شمار وائٹ اور محنت کش مالی مسائل کا شکار ہو کر
 لوگوں کو زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ایسا صرف اس
 لیے ہوا تھا کہ کارپوریٹ امریکا کو کھانچا احساس ہوا تھا کہ
 اس کے پاس موجود ملازمین کی تعداد ضرورت سے زیادہ ہے
 فزڈ فیصلہ کیا گیا کہ کم از کم زیادہ تر یہ ایسے لوگوں پر ڈال دیا
 جا جو بہت زیادہ محنت ہیں۔ اس طریقے سے ایسے بہت سے
 وائٹ کار ملازمین سے نکال دیا گیا جس کے انہوں نے اس
 بہت زیادہ ہیں۔ ڈاؤن سائزنگ کی اس اصطلاح نے امریکا
 میں موجود ہزاروں "لاکھوں لوگوں کی تھیں اس ادارے میں۔
 کامیابیوں کی جڑیں چٹنے سے ہزاروں لوگ
 اپنی کوئی چھن جانے کے خوف میں مبتلا ہو کر نفسیاتی مرض
 بننا شروع ہو گئے تھے یا کوئی سے فارغ ہو کر اب
 نوکریوں کی تلاش میں ہارے مارے پھر رہے تھے صرف وہی
 نہیں بلکہ ان کے اوپر رہنے والے لوگ۔ ان کے بڑے
 دوست رٹھ وار سب میں اچانک بے روزگار ہو کر گھر بیٹھ
 گئے تھے۔ ان کے سائزنگ ایسے ایسی کامیابیوں سے
 ریمانڈ طریقے سے ہو رہا تھا۔ اور بے ریمانڈ طریقے کار کے
 باعث بے شمار لوگوں جن کی نوکریاں اس پر قرار تھیں اچانک

ہی نوکری چھین جانے کے خوف میں جیلا ہو کر انتہائی حدوں تک تجسوس ہو گئے تھے۔ وہ اپنی ایک ایک سیٹی بچا رہے تھے سوچ رہے تھے کہ وہ بے روزگار ہو گئے تو یہ وہ لگم لگم کام آئے گی۔

تین کی گارڈنڈیا سیر کا موضوع بھی حالات تھے۔ فرور کو باب موڈی نام کے ایک رواجی دانش ور اسلام آباد کاروار اور کراچی قندہ جس کی آنکھیں خرابات سے کم تھیں اسے فریضوں کی ادائیگاہی دھر کاٹھا۔ کاری قشیں دینے کی بھی فکر ہو چکی تھی ضروریات کی رقم کی مانگ سے کمر باندھ کر نوکری چھین جانے کا خوف اس پر بھروسہ سوار تھا اور کتنی ہی سخت کوششیں ہی کر لیں کہ وہ باوجود اپنی نوکری کو کھائی سے کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ ایسے آدمی کی بیٹی کو کافی زندگیوں اور زندگی سے محروم ہونا چاہیے تھا اور وہیں لوگ سامنے آنے کا موقع ملا۔ اس نے اس کو ادھر کے لیے آڈیشن دیا اور جوڑاؤں کی دلیلیز پر قدم رکھنے والی چلاک ہو شمار اور جانب نظر نہایت کاردار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ حقیقی زندگی میں بھی وہ جوانی کی دلیلیز پر قدم رکھ چکی تھی۔

لوہیوٹ کی ایک خامی یہ تھی کہ اپنی گونا گوں مصروفیات اور سخت شیڈول کے باعث وہ باقاعدہ طور پر اداکاری تربیت حاصل نہیں کر پاتی تھی۔ وہ بے استادی تھے۔ اساتذہ عام طور پر اپنی زندگی میں یاد رکھا جاتے ہیں کہ لوہیوٹ نے عام کابھی عمل تلاش کر لیا۔ آڈیشنوں کی تلاش کے سلسلے میں اس نے مختصر وقت میں ایک استاد اداکاری کے کئی میٹروں کے لیے تھکان اٹھائی ہوئی لیکن بعد اس کے اندر کی خود اعتمادی اور اداکارانہ سلیقہ ان کے بعد مدت چھ ماہ جان چکے تھے اس کے ایک وقت کا اسے مشورہ دیا اور کہا کہ وہ اداکاری سکھانے والے دوسرے ادارے میں داخلہ لے لے یہ اس کے حق میں رہے گا۔

لوہیوٹ نے اپنی ہی طرف دیکھا اور پہلی "اداکار" سکھانے والے اداروں میں داخلہ لیتے ہی جنٹین اداکار نہیں آئی۔ جس فطری اداکار ہوں پیدائشی رفاہ۔ اور گلوکار ہوں گے جسے اس ادارے میں داخلہ لینے کی ضرورت نہیں۔

مگر اداکاری سکھانے والی اداروں کے لیے ضروری ہو تا ہے کہ جانتی ہو کہ یہ فیڈرٹ ٹیکنیکل اگر کتنی شخص فطری اور تکنک سے سہارے آتے ہیں یا نہیں جلد ہی پتہ چاؤ گی۔

لوہیوٹ کا اسے جواب دیا "میں جس میں غلطی کروں گی کہ باپ رہی ہوں اس دن لا اس ٹیکس سے کر جاؤں گی۔ میں یہاں اپنے کے لیے نہیں ہونے کے آئی ہوں یہ بات ٹیکنیک کی تو میں اب تک اداکاری کی ضرورت اور محدود جس سے آگاہ ہو چکی ہوں۔ فطری کے لیے انکا کیا ہو تا ہے۔

بولنے والا خوش ہو گیا۔ وہ اپنے کام میں کمر لائے گا میں جس اس پر غمری لڑی کے لیے بے حد تھکا ہوا تھا مگر اس شخص کو وہ دل سے پسند کر رہی تھی۔ اس باوجود کہ اس کی استعداد سے بھی زیادہ وہ بڑی مشکل ہے آئی کہ وہ ان کے مطابق کوہیوٹ کو بھی شکار کیا تھا۔ ایسی ہی ایک فطرت میں بھی کہ بانیہ بھی جاتی۔ باقیہ تھکوں کے میں ایک نیا قارئین بنانے کے لیے ادارے کے مشیر نے صاف اعلان میں کہہ دیا کہ لوہیوٹ چند مختصر گھنٹوں سے زیادہ میٹ پر نہیں گزار سکتی۔ یہ ایک پریشانی تھی۔ ادارے اور پائنت کار کو اپنی ہر شدت سے

تقابلہ کر رہی تھی تو بھی اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر اس کی ماں نے مشورہ دیا کہ لوہیوٹ کا کام بے عمل نہ ہو بلکہ بڑھ جائے اور اس احتیاط سے عمل نہ کرے کہ وہ ہر وقت شائ لینے کی قوت ہی نہ آئے۔

مگر وہ ابھی تھی اس پر عمل شروع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اداروں کی اس کی جان پر کیا کہ اسے ایک استاد اداکاری اختیار کیا اور وہ ٹیکس کے ساتھ مکمل کرنا پڑا تھا۔ وہ اداکاروں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ اب وہ جس قسم کی منت کر رہی تھی اس کی وجہ سے وہ اس سے ایک تھک کر پڑا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے ان میں سے اور خاص طور پر اپنے شوق اداکاری سے متاثر ہیں کہ اس نے اسے اپنی شخص سے جان چھڑانے کے لیے ایک ایسے لطف لینا سکھایا۔ وہ زندگی کے حسین لمحوں سے لطف اندوز ہونے کی امری اور 1992ء میں "اداکار" کی پیدائش کے بعد اس کی تخلیق کیا گئی تھی۔ اس وقت کا سٹیل کیا۔ وہ اپنے ہر فرسوس کرنے لگی۔

یہ فانی پوسٹ شرفا اور مت اچھا نہیں تھا۔ ایک شخص اس عمدہ ترین شوق تھا کہ۔ ابتر سے اس وقت اس کے لیے سٹیل تھا۔ وہ اب اس زمانے سے "60 منٹ" پر وگرام اپنے مقابل آنے والے ہر وگرام کو ہرپ کر رہا تھا۔ یہ جوں کا توں وگرام تھا اور یہی اس ٹیلی ویژن نے کیا تھا۔ اس پر وگرام کے سامنے جو پروگرام تھا اس کی مخالفت کیا۔ گویا اس پر وگرام نے اپنی ہر مقابلے کی فضا میں اپنی جگہ بنائی۔ اس وقت یہ پروگرام دیکھ کر جاننا تھا کہ اس وقت بھی ٹیکس پر چمک رہا تھا۔ گویا اس کے لیے اسے "اداکار" کی پیدائش ہو گئی تھی کہ اسے وقت دیا گیا اس وقت دوسرے ٹیکس پر "60 منٹ" چل رہی تھی۔ صورت حال کوئی مت مشورہ معروضی نام میں نہیں تھا یہ صورت حال خوشی کے حوافز تھی اور وہ اپنے کے خلاف نہیں نکلا۔ اس کی توجہ نہیں چلا کہ یہی ادارہ ہی کا کوئی نیا پروگرام شروع ہو گیا ہے۔ اس کے بعد وہ رک دالوں سے ایک حافیت یہ بھی کر دیا کہ اس کے بعد اس کا اندازہ ہو جائے کہ بعد میں تو اس پر وگرام اور تبدیلی کرنے کی کوشش کی اور اس کی بہرہ پائی فطرت تو بڑے ہی ضرورت محسوس کی اور وہیں سڑا لایا کہ وہ بد "تین کی گارڈنڈیا کو انٹرنیشنل میمنز آگے تو اس کے لیے ایک کار کیا گیا۔ پروگرام میں اس کی عمر بہرہ پائی مل جاتی تو 60 منٹ میں اس

شوق شروع ہوئی تو اسے احساس ہوا کہ آزادی کے لیے ہر روز میٹ پر نظر آتی تھی۔ وہ صرف اداکاری کے نہیں کر رہی تھی تعلیم بھی حاصل کر رہی تھی۔ میٹ پر اس کا نام نہ ہوتا تو دوسرے قاریع ہو چکی ہوں یا اس کی سہولت میں وقت ہو یا ڈیوٹیز کے پاس آکر بیٹھ جائے کہیں کوئی تھکے مکانوں کے بجائے سٹیڈیو یا رادیو میں نہیں کرنا شروع ہو جاتی۔ میٹ پر تعلیم حاصل کرنے اور ڈیوٹیز پڑھنے کا ایک نامہ تھا وہ اس کیل کے تک کے سامنے ہوا۔

تین کی گارڈنڈیا سیر کا موضوع بھی حالات تھے۔ فرور کو باب موڈی نام کے ایک رواجی دانش ور اسلام آباد کاروار اور کراچی قندہ جس کی آنکھیں خرابات سے کم تھیں اسے فریضوں کی ادائیگاہی دھر کاٹھا۔ کاری قشیں دینے کی بھی فکر ہو چکی تھی ضروریات کی رقم کی مانگ سے کمر باندھ کر نوکری چھین جانے کا خوف اس پر بھروسہ سوار تھا اور کتنی ہی سخت کوششیں ہی کر لیں کہ وہ باوجود اپنی نوکری کو کھائی سے کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ ایسے آدمی کی بیٹی کو کافی زندگیوں اور زندگی سے محروم ہونا چاہیے تھا اور وہیں لوگ سامنے آنے کا موقع ملا۔ اس نے اس کو ادھر کے لیے آڈیشن دیا اور جوڑاؤں کی دلیلیز پر قدم رکھنے والی چلاک ہو شمار اور جانب نظر نہایت کاردار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ حقیقی زندگی میں بھی وہ جوانی کی دلیلیز پر قدم رکھ چکی تھی۔

لوہیوٹ نے اپنی دوسری فلم میں ایک نو سالہ بچی "ہیرو لوشن" کا نام زمین کر دیا اور اداکاری کا ایک عظیم تجربہ کر دیا۔ اس کا نام بھی اس کے ساتھ زندگی گزارنے والی تھی۔ فلم جیتنے پر بہرہ ور ہوا۔ دوسری فلم بچی کو نوڈن والری وارث ہوئی ہے جو اس سٹیڈیو اس کے لیے ترسے کچھوڑے ہوئے تھے۔ اس کی سٹیڈیو ان کو نوڈن والریوں کے حصول کے لیے اس پر عمل کرے گا تو ڈیوٹیز سے جب سٹیڈیو اس کے مقابلہ میں بچی کے لیے عد سے زیادہ جاتے ہیں تو وہ گھر سے بھاگ جاتی ہے جب تک فروٹ (اورڈر) نہیں ملتا۔ ایک شخص کو اس کی تلاش کا کام سنبھالنا جاتا ہے اس سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر وہ بچی کو تلاش کر کے گھر واپس لائے گا تو اس کے کامیاب ہو گیا تو اسے پانچ لاکھ ڈالر معاوضہ دیا جائے گا۔ نصف ملین ڈالر کی رقم معمولی نہیں تھی۔ وہ تلاش میں جت جاتا ہے تو فرائی کو تلاش کر کے اسے سٹیڈیو اس کے سامنے گھرتا ہے مگر اسے معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ اس کے الزام پر کیا گیا جاتا ہے کہ وہ کم لالچ میں خود اسی کو اپنی کار تو اٹھا گیا تھا۔ اس کے پیچھے ان کے تباہ

لوہیوٹ نے اپنی دوسری فلم میں ایک نو سالہ بچی "ہیرو لوشن" کا نام زمین کر دیا اور اداکاری کا ایک عظیم تجربہ کر دیا۔ اس کا نام بھی اس کے ساتھ زندگی گزارنے والی تھی۔ فلم جیتنے پر بہرہ ور ہوا۔ دوسری فلم بچی کو نوڈن والری وارث ہوئی ہے جو اس سٹیڈیو اس کے لیے ترسے کچھوڑے ہوئے تھے۔ اس کی سٹیڈیو ان کو نوڈن والریوں کے حصول کے لیے اس پر عمل کرے گا تو ڈیوٹیز سے جب سٹیڈیو اس کے مقابلہ میں بچی کے لیے عد سے زیادہ جاتے ہیں تو وہ گھر سے بھاگ جاتی ہے جب تک فروٹ (اورڈر) نہیں ملتا۔ ایک شخص کو اس کی تلاش کا کام سنبھالنا جاتا ہے اس سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر وہ بچی کو تلاش کر کے گھر واپس لائے گا تو اس کے کامیاب ہو گیا تو اسے پانچ لاکھ ڈالر معاوضہ دیا جائے گا۔ نصف ملین ڈالر کی رقم معمولی نہیں تھی۔ وہ تلاش میں جت جاتا ہے تو فرائی کو تلاش کر کے اسے سٹیڈیو اس کے سامنے گھرتا ہے مگر اسے معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ اس کے الزام پر کیا گیا جاتا ہے کہ وہ کم لالچ میں خود اسی کو اپنی کار تو اٹھا گیا تھا۔ اس کے پیچھے ان کے تباہ

لوہیوٹ نے اپنی دوسری فلم میں ایک نو سالہ بچی "ہیرو لوشن" کا نام زمین کر دیا اور اداکاری کا ایک عظیم تجربہ کر دیا۔ اس کا نام بھی اس کے ساتھ زندگی گزارنے والی تھی۔ فلم جیتنے پر بہرہ ور ہوا۔ دوسری فلم بچی کو نوڈن والری وارث ہوئی ہے جو اس سٹیڈیو اس کے لیے ترسے کچھوڑے ہوئے تھے۔ اس کی سٹیڈیو ان کو نوڈن والریوں کے حصول کے لیے اس پر عمل کرے گا تو ڈیوٹیز سے جب سٹیڈیو اس کے مقابلہ میں بچی کے لیے عد سے زیادہ جاتے ہیں تو وہ گھر سے بھاگ جاتی ہے جب تک فروٹ (اورڈر) نہیں ملتا۔ ایک شخص کو اس کی تلاش کا کام سنبھالنا جاتا ہے اس سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر وہ بچی کو تلاش کر کے گھر واپس لائے گا تو اس کے کامیاب ہو گیا تو اسے پانچ لاکھ ڈالر معاوضہ دیا جائے گا۔ نصف ملین ڈالر کی رقم معمولی نہیں تھی۔ وہ تلاش میں جت جاتا ہے تو فرائی کو تلاش کر کے اسے سٹیڈیو اس کے سامنے گھرتا ہے مگر اسے معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ اس کے الزام پر کیا گیا جاتا ہے کہ وہ کم لالچ میں خود اسی کو اپنی کار تو اٹھا گیا تھا۔ اس کے پیچھے ان کے تباہ

ہن چکا تھا۔ اسکول کے تمام بچے بدعاشی پر پرتے تھے گئے تھے۔ پڑھتے تھے۔ غلطی طور پر بے زار ہو گئے تھے۔ اسکول کے تمام اساتذہ اس خوف میں جتا ہو گئے تھے یہ بچے جلد یا بدیر ان پر حملہ کریں گے۔

قلم کی سب سے بڑی غرابی یہ تھی کہ 1955ء میں ریلیز ہونے والی فلم "دی بلیک بچکل" ایک اور فلم "پیٹ" اور "مک ٹیگ کوڈ" کا خوب عرس ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ان فلموں کے پورے پورے مٹار کو جو ذرا ایک نئی فلم تخلیق کرنے کی کوشش کی ہے اس بات پر تنقید گناہوں نے نہایت تنبیہ کی ہے فلم اڈیا اور ٹکری تنقید کے بعد جلد ہی یہ بات ظاہر ہوئی کہ فلم کا اسٹریٹ نہایت کمزور ہے۔ اور اس میں اصلاح کی شدید ضرورت تھی۔ جب تک سینما گھروں میں ریلز ہوتی تو ناظرین اور ناظرین نے جلد ہی یہ ثابت کیا کہ سسز ایکٹ پر غلط اور بڑا ہنر فلمی سسز ایکٹ ٹھوس ان دونوں خصوصیات کا انعقاد تھا۔ راسل و اسٹون اور اس میں اصلاح کو سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔

نیز دے میں شائع ہونے والی رائے یہ تھی کہ "سسز ایکٹ نوے پہلے حصے کی نمایاں کو مزہ ایا کر رہا ہے۔ دوسرا حصہ پہلے حصے کی فزین کو بھی "سسز کریا ہے" جو فلمیں محض فلم کے پہلے حصے کی تقلید سے متاثر ہو کر کھنچ پڑے ہوئے گئے ہیں۔ یا پھر ان میں ان فلموں کو ایسی کام سامنا کرنا ہے۔ بے طے کے پہلی فلم تو اکثر اوقات نہایت متاثر کن ثابت ہوتی ہے مگر ان ہی کرداروں کا ساتھ اتنی ہی اچھی کہانی کے آنے یا نہ ہونے سے مرئی مرتبہ جیسا خاصا مشکل اور کسی حد تک ناخوش کام سامنا کرنا ہے۔ اس کی مثال مشہور فلم "ہاؤ ٹاور" دے جی جاسٹی ہے۔ یا دوسروں کے شو آفٹن ڈائل پر بننے والی فلم "ہاؤ ٹاور" دے پوری دنیا میں جھلک رہا تھا۔ اس کی کہانی سے متاثر ہو کر محض پیرے ہونے کے لیے اس فلم کا دوسرا حصہ تیار کیا گیا مگر دوسری فلموں کو نہ پہلی فلم کی کامیابی کی اور نہ ہی تاریخ میں وہ دونوں فلمیں زندہ رہ سکیں۔ مرنسب کی نہیں ہی ہے۔ بے طے کے کسی فلم کی ایک آواز اوقات میرا اثر کن ثابت ہوتا ہے۔ اس بات سے جوت کے لیے ایسا دوسرا سبب بانی دوسرا فلموں کو دوسری فلموں کی مثال پیش کی جاسکتی

ہن چکا تھا۔ اسکول کے تمام بچے بدعاشی پر پرتے تھے گئے تھے۔ پڑھتے تھے۔ غلطی طور پر بے زار ہو گئے تھے۔ اسکول کے تمام اساتذہ اس خوف میں جتا ہو گئے تھے یہ بچے جلد یا بدیر ان پر حملہ کریں گے۔

قلم کی سب سے بڑی غرابی یہ تھی کہ 1955ء میں ریلیز ہونے والی فلم "دی بلیک بچکل" ایک اور فلم "پیٹ" اور "مک ٹیگ کوڈ" کا خوب عرس ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ان فلموں کے پورے پورے مٹار کو جو ذرا ایک نئی فلم تخلیق کرنے کی کوشش کی ہے اس بات پر تنقید گناہوں نے نہایت تنبیہ کی ہے فلم اڈیا اور ٹکری تنقید کے بعد جلد ہی یہ بات ظاہر ہوئی کہ فلم کا اسٹریٹ نہایت کمزور ہے۔ اور اس میں اصلاح کی شدید ضرورت تھی۔ جب تک سینما گھروں میں ریلز ہوتی تو ناظرین اور ناظرین نے جلد ہی یہ ثابت کیا کہ سسز ایکٹ پر غلط اور بڑا ہنر فلمی سسز ایکٹ ٹھوس ان دونوں خصوصیات کا انعقاد تھا۔ راسل و اسٹون اور اس میں اصلاح کو سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔

نیز دے میں شائع ہونے والی رائے یہ تھی کہ "سسز ایکٹ نوے پہلے حصے کی نمایاں کو مزہ ایا کر رہا ہے۔ دوسرا حصہ پہلے حصے کی فزین کو بھی "سسز کریا ہے" جو فلمیں محض فلم کے پہلے حصے کی تقلید سے متاثر ہو کر کھنچ پڑے ہوئے گئے ہیں۔ یا پھر ان میں ان فلموں کو ایسی کام سامنا کرنا ہے۔ بے طے کے پہلی فلم تو اکثر اوقات نہایت متاثر کن ثابت ہوتی ہے مگر ان ہی کرداروں کا ساتھ اتنی ہی اچھی کہانی کے آنے یا نہ ہونے سے مرئی مرتبہ جیسا خاصا مشکل اور کسی حد تک ناخوش کام سامنا کرنا ہے۔ اس کی مثال مشہور فلم "ہاؤ ٹاور" دے جی جاسٹی ہے۔ یا دوسروں کے شو آفٹن ڈائل پر بننے والی فلم "ہاؤ ٹاور" دے پوری دنیا میں جھلک رہا تھا۔ اس کی کہانی سے متاثر ہو کر محض پیرے ہونے کے لیے اس فلم کا دوسرا حصہ تیار کیا گیا مگر دوسری فلموں کو نہ پہلی فلم کی کامیابی کی اور نہ ہی تاریخ میں وہ دونوں فلمیں زندہ رہ سکیں۔ مرنسب کی نہیں ہی ہے۔ بے طے کے کسی فلم کی ایک آواز اوقات میرا اثر کن ثابت ہوتا ہے۔ اس بات سے جوت کے لیے ایسا دوسرا سبب بانی دوسرا فلموں کو دوسری فلموں کی مثال پیش کی جاسکتی

ہن چکا تھا۔ اسکول کے تمام بچے بدعاشی پر پرتے تھے گئے تھے۔ پڑھتے تھے۔ غلطی طور پر بے زار ہو گئے تھے۔ اسکول کے تمام اساتذہ اس خوف میں جتا ہو گئے تھے یہ بچے جلد یا بدیر ان پر حملہ کریں گے۔

قلم کی سب سے بڑی غرابی یہ تھی کہ 1955ء میں ریلیز ہونے والی فلم "دی بلیک بچکل" ایک اور فلم "پیٹ" اور "مک ٹیگ کوڈ" کا خوب عرس ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ان فلموں کے پورے پورے مٹار کو جو ذرا ایک نئی فلم تخلیق کرنے کی کوشش کی ہے اس بات پر تنقید گناہوں نے نہایت تنبیہ کی ہے فلم اڈیا اور ٹکری تنقید کے بعد جلد ہی یہ بات ظاہر ہوئی کہ فلم کا اسٹریٹ نہایت کمزور ہے۔ اور اس میں اصلاح کی شدید ضرورت تھی۔ جب تک سینما گھروں میں ریلز ہوتی تو ناظرین اور ناظرین نے جلد ہی یہ ثابت کیا کہ سسز ایکٹ پر غلط اور بڑا ہنر فلمی سسز ایکٹ ٹھوس ان دونوں خصوصیات کا انعقاد تھا۔ راسل و اسٹون اور اس میں اصلاح کو سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔

نیز دے میں شائع ہونے والی رائے یہ تھی کہ "سسز ایکٹ نوے پہلے حصے کی نمایاں کو مزہ ایا کر رہا ہے۔ دوسرا حصہ پہلے حصے کی فزین کو بھی "سسز کریا ہے" جو فلمیں محض فلم کے پہلے حصے کی تقلید سے متاثر ہو کر کھنچ پڑے ہوئے گئے ہیں۔ یا پھر ان میں ان فلموں کو ایسی کام سامنا کرنا ہے۔ بے طے کے پہلی فلم تو اکثر اوقات نہایت متاثر کن ثابت ہوتی ہے مگر ان ہی کرداروں کا ساتھ اتنی ہی اچھی کہانی کے آنے یا نہ ہونے سے مرئی مرتبہ جیسا خاصا مشکل اور کسی حد تک ناخوش کام سامنا کرنا ہے۔ اس کی مثال مشہور فلم "ہاؤ ٹاور" دے جی جاسٹی ہے۔ یا دوسروں کے شو آفٹن ڈائل پر بننے والی فلم "ہاؤ ٹاور" دے پوری دنیا میں جھلک رہا تھا۔ اس کی کہانی سے متاثر ہو کر محض پیرے ہونے کے لیے اس فلم کا دوسرا حصہ تیار کیا گیا مگر دوسری فلموں کو نہ پہلی فلم کی کامیابی کی اور نہ ہی تاریخ میں وہ دونوں فلمیں زندہ رہ سکیں۔ مرنسب کی نہیں ہی ہے۔ بے طے کے کسی فلم کی ایک آواز اوقات میرا اثر کن ثابت ہوتا ہے۔ اس بات سے جوت کے لیے ایسا دوسرا سبب بانی دوسرا فلموں کو دوسری فلموں کی مثال پیش کی جاسکتی

ہن چکا تھا۔ اسکول کے تمام بچے بدعاشی پر پرتے تھے گئے تھے۔ پڑھتے تھے۔ غلطی طور پر بے زار ہو گئے تھے۔ اسکول کے تمام اساتذہ اس خوف میں جتا ہو گئے تھے یہ بچے جلد یا بدیر ان پر حملہ کریں گے۔

قلم کی سب سے بڑی غرابی یہ تھی کہ 1955ء میں ریلیز ہونے والی فلم "دی بلیک بچکل" ایک اور فلم "پیٹ" اور "مک ٹیگ کوڈ" کا خوب عرس ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ان فلموں کے پورے پورے مٹار کو جو ذرا ایک نئی فلم تخلیق کرنے کی کوشش کی ہے اس بات پر تنقید گناہوں نے نہایت تنبیہ کی ہے فلم اڈیا اور ٹکری تنقید کے بعد جلد ہی یہ بات ظاہر ہوئی کہ فلم کا اسٹریٹ نہایت کمزور ہے۔ اور اس میں اصلاح کی شدید ضرورت تھی۔ جب تک سینما گھروں میں ریلز ہوتی تو ناظرین اور ناظرین نے جلد ہی یہ ثابت کیا کہ سسز ایکٹ پر غلط اور بڑا ہنر فلمی سسز ایکٹ ٹھوس ان دونوں خصوصیات کا انعقاد تھا۔ راسل و اسٹون اور اس میں اصلاح کو سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔

نیز دے میں شائع ہونے والی رائے یہ تھی کہ "سسز ایکٹ نوے پہلے حصے کی نمایاں کو مزہ ایا کر رہا ہے۔ دوسرا حصہ پہلے حصے کی فزین کو بھی "سسز کریا ہے" جو فلمیں محض فلم کے پہلے حصے کی تقلید سے متاثر ہو کر کھنچ پڑے ہوئے گئے ہیں۔ یا پھر ان میں ان فلموں کو ایسی کام سامنا کرنا ہے۔ بے طے کے پہلی فلم تو اکثر اوقات نہایت متاثر کن ثابت ہوتی ہے مگر ان ہی کرداروں کا ساتھ اتنی ہی اچھی کہانی کے آنے یا نہ ہونے سے مرئی مرتبہ جیسا خاصا مشکل اور کسی حد تک ناخوش کام سامنا کرنا ہے۔ اس کی مثال مشہور فلم "ہاؤ ٹاور" دے جی جاسٹی ہے۔ یا دوسروں کے شو آفٹن ڈائل پر بننے والی فلم "ہاؤ ٹاور" دے پوری دنیا میں جھلک رہا تھا۔ اس کی کہانی سے متاثر ہو کر محض پیرے ہونے کے لیے اس فلم کا دوسرا حصہ تیار کیا گیا مگر دوسری فلموں کو نہ پہلی فلم کی کامیابی کی اور نہ ہی تاریخ میں وہ دونوں فلمیں زندہ رہ سکیں۔ مرنسب کی نہیں ہی ہے۔ بے طے کے کسی فلم کی ایک آواز اوقات میرا اثر کن ثابت ہوتا ہے۔ اس بات سے جوت کے لیے ایسا دوسرا سبب بانی دوسرا فلموں کو دوسری فلموں کی مثال پیش کی جاسکتی

ہن چکا تھا۔ اسکول کے تمام بچے بدعاشی پر پرتے تھے گئے تھے۔ پڑھتے تھے۔ غلطی طور پر بے زار ہو گئے تھے۔ اسکول کے تمام اساتذہ اس خوف میں جتا ہو گئے تھے یہ بچے جلد یا بدیر ان پر حملہ کریں گے۔

ہن چکا تھا۔ جن بائیس پروگراموں میں وہ حصہ لیتے منظور ہی نہ ہو پائے۔ اگر خوش قسمتی سے منظور ہو جاتے تو اس سے کہہ کر وہ اتنا اچھا ناظرین میں اپنی جگہ بناتے۔ انہیں غسل کر کے بند کر دیا جاتا اور بیشتر دور کی کارٹیجوں میں جاتا ہے۔ اسے اپنے چاروں طرف تاریکی کی تاریکی یو ای یو ای اور کارٹیج کی تاریکی نظر آتی تھی۔ اس کی فلمیں بھی لوگوں کو متاثر کرنے میں ناہم ہو رہی تھیں۔ اس کی فلموں کی تہرہ کیا تو ان میں جینر کا نام تک نہیں لیا جاتا۔

بیشتر فلمیں اس دور میں مذکور نہیں کی جاسکتیں۔ ہر س کی بچی کا کردار کراسا کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ اگرچہ اچھی وہ جین تہرہ برس کی تھی مگر اس کے پیش کش جسم کے تنہا و فرازا میں موجودی اور تاریکی کا احساس دلانے کے لیے تھی۔ اس کی تہرہ کی عادی تھی۔ محکمہ ایکسٹنشن وہ جنگ آئی اور ناسا کے لیے جیسا ہے۔

"مما" میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میری تمام تر شرس بے جا ہو گئی ہیں اب پہلے بھی نہیں ہیں۔ میں کیا کروں؟" ماں نے اس کی طرف جیتنا پیش نظر ہونے سے دیکھا اور چپکے سے بولی "غلاب یہ پوری ہو تو میں جیسا عرض داخل ہو رہی ہو۔ اس عمر میں لڑکیوں کا بدن تہرہ کی عمر کے لئے کڑا ہے۔ یہ بیان پورے کی پوری بات نہیں۔"

"مگر ماں مجھے بہت اچھیں ہوتی ہے۔ تہرہ تک لگتی ہے۔"

"ہے۔"

تہرہ کے اوپری ہنٹل ہو گیا۔ دباؤ وہ ایک چھوٹے سے اسکول میں یہ طور پر پہل ملازمت اختیار کر لیتا ہے۔ خوبصورت لوگیشن کے علاوہ اس سیز کی خاص بات اس خاندان کے ساتھ کرنے والے واقعات تھے۔ اس خاندان کے بچے تہرہ سے بڑے ہو رہے تھے اور اپنی ماں کے بغیر زندگی گزار رہے تھے۔ جیسا کہ چودھویں کے علاوہ تہرہ اور داخل میں اپنے آپ کو قلم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جینر لوہوٹ آؤٹین میں کامیاب ہو گئی۔ اسے سام باؤ کی جو ان سال میں فین باؤ کے کردار کے لیے منتخب کیا گیا اور بالکل پہلی مرتبہ وہ ایک ایسا کردار ادا کیا کہ جاری ہو جس کی اپنی شخصیت سے فنی مختلف کردہ ایک ایسی جوان لڑکی کا کردار تھا جو جوانی کے جوش و جذبہ اور بیجان سے بھرپور تھی۔ وہ سکرین ٹوش کی فلموں سے چلا چلا کر بائیں ٹائیٹل "ایس والڈ کی کارڈ چلائی تھی اور جینر لوہوٹ۔ بات ڈائریکٹریں تھیں۔ سیز میں فین باؤ کا کردار خاصے پیچیدہ اور نفسیاتی تھا۔ دوسری سیز میں فین باؤ بہت ہی بیجان انگریز تہرہ کی عمر کے زور تھی۔ وہ اپنے گھر کو

ہن چکا تھا۔ جن بائیس پروگراموں میں وہ حصہ لیتے منظور ہی نہ ہو پائے۔ اگر خوش قسمتی سے منظور ہو جاتے تو اس سے کہہ کر وہ اتنا اچھا ناظرین میں اپنی جگہ بناتے۔ انہیں غسل کر کے بند کر دیا جاتا اور بیشتر دور کی کارٹیجوں میں جاتا ہے۔ اسے اپنے چاروں طرف تاریکی کی تاریکی یو ای یو ای اور کارٹیج کی تاریکی نظر آتی تھی۔ اس کی فلمیں بھی لوگوں کو متاثر کرنے میں ناہم ہو رہی تھیں۔ اس کی فلموں کی تہرہ کیا تو ان میں جینر کا نام تک نہیں لیا جاتا۔

بیشتر فلمیں اس دور میں مذکور نہیں کی جاسکتیں۔ ہر س کی بچی کا کردار کراسا کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ اگرچہ اچھی وہ جین تہرہ برس کی تھی مگر اس کے پیش کش جسم کے تنہا و فرازا میں موجودی اور تاریکی کا احساس دلانے کے لیے تھی۔ اس کی تہرہ کی عادی تھی۔ محکمہ ایکسٹنشن وہ جنگ آئی اور ناسا کے لیے جیسا ہے۔

"مما" میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میری تمام تر شرس بے جا ہو گئی ہیں اب پہلے بھی نہیں ہیں۔ میں کیا کروں؟" ماں نے اس کی طرف جیتنا پیش نظر ہونے سے دیکھا اور چپکے سے بولی "غلاب یہ پوری ہو تو میں جیسا عرض داخل ہو رہی ہو۔ اس عمر میں لڑکیوں کا بدن تہرہ کی عمر کے لئے کڑا ہے۔ یہ بیان پورے کی پوری بات نہیں۔"

"مگر ماں مجھے بہت اچھیں ہوتی ہے۔ تہرہ تک لگتی ہے۔"

"ہے۔"

تہرہ کے اوپری ہنٹل ہو گیا۔ دباؤ وہ ایک چھوٹے سے اسکول میں یہ طور پر پہل ملازمت اختیار کر لیتا ہے۔ خوبصورت لوگیشن کے علاوہ اس سیز کی خاص بات اس خاندان کے ساتھ کرنے والے واقعات تھے۔ اس خاندان کے بچے تہرہ سے بڑے ہو رہے تھے اور اپنی ماں کے بغیر زندگی گزار رہے تھے۔ جیسا کہ چودھویں کے علاوہ تہرہ اور داخل میں اپنے آپ کو قلم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جینر لوہوٹ آؤٹین میں کامیاب ہو گئی۔ اسے سام باؤ کی جو ان سال میں فین باؤ کے کردار کے لیے منتخب کیا گیا اور بالکل پہلی مرتبہ وہ ایک ایسا کردار ادا کیا کہ جاری ہو جس کی اپنی شخصیت سے فنی مختلف کردہ ایک ایسی جوان لڑکی کا کردار تھا جو جوانی کے جوش و جذبہ اور بیجان سے بھرپور تھی۔ وہ سکرین ٹوش کی فلموں سے چلا چلا کر بائیں ٹائیٹل "ایس والڈ کی کارڈ چلائی تھی اور جینر لوہوٹ۔ بات ڈائریکٹریں تھیں۔ سیز میں فین باؤ کا کردار خاصے پیچیدہ اور نفسیاتی تھا۔ دوسری سیز میں فین باؤ بہت ہی بیجان انگریز تہرہ کی عمر کے زور تھی۔ وہ اپنے گھر کو

دروہد کی کمیوں کی طرح نظر آتے گئے ہیں پھر اداکارہ ہونے کا مطلب ہوتا ہے لڑکی محلِ محفل چکی ہے۔ اب اس کے شب و روز اس انداز میں گزرنے لگے جیسا کہ عام طور پر امریکی لڑکیوں کے گزرتے ہیں۔ اگرچہ وہ بالغ نہیں ہوئی تھیں۔ قانونی طور پر بالغ ہی تھی مگر اس عمر میں بالغ جیسے

دوسرا بڑا مسئلہ درجہ بندی کا تھا۔ اگرچہ یہ ایک متقبل
 ڈراما تھا مگر اسے ای سی ٹی وی پر دکھانے کا اس وقت سخت
 ای سی ٹی وی کا سامنا کرنا درجہ چار میں ہی ابتدائی ٹیموں پر
 جبکہ خانے میں ناگام رہا۔ فلورا جیجی نے اس کے اختتام پر اس
 ڈرامے کا گورنر جاری نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس ڈرامے کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اسے
 ڈھنست سے تیار کیا گیا تھا اور یہ تین دن میں نہ کر سکتا تھا کیا
 اس کے لیے لوگ کوئی معیار دی درجہ چار دینا چاہتے تھے اور یہی
 غلط سوچ تھی۔ اس لیے اس پر جب کسی کو معیاری دی اور یہی
 ڈراما بنایا گیا تو لوگوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ اس
 ڈرامے کی پہلی ہی اس کی سب سے بڑی خامی تھی۔ کیونکہ
 یہ صرف معدود محاوروں میں لوگ شام کے فارغ وقت میں
 صرف اور صرف تفریح چاہتے تھے۔ اچھا لڑائی پر سوچنے
 کا وقت ان کے پاس نہیں ہوتا۔

اس شوکی بندش سے متعلقہ آدمیوں کا سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ خود جینفر کے لیے بھی یہ ڈراما اب تک کا سب سے اچھا مغفرو اور مختلف تجربہ تھا۔ پارٹی آف قاضیوں کے بعد اسے جذبات خود اپنی رفتار میں اسی شو میں پسند آ رہی تھی۔ آج تک کسی کو بھی اصل بات نہیں معلوم کہ "ہائوز

آف پیارا از تو بکس بند کیا گیا۔ مینفر کا ذاتی خیال یہی ہے کہ اس کی لاگت اس پروگرام کو بند کرنے کا سبب بن گئی تھی۔

جینفر لوہیت کے ٹیلنٹ میں ترقی کے مشاہدے کا موقع ملا۔ شوہند ہونے کے بعد جینفر کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنی اپنے گھر لاس اینجلس آ جائے اب وہ بے کار تھی اور گھر پر موجود تھی۔ اس کا مطلب ایک بار پھر اسکول، کرایہ، ماحول، آواز، لڑائی، لڑنے، ہار، اسکول،

داخلہ لے لیا۔ جہاں پہلے سے بدتر صورت حال اس کا انتظار کر رہی تھی۔ پہلے بوسے کے بعد اپنی جسمانی تبدیلیوں کے بعد اب وہ زندگی کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے اور برتنے لگی تھی۔ لڑکی خوبصورت اور پُرکشش ہو تو لڑکے اس کے

یہ کدو "بازن آف ہالاز" میں اپنے پھل بنانا کے کدو
سے زیادہ مختلف محسوس نہیں ہوا۔

جلدی بچے کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر اس بچے کی سیریز میں بڑھ کر دی گئی۔ جتنی ضرورت ہوگی اسے اس کے پاس شروع کیا تھا۔ وہ جس سیریز میں کام کر رہی تھی اس کے ساتھ میں تاقی کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ دھت پانی کی اس قیامت میں سہنے کی تھی وہ خوش ہے۔ ایسی خوش لڑکی، اچھی لڑکی سیریز میں کام کرنے والے بچے اور وہم و اواکوں کی کامیابیوں اور نصیب کو بھی گن لگاتی ہے۔

تھا۔ وہ اس اجلاس میں واقعہ اپنے لئے کرواہیں آئی توشہید کے
اور کرب کی کیفیت میں جلا بھی "ایسے جس کی ہرمان اور
شفیق ماں نے اسے دلا دے ہوئے کہا "ماپوسی آگے
بڑھنے کے تمام راستے بند کر دیتی ہے۔ ناکام ہونا کوئی غیر
معمول واقعہ نہیں ہے۔ ناکامی تو شہرئیں کا حصہ ہے، آج اگر
ناکامی تمہارے مقدر میں ہے تو کل یقیناً تم کا سیلاب ہو جاؤ
گی۔"

ماں کے سمجھانے پر اس نے ماپوسی کو اپنے سے دور
 لے کر اپنی جدوجہد شروع کر دی۔ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ
 بہت سی نئی چیزیں ناکامی سے ہی دوچار ہوتی ہیں۔ اس میں
 اداکاروں کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ بلکہ سخت مقابلہ کامیابی
 اور ناکامی کی بسات بچھنا ہے یہ تو ایک جوا ہے اور یہ جوا

کلیتے رہنا اس کی مجبوری ہے۔
اس کی ماں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ "ابھی تو وہ محض
سولہ برس کی ہے اس کے پاس کامیاب ہونے کے لیے
ابھی بہت سادقت ہے لوگ اس عمر میں ناکامیوں سے
شروعات کرتے ہیں۔" ماں کی ان باتوں نے اسے کسی حد

تک مطمئن کر دیا تھا۔

❦❦❦

جس وقت ”یک کینا“ منسوخ ہوئی اس وقت اس کے ساتھ شروع ہونے والی اکثر میرزا اپنا ایک میز بن مکمل کر چکا تھا۔ یہ میز ”ایک کینا“ کی طرح ہی تھا، جس پر بھی لکھنا تھا۔

انگریزوں نے کامیاب سیریز کھائی مگر اس کا مستقبل بھی غیر یقینی تھا۔
اپریل 2012ء

جب ایک کینسیس سیریز بند ہو چکی تھی تو پائلٹی آف فائیکو کا بند ہونا بھی لازمی تھا۔ اس کا نتیجہ ایک عملہ اور ادارہ سائنس کے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ آیا آئندہ سیریز میں بھی اس سیریز کو جاری رکھا جائے گا یا نہیں۔

پائلٹی آف فائیکو ابتدائی سیریز میں جاری تھی۔ ہر سیریز اس کے شائقین میں اضافہ ہو رہا تھا۔ جن کے آخری زمانے میں بھی اس سیریز کے کافی چرچے ہو چکے تھے۔ اس سیریز کا مرکزی خیال "سینڈی گرشو" کے تخلیقی دماغ سے برآمد ہوا تھا۔ سینڈی گرشو نے سنیٹر جیم اس آسٹوڈا سے ملنے کا طور پر ورک کی پروگرامنگ ایگزیکٹو کیسے کام کا آئیڈیا کچھ یوں تھا کہ ایسے بچوں کے متعلق سیریز تیار کی جائے جو خود بخود ان دنوں کے زمانے میں۔ ان کی زندگیوں میں ان کے والدین کا عمل دخل نہ ہو۔ پوٹینی یورپی ایلر 90210 اور میل روز بیس کے درمیان کوئی سیریز جس میں ضرورت کے مطابق سیکس کو بھی لگایا جاسکے۔

اس سیریز کو لکھنے کے لیے ایچی اورلپ سین اور کرسٹوفر کیر کا انتخاب کیا گیا۔ عمر وہ دونوں ہی اس خیال سے خوش تھے کہ وہ اپنا چاہتے تھے کہ والدین یا سہرتوں کی غیر موجودگی کو عمر بچوں کی بڑی طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ لہذا انہوں نے اس کا تعریض اپنے اثر انداز سے نہیں ہائیوں اور دونوں کا بغیر والدین کے خاندان تخلیق کیا۔ ان کے والدین کا انتقال کیا حواس میں ہو گیا تھا۔ اس شری کمانی والدین کی موت کے بعد باوجود یہ شوق ہوئی کہ

فوکس نیٹ ورکس کے ایگزیکٹو کے سامنے حتی اسکرپٹ پیش کرنے کے وقت دونوں متعین بیٹی کیر اورلپ سین تخلیقی پر امید نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسکرپٹ مسزود ہو جائے گا اور اس کی سب سے بڑی دقت یہ ہوگی کہ فوکس نیٹ ورکس کو کارروایوں اور سیریزوں کو وہ کام تک کوئی خاص تجربہ نہیں تھا لیکن جلد ہی انہیں یہ جان کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ انہیں پائینٹ تیار کرنے کی اجازت سے دی گئی تھی۔ صرف متعین ہی نہیں فوکس کے پوزیشننگ والی سرپرٹ بھی تھیں بلکہ یہی اس شو کے خدائے غدا تھا کہ شکاک تھے ان کی گھبراہٹ کی ایک وجہ یہ تھی کہ سیریز کا خیال بہت مرکزہ اثر نہیں تھا۔ پھر اس میں یورپی ایلر 90210 جیسے سیکس کی بھی شگنائیں نہیں تھیں۔ فوکس والوں کا خیال تھا کہ اس سیریز کو ہر طرح کا اثر ہو سکتا ہے چاہے کمر متعین کرس اور ایچی کا اصرار تھا کہ اس میں ڈرامائی ہونا چاہیے اور بالآخر انہیں اس بات کی اجازت

دی گئی۔

آؤٹش شروع ہونے تو پہلے ہی دن اسکاٹ وولف کو فائل کر لیا گیا۔ وہ ای قدر کم چرچ ہو کر ادارہ تھا کہ اسے فوری طور پر پبلک کارڈر سوپ ڈاک گیا۔ "سینڈی فوکس نے آؤٹش کے لیے اپنی زندگی بھر کی محنت کی۔ یہ سیریز قریباً قریب اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اس نے جونیو بیگنی کی اس میں اپنی خرابی بھی نام زد کی۔ وہ سن میں اپنی بہن۔ وہ دونوں میں ڈوٹی کا سبز رنگ کا دکھائی دے رہا تھا۔ لیڈ اورلپ سین نے اسے کافی طور پر حاضر ہونے کا کہا۔ اسے دیکھنے میں دونوں متعین نے بے ساختہ کمر دیا کہ "پائلٹی آف فائیکو" کے کردار کو سینڈی فوکس نے بہت انداز میں کوئی نہیں کر سکے گا۔"

سینڈی فوکس کی طبعی کمسنی، سہرت نے بھی آؤٹش میں بے ذات خود کار ہونے کے معاملے میں ڈوٹی بھجی گئی۔ وہ ایچی کی معروف ادارہ تھی۔ کئی آڑوں وہ ملٹی وڈن پر بھی کام کر چکی تھی۔ سیریز کے خاتین کو کبھی سہرت میں وہ ذہانت نظر آتی تھی کہ کھلاؤ کے کردار کی ضرورت تھی۔ یوں کھلاؤ کے کردار بھی سہرت کو لگایا گیا۔ یہ مشکل انتخاب ہو گیا کہ کردار کے لیے ثابت ہوا۔ سیکڑوں لوگوں نے اس کردار کے حصول کے لیے متعدد بار آؤٹش سینڈی فوکس سے سب کو مسزود کر دیا۔ وقت گزرا یا پھر تھا۔ پائینٹ پروگرام کی ریزنگ میں شخص دونوں پائلٹی تھے اور ہوا کے کردار کے لیے کسی ادارہ کا انتخاب نہیں ہو سکا تھا۔

تب معروف ادارہ انڈی کیمبل آؤٹش روم میں داخل ہوئی۔ اس نے ہر پر ادھار کے ساتھ صرف دس منٹ کا اسکرپٹ پڑھا اور منسلک عمل ہو گیا۔ اگلے دن کے کاسٹنگ ڈائریکٹر کو پلایا گیا اور نیو کیمبل کو جو لیا کہ کردار میں داخل کر لیا گیا۔ لگتا تھا کہ قدرت اس کردار کے لیے کیمبل کو خاص طور پر دی گئی تھی۔ صرف ایک ہفتہ کی لاس انڈیگنٹس کئی خاص کام کر دی تھی۔ کیمبل کو گینڈا میں رخصتی پریت حاصل کر دی تھی۔ بائٹ سے وہ بھی ہونے کے باعث اسے یہ تربیت چھوڑنا پڑی۔ ادارہ کے طور پر وہ گینڈا میں خاصی مقبول تھی۔ گینڈا میں بننے والی ایک سیریز "بائٹ واک" کے باعث اسے بہت حیرت ملی۔ وہ خالص رقص اور کچھ اور چارنگ نظر جس کی بالک تھی۔ کیمبل واک میں اس نے فیاضی سے اپنے جسم کی نمائش کی تھی۔ کیمبل کیمبل اسٹیل اس کے نام کے

ساتھ چپاں ہو گیا تھا اور پھر وہ امریکا آئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جوں جوں کی کیمبل گینڈا میں اپنی کئی ادارہ کا خاص طور پر کیمبل کو لیا گیا۔ سہرت و مقبولیت کی ایک خاص طرح تک پہنچا۔ وہ بعد ازاں کمرہ چائے میں لہذا انہیں ادارہ میں مزید کام شہرت اور پیسے کے حصول میں امریکا کا رخ کیا۔ یہیں امریکا آئے ہی انڈی کو ایک بڑا اور ہر پر ادھار مقبولیت سے والا کر دیں گیا تھا۔

فروری 1994ء میں شو کی کس بندی کے لیے سنان فرما کیا گیا۔ انتخاب کیا گیا لیکن بعد میں کس بند ہو گیا۔ برکس کو لیا گیا۔ کئی روز سنان فرما کس کے مقابلے میں جب سنان تھا۔ فوکس نیٹ ورکس نے مئی 1994ء کے لیے جب سنان کی شمول کا اعلان کیا تو اس میں پائلٹی آف فائیکو شامل تھا۔ اس کی تحریہ اقبال بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ پائینٹ پروگرام اگرچہ گینڈا میں تیار ہوا تھا۔ مگر یہ تمام آزمائشیں کس بند ہواؤ کے سولٹا میں کی گئی تھیں۔ تمام ادارہ جیسے بعد کچھ آٹھ بجے ایک بار روم میں دیکھا جائے اور رات بھر صبح کام سے فرات کے بعد ہی ایشین جمنی تھی "پائلٹی وڈن میں اس انداز میں مسلسل کام کیا جاتا ہے۔ ادارہ جیسے شام تک ایک ہی سیٹ پر کام کے لیے ہر وقت موجود رہنے کے پابند ہیں۔

کمانی پائلٹی تھی کہ سیکڑوں خاندان کے افرادی عرس ایک سے چھ یوں عرس کے درمیان میں انہوں نے کمر لے کر رکھا تھا کہ ہر سیریز کا کئی ادارہ پر کس کی دعوت کیا کہے گا۔ لہذا ہر سیریز تمام ادارہ کی ایک ادارہ کے کر رہے ہوتے تھے۔ پھر تمام ادارہ جلد ہی ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ اسکرین پر تمام ادارہ جذبات نگاری میں ہوتے۔ یہ دکھائی دیتے تو آف اسکرین وہ بات بات پر ہنستے لے رہے ہوتے تھے۔

پائلٹی آف فائیکو خوش قسمتی تھی کہ ناقدین نے اسے ابتدا سے ہی سراہا اور اس کی تحریف کرنا شروع کر دیا تھا۔ نیویارک پوسٹ میں سوفی جان جان پوڈ ہونڈ نے کہا تھا "موسم برسات کے سیزن کے لیے فوکس نے "پائلٹی آف فائیکو" جیسا سب سے بہترین پائینٹ پیش کیا ہے۔ اس کی ذہانت اور عمر کے کبھی کئی بے چارائی مناظر اور واقعات سے ہم پر ہے اور تمام ادارہ کی کارکردگی بھی انتہائی لاجواب ہے۔"

اس قدر عمدہ تحریف کے باوجود جب یہ سیریز قلم ایگری کی تو ابتداً ایک چند بہنوں میں درجہ بندی میں یہ مشکل دسویں نمبر

جگہ بنانے میں کامیاب ہو سکا۔ اس کا دن اور وقت تخلیق ہوا۔ وہ بھی قلم سے سیریز ہر کے روز رات ہوئے۔ دکھائی جانے والی کسی پھر چل رہی تھی۔ اس قدر خاص تھی کہ لوگوں کو اس سیریز کے بارے میں باتیں نہ چل سکی۔ یہ ایسی صورت حال تھی کہ اکثر نئی وین اور اسے ان حالات میں سیریز کو ہند کر مناسب خیال کرتے ہیں۔ مگر فوکس والوں کا کام کرنے کا انداز ہی مختلف تھا۔ وہ اس سیریز کو مزید وقت دینے کا آداب ان کے گوشہ گوشہ میں اور بیس اور یورپی ایلر 90210 کی بھی زبردستی ناظرین کو توڑی تھی۔

کافی سوچ بچار کے بعد "پائلٹی آف فائیکو" کا دن تہمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یوں یہ سیریز بدھ کی شب یورپی ایلر 90210 کے بعد دکھائی جانے لگی۔ اس تہمل میں پائلٹی آف فائیکو دوسری نمبر سے نمبر گریہ کر کے کوئی خاص کامیابی نہیں تھی۔ سب کے سب کچھ کر رہے۔ ادارہ کا اور اسکاٹ وولف کا دن کو اپنے مستقبل کی طرف سے غمروں سے گھبرائی۔ سب ہی توشیٹ میں چلا ہو کر رہے تھے۔ ایسے میں شو والوں نے تین اقسالی منظر کی بند کی کہنے کے بعد اگلے سیزن کے لیے بھی اسکرپٹ لکھنے کی ضرورت دے دی تھی لیکن یہ کوئی ضمانت نہیں تھی۔ ہر شخص سیریز کے مستقبل کی طرف سے باؤس اور غمروں نظر رہا تھا۔ سب کا یہی خیال تھا کہ شاید آئندہ ہفتے اس سیریز کو لپٹ جائے۔

نمبر میں سب کی جان میں جان آنا شروع ہوئی۔ سیریز نے جان بچاؤ کی تھی۔ اس کی مقبولیت میں بیکت اضافہ ہو گیا تھا۔ جنوری 1995ء میں اسے بدھ کے روز مستقل جگہ مل گئی۔ اور ناظرین کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا۔ درجہ بندی میں بھی سیریز ترقی کی۔ اس شخص ناظرین میں فزادہ ہو کر تین سے چھ تین سال کے لوگ شامل تھے۔ نشیری اداروں کے لیے یہ سیریز ایک رننگ تھا لیکن اب بھی یہ کوئی کامیابی نہیں تھی۔ آگئی وہ وقت دور تھا جب یہ سیریز یورپی وینا میں آگ لگنے والی تھی۔ فوکس نے کہا تھا کہ اس کے بعد تین مستقل کی پیش گوئیاں کرنا شروع کر دی تھیں۔ تمام ناظرین نے اس شو کو مکمل طور پر بند ہونے سے بھالیا۔

ہیں میں اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اپارٹی آف فائو
 ۵، کے خلاف ووٹ نہ دیں اور انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ
 یہ راز کو سنبھال کر رکھیں۔ یہی نہیں
 انگریز کے ذریعے بھی تاخر میں اسے اس شریک سے حد تحریف
 کی۔ لہذا اس کے والدین نے ان کی خوشنودی سے بدلے میں
 اس سیر کو گھنہ چڑھنے میں جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔
 جرت انگریز بات بھی ٹھیک ہے۔ میرزہ بدلی میں ٹاپ
 پوشی حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی مگر پھر بھی اسے
 یاد دہانی دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس سیر کو ابھی مزہ نہایت
 کی ضرورت تھی۔ طبعی ہی نہ تھی۔ اپنی دی گئی
 نے ایک اسٹوری شائع کی جو "پارٹی آف فائو" کے متعلق
 تھی، اس کا عنوان تھا "میرزہ شو" جسے آپ دیکھ نہیں
 رہے۔ اس کے علاوہ پتیل ہاکم اور یو ایس اے سے ٹوڑے
 ایک سیر کو امریکی ٹیلی ویژن کی میجرن سیریز میں
 ایک قرار دیا۔ پھر کوئی گلوب اپوارڈ میں اس سیر سے
 میجرن ڈرامہ سیرز کا کوئلن گلوب اپوارڈ حاصل کیا تو کوئل
 جو چمک کر اس سیریز کی طرف متوجہ ہو گئے۔

میرزہ میں اس سیریز میں بعض اہم تبدیلیاں کر
 دی گئیں تھیں اور ایک اہم نکتہ گردا گرد اخلاقی کیا گیا۔
 اس گردا گرد کے لیے فکس ٹیٹو ویس کو اپنی پیش گوئیوں
 اور میسجی لڑکی کی ضرورت تھی جو گولیاں کی عمر ہو سکیں
 شخصیت کا تاثر جو ہلکا سے مختلف ہوا۔ اسے ملکہ طور پر سیرز
 میں تبدیلی کی جو پیش گوئی ہو کر گردا گرد اخلاقی مضامین نے
 اس لڑکی کے گردا گرد کا نام بھی سوچ لیا تھا۔ سارا رپورٹس اب
 انہیں ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو سارا رپورٹس ایہم گردا گرد
 کر سکیں۔ ان دنوں بینر لوہٹ کے پاس اتنا وقت ہی نہیں
 ہوا تھا کہ وہ ٹیلی وڈن دیکھ سکتے۔ لہذا اسے فکس ایوارڈ
 نہیں تھا کہ وہ "پارٹی آف فائو" ٹائی سیریز بھی چھین
 جا رہی ہے۔ جب اسے اس سیریز کے بارے میں علم ہوا تو
 اس وقت ہی وہ اس پر توجہ نہیں دے سکی۔ اب وہ ہانڈی
 سے اسکل جاتی تھیں۔ وہم دنیا میں اسکل واحد جگہ تھی۔ جہاں
 جانا سے توجہ نہایت تھا۔ اسے اسکل سے توجہ نہ تھی تو وہ
 ہو گئی تھیں اس کی ماں خدیجہ تو وہ کہتی "میں! اسکل میں
 بیچے جو بچہ جاتا تھا۔"

اس کے بافرن پڑتا ہے وہ خود کو تم سے کمتر سمجھتے
 ہیں۔ اس لیے ہمیں عجیب فکروں سے دیکھتے ہیں۔ اگر تم غیر
 معمولی نہ ہو۔ میں اس قدر معذور اور مقبل نہ ہوں تو وہ
 جنس عام ہی لڑکی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے۔"

میں نے بھلا کر کہا "ماں! اب بھی کسی بات کی
 ہیں" اسکل کی لڑکیاں اور لڑکے مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔
 اسکل کی عزت میں مجھ پر حملہ کرنے اور مارنے پہنچے گی
 کو کش کی جاتی ہے اکثر میں راپار میں گرتی ہوں تو
 مجھ پر کوکبیاں پھینک دیا جاتا ہے۔
 میری بیوی نے یہ بات پیشکش انگیز بھی کر دی
 بھی جو مجھ سے ملے کے ساتھ یہ جارحانہ رویہ کسی ایک
 طالب علم کا نہیں تھا۔ تب ہی اس کے ساتھ چلوں لوگ دریا
 تھے۔ بینر لوہٹ کو ابھی طرح احساس ہونے لگا کہ
 اسکل کی لڑکیوں اور لڑکوں کے اوپر اسے کامل شک
 ہے۔ اصل میں وہ ایک ایسی زندگی گزار رہی تھی جو اسکل
 کے ان ظالمانہ حالات کو میر نہیں سمجھ سکتی تھی۔ کیا ان کی کہانیاں
 کے صدقہ وہ واقعی تھیں اور ان کی اظہار اور حملہ کر کے
 اور اسے ہراساں کر کے کیا کرتے تھے۔ بینر اسکل کی
 زندگی کے علاوہ شیزو آؤٹیشن کی دنیا میں مصروف
 تھے۔ اس سے نفرت کرنے والی لڑکیوں کو یہ زندگی میر نہیں
 تھی۔ بینر نے اسکل کے بچوں کے رد میں سے اپنا ذہن
 بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ پھر جلد ہی اسے اسے ریکارڈ
 کا ایک ٹریڈ مارک کیا۔

اصل میں بینر بنیادی طور پر بھی تھی گھوکا تھی۔
 اس نے اپنی آواز میں چند بینر ریکارڈ کرنا تھے جو اس کے
 اینٹ نے تمام ریکارڈنگ کمپنیوں کی طرف روانہ کر دیے
 تھے۔ اس دوران میں بینر کی پوری توجہ ادکاری کی طرف ہو
 گئی تھی۔ وہ میرزہ کو رہی تھی اور قہوں کے لیے ہاتھ پاؤں
 مارنے میں مگن تھی۔ اسے یاد ہی نہیں رہا کہ اس کے ریکارڈ
 شدہ آواز شی چین کے ساتھ کیا ہوا۔ اور پھر ایک دن جب
 اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا تو اس نے اینٹ کا فون کیا۔
 "ادار! میں نے آپ کی ساری نیپ خفیت کہیں نہ
 بیچ دی تھیں" اس کا ایک بڑے ادارے کی طرف سے گانے
 ریکارڈ کرانے کی آفر ہوئی ہے۔
 "مگر جان! تم جو مانے ہو مجھے گانے ہوئے کتنا عرصہ
 ہو گیا۔ میری ساری توجہ میرے ادارے اور ادکاری کی طرف
 ہے گیا۔ میں اسے گانا میرے لیے ٹھیک رہے گا۔"
 دوسری طرف سے جان سے کہا "مگر لویا یہ آفر کسی
 معمولی ادارے کی طرف سے نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے 92ء میں
 تمہاری ریکارڈنگ نے جاپان میں دھم چلا دی تھی یہ اہم بھی
 اس ادارے سے کہہ نظر ہے۔"

"لیکن! میں تو اس اہم کو بھلا گیا ہوں، ویسے بھی اس
 2012

وقت بہت بھولی تھی کمالی دی تھی۔
 "ٹھیک ہے! اپنا اچھا برقم بستر سمجھو، لیکن! یہ
 تمہارے لیے بہت اچھا موقع ہے یہ آفر امریکا کی سب سے
 بڑی ریکارڈنگ کمپنی انٹامسک کی طرف سے ہے۔"
 بینر نے ہوش ہوتے ہوئے بھی اسے بڑے ادارے
 کی طرف سے آفر ٹھکرا دیا۔ تب ہی ہدایت تھی اسے
 اور کیا چاہے تھا۔ اس نے فوراً اپنی بھری ویسے کسی اس
 کے گزرتے کی آؤٹیشن سے نتیجہ دے تھے۔ اگر ادکاریوں میں
 کیے گزرتے ہوئے بھلا دیا تھا تو اپنے ہی مستحق ہونے کا گانے
 بھی انکار کرنا سراسر بے وقوفی تھی۔

اس کی ریکارڈنگ کی سہیل کا کام شروع ہو گیا۔
 میوزک تیار ہونے لگا۔ وہ ایک بار پھر مصروف ہوئی اور جب
 ایک شام اپنی ماں کے ساتھ کسی ہائی کمر گئی تو قہوں
 موجود ایک پیغام میں اس کے لیے ہدایت تھی کہ وہ قہوں
 تاریخ کو چند مکالموں کے اینٹیشن کے لیے وقت سمجھ کر پہنچ
 جائے۔ اسکرپٹ کو موضوع (POS) تھا اس کی سمجھ میں نہ
 نہ آیا۔ اس نے لکھن شین سے کاغذات منظرہ کے لیے اور
 سہیل کو دوا کرنا اسکرپٹ کے مکالمے اور گردا گرد کی تفصیل
 پڑھنے لگی۔

یہ پارٹی آف فائو میں سارا رپورٹس کے گردا گرد کی تفصیل
 تھی۔ بینر نے وہ منظر دھاوا اس کا دل دھک دھک کرنے
 لگا۔ اس کے دل کے اشارہ دے گا تھا کہ قدرت نے یہ
 گردا گرد صرف اور صرف اسی کے لیے لکھا ہے۔ اس کو
 یقین تھا کہ وہ اس گردا گرد پر سولیدٹ نہیں ہے۔ اس نے
 چمک کر اپنی ماں کو مخاطب کیا اور اچھلے بولے "اسے
 دوا دے۔ گردا گرد تو میری طرح جاتا ہے۔ ماس جان کی کہ
 اس گردا گرد کو کس طرح ادا کرنا ہے۔"
 "تو اس کا مطلب ہے تم یہ گردا گرد حاصل کرنے کی
 کوشش کرو گی۔" بینر بیوی نے ہار پٹی خال سے جھانکتے
 ہوئے کہا۔

"پر ضرورت میں بالکل یہ گردا گرد صرف اور صرف میرا
 ہے۔ کچھ بھی لکھی ہے۔ اسے اچھے انداز میں یہ گردا گرد نہیں کر
 سکتی۔"
 "وہ اب آؤٹیشن تھا۔ یہ وقت بینر کے لیے اس قدر
 مختصر ثابت ہوا کہ وہ اپنے لباس پر بھی توجہ نہ دے سکی۔ وہ
 محض بینر اور ایک ہی خرت چمن کر آؤٹیشن دینے پہنچ گئی۔
 اس وقت وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ کہیں اس نے
 لباس کی طرف سے بے پروائی ریت کر غلطی تو نہیں کی ہے۔

انٹرجا سوسٹی

میری جیٹو
 میری جیٹو
 میری جیٹو

جنون • مشرق کی فضاں جھٹکنے پر سہیل کی خوشحال کشف زید کی آخری

مغرب کے دالے انداز • مغربی جیٹو تھیلے، جہاں کے ماس جھٹکتے ہیں، وہ اپنا جھٹکتے ہیں

گرداب • پاپ کالٹ کی کہیں کہیں مغربی جیٹو کشف زید کی کہیں کہیں

لکار • طاہر جیٹو بدلتی کے سہیل جیٹو کی کہیں کہیں

سرو رو کی کہانیاں

دہانگی • عبت کی کہیں کہیں گردا گرد کی کہیں کہیں

کہانی دہانگی • سب کو کہیں کہیں گردا گرد کی کہیں کہیں

مشت فکری
 لڑکی پاپ کالٹ

انٹارکٹیکا کی دریافت اور اس کی برفوں یا بڑا زمینیں شویت کے حوالے سے پُرماٹھری۔ تاہم ان میں سے پہلی کسی تصویر بنی کر اس میں بھی کسی کرداروں پر باری نہ کیا۔
روس کے شہنشاہ ژار ایلکیزینڈر (Alexander I) نے اپنی جریہ کے ایک نوجوان افسر نے پیان گوٹ لیند بلیگ شتان (Gottlieb von Bellingshausen) کی قیادت میں ایک بیڑے کو بھیجی سمندروں کی چھان بین کے لیے روانہ کیا۔ بلیگ شتان نے 5 ستمبر 1819ء کو دوبارہ بحری جہازوں 900 دن وئی فلک شپ ووشوگ (Vostok) اور 530 دن وئی میرنی (Mirny) کے ساتھ بحریہ، پانک کی بندرگاہ سینٹ پیٹرس برگ سے ہمراہ کا قازار کیا۔ میرنے کا پتہ نام (Mikhail Petrovich Lazarev) ایک جہاز میں شریک افراد کی تعداد 200 کے قریب تھی۔ روسی بحری جہاز، بحیرہ پانک میں سے ہوئے ہوئے دوبارہ انگلستان پارکے شمالی بحیرہ اوقوس کے کنارے سمندر میں داخل ہوئے۔ انہوں نے قریب 4 ماہ (7 جون 1821ء) تک اس صاحب دکار پر سفر کرتے ہوئے ایک توہ کے آخر میں خلا استواء پارکے جنوبی بحیرہ اوقوس میں رسائی حاصل کی۔ جہاں اس کا پہلا ہڈاؤ برازیل کی بندرگاہ ریویجہ جیرو۔ بلیگ شتان نے دیکھی کہ شروعات میں دیو نظر آئے۔ اس کے بحری جہاز جنوبی کے وسط میں جنوبی بحیرہ اوقوس میں واقع جزائر ساتھ جارچیا کے قریب پہنچے، جنہیں انگریز کپتین جنرل جیک فروری 1775ء میں دریافت کرچکا تھا۔ دسویں سال 26 جنوری 1820ء کو دن دائرہ قلب جنوبی کو پار کیا۔ صحابہ موسم اور مادیاتی ہواؤں کی مدد سے وہ جب کہ طرف کا کلاسز رہا، یہاں تک کہ بلیگ شتان نے 28 جنوری 1820ء کو دن خلا استواء سے 69.21 ڈگری جنوب اور 14.50 ڈگری مغرب پر پہنچ کر برف کی ایک عظیم شیت کا نظارہ کیا۔ بلیگ شتان نے اسے انٹارکٹیکا کی مرکزی سرزمین کا حصہ خیال کیا اس نے فلک شبہ ووشوگ کی لاگ ایک کھنسا کو اس کے بحری جہازوں کی رسائی کے مقام سے انٹارکٹیکا کی مرکزی سرزمین تک چمک 32 کلومیٹر (20 میل) دور درستی کی (آج میں چاہتے ہیں کہ قریب تھری جہازوں کی رسائی کے مقام سے انٹارکٹیکا کا قریب تھری سال 150 کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ بحیرہ اوقوس سورج Age Jones نے 1982ء میں سینٹ پیٹرس برگ سے

Russin States Museum of the Arctic & Antarctic میں موجود ریکارڈ کے حوالے سے بلیگ شتان کی مہم کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ جوزہ کی تحقیق کے مطابق روسی بیڑے پر موجود ماہرین نے اعداد و شمار کے حوالے سے ہوتی کسی انھوں نے جوزہ میں ایک عظیم آئس شیت جبکہ فروری کی شروعات میں انٹارکٹیکا کی مرکزی سرزمین کو دریافت کیا۔
آئس شیت کے نظارے کے بعد بلیگ شتان نے خشک اور کاٹھن رسائی زمین کی تلاش میں مغرب کی طرف سفر شروع کیا۔ اس کے بحری جہاز جنوری 1820ء کے آخری ایام میں خلا استواء سے 62 ڈگری جنوب کے خط پر تڑپ رہا انٹارکٹیکا سے فصل کا جزائر ساتھ شیت لینڈ (Shouth Shetland) کے شمال کے قریب سے گزرے، اس کا علاقہ دوسے کے مطابق ان جزائر کو 1819ء کے آخر میں داگ نیڈی نے دریافت کیا تھا۔ بلیگ شتان نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ اس نے فروری 1820ء کی شروعات میں خلا استواء سے 66 ڈگری جنوب اور 68 ڈگری مغرب کے خط پر تڑپ رہا انٹارکٹیکا پر پہنچ کر عظیم آئس شیت کی مرکزی سرزمین کو دریافت کر لیا۔ بلیگ شتان نے جزیروں کے ساحلوں کو دیکھ کر شہنشاہ کے نام پر "انگریز ریگسٹ" کا نام دیا۔ اس نے دونوں کے نقشے کے جزیروں کے مغربی ساحل سے متصل ایک بیڑے سے تڑپے کو دریافت کیا۔ بلیگ شتان نے اسے "انگریز بیڑے" کا نام دیا۔ آج آرم عظیم انٹارکٹیکا کی حدود میں واقع سب سے بڑا جزیر ہے۔ انٹارکٹیکا کی دریافت کے بعد بلیگ شتان نے اپنے بیڑے کا ٹریج شمال مغرب کی طرف کر دیا۔ اس کے بحری جہاز مارچ 1820ء کی شروعات میں بحرالکاہل کے کنارے سمندر میں داخل ہوئے۔ بلیگ شتان نے اپریل سے اگست کے دوران جنوبی وسطی بحرالکاہل میں واقع جزائر کی سیاحت کی، جن میں سے بیشتر پر انگریز کپتین جنرل جیک فروری 1775ء سے 1779ء کو دوران دریافت کرچکا تھا۔ دسویں سال 26 جنوری 1820ء کی سرحدیں بھڑکی لینڈ میں گزاریں۔ وہ مارچ 1821ء میں بحیرہ جنوبی داخل ہوئے۔ انھوں نے اپریل کے دوران داس اہم کے گردھوگر بحیرہ اوقوس میں رسائی حاصل کی۔ وہ مغربی افریقا کی بندرگاہوں میں رکتے ہوئے 4 ماہ 1821ء کے دن مغربی روس کی بندرگاہ سینٹ پیٹرس برگ واپس آئے۔ روس میں بلیگ شتان کا قومی ہیرو کے طور پر استقبال کیا گیا۔ اس نے ساکوفچ کرشہنشاہ ایلکیزینڈر بادشاہ ملقات کی جس نے اس کی مہم سراہا۔

دائرہ قلب جنوبی کے پارسی سرزمین کی دریافت کی شہر میں یوسپ میں شعل گئیں۔ 1823ء میں انگریز جیمز کک، ویلن نے بلیگ شتان کے نقشوں کے نشان پر چلتے ہوئے انٹارکٹیکا سے متصل اپنے نام سے منسوب کے کے بحیرہ ویلن کو دریافت کیا۔ 1839ء میں انگریز جیمز کک، جیمز کک، رورڈ (Sir James Clark Ross) کی جانب سے سفر رورڈ اور روز آئس شیلٹ (Ross Ice Shelf) کی دریافت کے بعد برطانیہ کی اپنی منزل قلب جنوبی تھا۔
قلب جنوبی سے طالع طور پر جغرافیائی قلب جنوبی (Geographical South Pole) مراد لی جاتی ہے۔ یہ ہے کاؤش کا اپنی جنوبی مقام ہے، 90 درجے جنوبی طول البلد (Longitude) کا ہر خط اگر کرتا ہے۔ یہ وہ نقطہ ہے جس کے زمین کا گردش جو زمین کی جنوبی راس سے گزرتا ہے۔ گردش خود فراموشی کبھی جس پر زمین اسے گردش کر رہی ہے چل لانا، دائرہ قلب جنوبی ہے جہاں سے آپ سفر کر کے چل پڑیں آپ شمال ہی کی طرف جارہے ہوں گے۔ اسے صحیح قلب جنوبی بھی کہتے ہیں۔ شمالی قلب کے برعکس یہ سمندر پر نہیں بلکہ مہم انٹارکٹیکا پر واقع ہے۔ اس پر برف کی تین چار میٹر دیر تھیں ہوتی ہے، 10 چار میلانہ کے سب سے سرکری ہے۔ برف کی اس حرکت کی وجہ سے قلب جنوبی پر قہر کی تیز چمک جی اور اس تک رسائی حاصل کرنے والوں کے پرچم اپنی اصل جگہ سے جاتے ہیں اور چند سال بعد انھیں دوبارہ اپنے مقام پر بحیرہ کا پتہ ملتا ہے۔ دلچسپ بات ہے کہ گردن کی روشنی کی وجہ سے جغرافیائی قلب جنوبی سے اصل مقام سے چند میلانہ دور کر رہا ہوتا ہے، اس کو اصل حال کو ہائپر کا انڈرٹ (Chandler Wobble) کہتے ہیں۔
مغربی قلب جنوبی پر 23 جہرے دن چہا کے لیے سورج طالع ہوتا ہے۔ 25 ڈگری کے دن سورج کا ذوال شروق ہوتا ہے اور وہ 121 درجہ کو مکمل غروب ہوتا ہے جس کے بعد اگلے چہا تک دنوں رات ماری رہتی ہے۔ قلب شمالی کے مقابلے میں یہ کھنسا زیادہ مر مقام ہے۔ شمالی قلب سمندر پر واقع ہوتی ہے کہ وجہ سے جغرافیائی ضابطہ نہیں ہوتی، تاہم غروب ہونے کی روشنی کی تڑپ ہونے کی وجہ سے قلب 11 کی اوسط درجہ حرکت یعنی 65 ڈگری سنٹی گریڈ تک کر جاتا ہے۔ قلب لاس (Compass) کی سوئی کا مغربی جغرافیائی قلب جنوبی کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ اس کا ٹریج مغربی قلب جنوبی (Magnetic South Pole) کا ذوال ہوتا ہے۔
جغرافیائی قلب جنوبی اپنی جگہ تبدیل کرتا رہا ہے۔ اس

تبدیلی کی وجہ میں کے اندرونی مغز (Core) میں ہوتے خلا والا استواء ہے۔ 2005ء میں جغرافیائی قلب جنوبی کا خط استواء سے 64.53 ڈگری جنوب اور 137.86 ڈگری مشرق کے خط پر جنوب مغربی پر بندہ میں واقع تھا۔ جغرافیائی قلب جنوبی ہے "ارضی جغرافیائی قلب جنوبی" کا ہر اصل ہے۔ زمین کا جغرافیائی مشاں میں گھل ہے۔ مگر کمرہ جیو جغرافیائی قلب اور شمالی جغرافیائی قلب کو ایک فرضی لکیر کے ساتھ لایا گیا کہ ایک خط تقسیم نہیں ہے، گاتاہم اگر اس لکیر کو زمین کے مرکز سے گزاریں تو وہ کبھی زمین کی جس جنوبی راس سے گزرتی ہے۔ "ارضی جغرافیائی قلب جنوبی" کہیں گے۔ قلب جنوبی کی ایک اور قسم ساوی قلب جنوبی ہے۔ دراصل زمین کی بخوری گردش کے سبب شمالی آسمان پر ستاروں کا جھرمٹ ایک خاص مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتا دکھائی دیتا ہے جو چوبیس گھنٹوں بعد اپنی پہلی جگہ پر آ جاتا ہے۔ زمین کی جغرافیائی قلب کی گردش کر رہی ہے وہ لکیر فرضی طور پر جغرافیائی قلب جنوبی سے آسمان میں ستاروں کے جھرمٹ میں جس میں گھبرائی ہے اسے ساوی قلب جنوبی کہتے ہیں۔ قلب جنوبی کی انچھو میں قسم "عمیق ترین" کہلاتی ہے۔ یہ جغرافیائی قلب جنوبی ہے کچھ دور 385.4 اور 65.5 ڈگری مشرق پر انٹارکٹیکا کی حدود میں واقع ہے۔
انٹارکٹیکا اور اس کے متعلقہ سمندروں کی دریافت کے بعد بحیرہ اوقوس نے شروعات کے کڑواؤش کے انتہائی جنوبی مقام تک رسائی کی تاہم اس کی شروعات شروع کر دی۔ لندن کی رائل جیوگرافیکل سوسائٹی نے قلب جنوبی دریافت کرنے کے لیے ایک سے زیادہ مہمات ترتیب دیں۔ تاہم بدقسمتی اس بارشکی ان کے آڈے آئی جس میں چندوں کے فرق سے قلب جنوبی پر یونین جیک لہرانے کا خواب اچھورا دیا۔ اس بار بحیرہ اوقوس میں یونین جیک پر پانی پھرنے کا سبب شمالی یورپ کا ٹیخا ڈولڈاک ہارو تھا۔
126 اکتوبر 1905ء کو سویڈن سے آزادی کے فوری بعد تارو سے دیکھو یونین اوقام کے ساتھ دریافتوں کی دوسو شال ہوا۔ روس کے ڈولڈاک کے پہلے حکمران نکسار کونک ہٹم (Hakon VII) (1905-1957) کے رولڈاٹنسن (Raald Amundsen) کی قیادت میں قلب جنوبی و جنوبی کو دریافت کرنے کی مہمات کا اعلان کیا۔
ایکٹوں نے پہلا انسان تھا جس نے 1903ء سے 1906ء کے دوران بحیرہ جنوبی میں داخل مغربی بحری

وہ تصویر دو صدی بعد ظاہر ہوئی۔ اس نے ایک طویل سفر طے کیا تھا۔ اس تصویر کے ظاہر ہوتے ہی پوری دنیا میں ہلچل مچ گئی اس لیے کہ اس تصویر کا خالق ایک ایسا مشور تھا جسے لوگ پوجنے کی حد تک چاہتے تھے اسی لیے وہ تصویر مشکوک قرار پاگئی تھی۔ لوگ مخمضے میں تھے کہ کیا واقعی یہ تصویر اسی مشور کی ہے یا پھر یہ فنکارانہ فراڈ ہے؟

یورپ میں برٹن جزیرے پر ایک وینس کی تصویر

آرٹ کی دنیا میں جس دن بیکانکا فورزا کی... متعارف کروایا گیا، اس دن وہ شاہ کار دیکھنے والے تو چکر لگایں گے مگر اس کے چہرے پر برٹن کی بھی پہلی نظر پڑی تھی وہ بکلیں جھپکا بھول جاتا تھا۔ بیکانکا فورزا 30 جنوری 1998ء کو دنیا کے مشور کے قلب پر نمودار ہوئی تھی۔ یہ وہ پہلا دن تھا جب وہ پورٹریٹ پانچ سو سال بعد پہلی بار عام لوگوں کی نظروں کے سامنے آیا تھا مگر وہاں کوئی شخص یہ بات نہیں جانتا تھا کہ اساتے مشور کے جرمہ دیوں پہلے بونٹی میں تھے جو بیکانکا فورزا پورٹریٹ میں نظر آنے والی دو چیزوں کی ہے۔ کچھ کہیں کہ سکتی تھی۔ وہ تو اس ایک پینٹنگ میں نمودار ایک عام پینٹنگ برگز نہیں تھا۔

اس دن تو بیکانکا کے کرسٹینز آکشن میں مشور کی قدیم ترین یادوں کی بنیادیں وہاں تھیں جس میں بکلیں لوگ بھی موجود تھے مگر یہ جاننے کے لئے کہ اس شخص کے بارے میں تھے۔ ان کے لیے پینٹنگ ایک شے تھی کہ جس کی خرید و فروخت دولت کے دیر لگا رہتی ہے۔ وہ مشتاقی جو پوری تھی جس کی بکلی کی نظر بھرے کی تاناکا کو بھانسنے لگی تھی۔ اس دن اس نے بھی بیکانکا فورزا کو دیکھا، اس نے دیکھا ہی رہا کہ اس کی جڑوں پر اسی ہیرے کی اصل اہمیت کو پہچان نہ سکا۔ ان کے لیے وہ صرف ایک چہرہ تھا۔ یہ یاد بات کہ پینٹنگ دیکھنے والوں کے



میں کسی کے علم میں نہیں تھی۔ اس پر ایک نام لکھا ہوا تھا بیکانکا فورزا اور اس پر ایک پورٹریٹ تھا جسے بنیادی کے لیے چینی کیا جانے والا تھا۔ اس سے زیادہ کچھ اور بات کی کوئی گنجائش تھی۔

کرسٹینز آکشن میں بنیادی کے لیے پیش کیے جانے والے فن پاروں کا کٹلاگ شائع کیا گیا تھا۔ یہاں آنے والوں کے ساتھ میں اس کی کاپی تھی۔ بنیادی کے لیے پیش کیے جانے والے تمام فن پاروں کے مشور کے نام اور دیگر تفصیلات کٹلاگ میں درج تھیں مگر بیکانکا فورزا کے صفحے پر صرف پورٹریٹ کی چھوٹی سی تصویر کے علاوہ کوئی اور خاص بات درج نہیں تھی۔ البتہ یہ ضرور تحریر تھا کہ پینٹنگ نہایت میں چہرے پر vellum پر تیار کی گئی ہے۔ فن پارہ نگوں اور چاک اینڈ آکٹس نے جانا ہے۔ پانچویں صدی کے ابتدائی عہد اور ہوائی سے تعلق رکھتا ہے۔ پورٹریٹ کی تیار اور اعزاز میں پاپ کے عہد تک لاطینی Renaissance کی جنگ نظر آتی ہے۔

بنیادی شروع ہوئی تو بیکانکا سے ہی تعلق رکھنے والے ایک آرٹ ڈائریکٹر نے کرسٹینز اسے خیال میں سب سے اونچی کوئی دی۔ اس نے پورٹریٹ کے لیے ایس جہاز آٹھ سو پچاس ارا کی بولی لگا دی۔ اس وقت کچھ بھی پاروں کا خیال تھا کہ

شروع ہوا اس کی قسمت بھی کروٹ نہ ہلی۔ اُن دنوں کینیڈا سے تعلق رکھنے والا اورادیت جی کرکٹ کا ایک شوقین بیٹر سلور میں نڈیا پارک آیا ہوا تھا۔ بیٹر طور میں کی آسٹ گیلیاں بھی تھیں۔ اس نے کینڈا کی گیلیاں کے کینڈا میں بیٹا کا فورڈ کا خاکہ پر دھا اور تصویر دیکھی۔ جس دن بیٹے نے کینڈا کی گیلیاں کے کینڈا کا خاکہ دیکھا تھا، اس کا شاہ وہ کینڈا کے کسے جس سے جی۔ اس نے یہ بھادو کا تے نوراد ناگی کی رقم کٹا دیا کر دی جی۔ وہ دنوں اپنی کیک خوش تھے۔ کہیں اس نے خوش کیوں سال تک بیٹے رہنے کے بعد اس کی رقم اکل آئی تھی، وہ بھی ہماری ستائش کے ساتھ اور بیٹس اس کے بھی خوش تھا کہ اس کے خیال میں ٹاپ ٹین بارہ ماہ کا تھا۔

اگرچہ بیٹر کی اپنی بھی گیلیاں میں کرکٹ صرف بیٹس قیمت پیشکش خریدتا، لیکن جی۔ اسے مصوری کی تاریخ سے بھی بہت اچھی طرح پڑھی تھی۔ اگرچہ کسانیز آکشن کے کینڈا میں شلکھا تھا تو اس کا تعلق انیسویں صدی کے کاڈ سے بتایا گیا تھا کہ بیٹر کی مارے اس کے برکس تھی۔ اس نے جب کینیڈا میں رہے کینڈا کینڈا گیلیاں کے کینڈا میں رہیں جی، وہ بھی بھجھا گیا کہ وہ کینڈا تانیہ کے انداز میں بیٹس، گلیڈ اسے دور کی ہاؤس ہمد کے کسے قریب کی گئی ہوئی تھی۔ کینڈا پر مصور کا نہیں تھا اور نہ کوئی ایسا اشارہ جس سے اس کا کچھ پتہ چلا ہو۔ اس کا ایک نام تھا کہ فورڈ اور اسے بیٹر کے چٹا تھا کہ وہ اسے بہت ہی بڑے مصور کا شاہکار تھا۔ اس نے اورادیت سے دیکھا۔ مصور کے کینڈا میں اور لیونارڈ ڈا ونچی کا فن کارہ قرار دیا۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ پتہ چڑھایا جانے تو ایک بات تھی۔ کہ وہ بھٹتا تھا کہ کس طرح کا شاہکار ہے، اسے کوئی حکیم مصوری تحقیق کر سکتا ہے اور لیونارڈ ڈا ونچی سے حکیم کوئی اور مصور اس کی نظر میں پڑی وہ تائیں نہیں تھا۔

☆☆☆

15 اپریل 1452ء کو اٹلی کے شہر فلینس کے ایک گاؤں وینچی میں پیدا ہوئے والا لیونارڈ ڈا ونچی پرپ کے دور وراثت کا عظیم استاد تھا۔ وہ مصور اور فنکار تھا۔ اس کا نام تھا۔ انسان وہ کئی خوبیوں اور خدا داد عقلی حاصلوں کا مالک تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اپنی میں سرگیا تھا۔ اب بھی دم، طور اور میلان میں اس کی مجسمہ ساز اور تصویر کشی کی خدمت کے خزانے کے دلکش شہوت منورہ میں گمراہی کی ذمہ داری شہرت کی وجہ اس کی مصوری ہے۔ تقریباً پانچ سو سال قبل دنیا سے اٹھ جانے والا اپنے وقت کا بے نظیر پرتی و نگار آج بھی

پوری دنیا میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مصوری کی دنیا میں کوئی اور ایسا قدر آور شخص نہیں جس کے قدر کو چھو سکے۔

تاقیدین فن اور بہترین مصوری کا کہنا ہے کہ وہ معمولی ملا جلا صحت کا حامل فنکار تھا۔ دنیا سے مصوری کی تاریخ جس سے یہ منفرد مقام رکھتا ہے کہ وہ چند غیر متوازی کیڑوں سے چہرے کے ہر جزو اثرات کو کیڑوں پر نمایاں کر دیتا تھا۔ اپنے تاثرات جہیں جہاں کرتا دوسرے اساتذہ مصوری کے لیے نامور تھے اور وہ مشکل تھا۔ لیونارڈ نے فیرو تادی میں چھوٹی لائنوں سے تاثرات کو وہ انداز بکھلا ہے جس کی تعلیم کونسا کا ہے۔

جس عہد میں لیونارڈ نے مصوری شروع کی، اس عہد میں یورپ کا عظیم انکوائری ساج مکمل طور پر چھ کے زہراڑ میں تھا۔ اس لیے مصوری کا زیادہ تر عہد بھی مذہبی فوٹ کے فن پر مبنی تھا۔ جس سے صرف ہوا۔ اس نے تاہم کینے ہیں اس کا فن انتہائی دور میں مذہب کے زیر اثر رہا۔ لیونارڈ کی دنیا میں بچپان سے اپنے والدین کینڈا میں تھا، جس کے چہرے کی سکراب اپنی خوبصورتی سے پینٹ کی ہے کہ کونچ کے کوئی فن پارہ اس کی کرکٹ میں چھوڑا۔

گرٹھ سو ایک سو پچاس سے پچاس کے میڈیم میں موجود مومنو لیزا جہاں ایک پینٹ جس میں پارہ ہے، وہاں اس بات کا منہ جاتا تھا کہ لیونارڈ کو پچاس کے تاثرات کیوں پریش کر رہے تھے۔ یہ معمولی کمال حاصل تھا۔

لیونارڈ ڈا ونچی کی زندگی جہاں خود کی جہوں میں مستغرق اور بہت ایک کہانی تھی، اسی طرح مومنو لیزا بھی آج تک ایک دلکش پر اسرار پینٹنگ ہے جس کے راز جاننے کے لیے اسکالرز نے مدافعت تحقیق کی مگر اس کے باوجود کوئی بات چیت نہیں۔

مومنو لیزا کوئی تھی، کیا ایک حقیقت تھی یا صرف انسانی چہرہ؟ آج بھی یہ سوال اٹھتا رہتا ہے۔ اس سوال نے کئی انسانی کینڈا کوئی کچھ منجھ دیا ہے۔

سولہویں صدی میں بنائی گئی مومنو لیزا ہے جسے آج تک دنیا کی معروف ترین پینٹنگ کے مقام پر فائز ہے۔ یہ اصول پرستی اور کلا پورٹریٹ ہے جو اپنے عہد کے خاص انکوائری لاس میں بیوں ہے۔ یہ نہ دھڑلے ہے اور نہ جواں عورت بلکہ وہ ان سے نمودار آگے کی عرواں کی ہے جس کے چہرے پر ہزار ہا سرگرمی پینٹنگ کی وہ جان ہے جس کے باعث سولہویں صدی سے لے کر آج تک وہ زندہ ہے۔

ہو لیزا کوئی تھی؟ اس بارے میں طبع طرح کی کہانیاں چھوڑی گئی تھیں کہ کھدو تھیں کہ سکتے۔ لاکھ قوت و کوشش کے باوجود حقیقت اب تک راز ہے۔ کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ یہ ایک گمراہی کی جھوٹ ہے کہ پورٹریٹ ہے جو طور سے نہات ال کے برعکس اسکو ڈیل جیو کوڈ کی پیوٹی کی۔ کچھ حقیقت ہے کہ کونسا لیزا پینٹنگ کونچ کی اپنی میں لا لیونارڈ کے نام لکھا جاتا ہے۔ جس میں تاقیدین کی مارے ہے کہ پینٹنگ والی عورت دماغ لیونارڈ کی خادسی۔ ابھی کا خیال ہے کہ لیونارڈ نے خود اپنا پورٹریٹ بنایا تھا۔ وہ اپنے اس سیلف پورٹریٹ میں خود کو عورت کے روپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔

لیونارڈ نے مومنو لیزا پینٹنگ ٹورس میں اپنے قیام کے دوران 1503ء میں پینٹ کرنا شروع کی تھی۔ لگ بھگ چار سال تک وہ اس پینٹنگ پر کام کرتا رہا اور آخر 1506ء میں مکمل ہوئی۔ پینٹنگ کے بعد لیونارڈ نے مذہبی پینٹنگ میں بھی کافی کتنے میں دی۔ یہ پینٹنگ 2 مئی 1519ء میں لیونارڈ کی موت تک اس کی تحویل میں رہی۔

لیونارڈ کے عہد کی تین صدیوں کے دوران یہ پینٹنگ کی اہم ترین ہے۔ اسے ہوتے ہوئے آخر پینٹنگ ہاؤس پارٹ کے کچھ پینٹنگ میں اس نے اپنی خواب گاہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا۔

1804ء میں یہ پینٹنگ پیرس کے لوور میں میوزیم میں کچھ کی طرف سے ایک دیں ہے۔

اچھ حقیقت یہ ہے 1913ء میں اسے کچھ چھوڑ دیا۔ تاہم یہ چھوڑ کر لیا تھا لیکن 1913ء میں ہی اسے اپنی لاپرواہی کر دیا اور اس میں میڈیم بچھایا گیا۔ میوزیم کی یہ عرصہ اس کے جس کی ایک جھک دیکھنے کے لیے ہر سال اس کا سال میں کونچ کا رخ کرتے ہیں۔ لیونارڈ کی موت کونچ اس کے دل سے والے ہیں لیکن اس کا فن اب بھی بہت ہی عظیم ہے۔ لیونارڈ تاقیدین اور طالب علموں کا چھوٹا مومنو ہے۔

مسلان میں قیام کے دوران لیونارڈ شادی دہار سے وابستہ تھا جس اس نے شادی خداوند کی فراموشی پر ان کے کئی طرح کی تھیں کیے یوں کے۔ ان میں سے ایک پورٹریٹ پانچ سال تک گمراہی میں بھونے رہے کے بعد انیسویں صدی میں اپنی بار مظر عام پر آکر تازہ سے کونچ دیکھے اور تھا۔ کچھ سال کے والے بہت عرصے کچھ کو کچھ جات کرنے والے ہمارے بار کلا کا پتہ اور عزم بہت جواں تھا۔

لیونارڈ کے مصور کے بارے میں بہتر سلور میں کی گئی اور اس میں ہے۔ جب وہ اسے لیونارڈ ڈا ونچی کا پارہ

موت کے بعد انسان پانچ صدیوں میں تسلیم ہوا ہے گا۔

- 1۔ روح ملک الموت کے جانے گا۔
- 2۔ ہال وارث کے جاگے گا۔
- 3۔ کینڈا کیڑے کے کونے کے کما جائے گا۔
- 4۔ ہاؤس کی کما جائے گی۔
- 5۔ کینڈا کیڑے دارے جاگے گا۔

لیکن کوشش کریں ایمان شیطان نہ لے جائے۔ اس لیے ہال وارث وقت بارہ وار دوپاک ہر وقت برسوں۔ مسئلہ وہ ریاض کرنا ہے۔

قرار دے رہا تھا، اس وقت وہ پہنچ کر کئی تھراں ہوا تھا کہ اگر کوئی یہ پینٹنگ لیونارڈ کی تھی تو کئی ایک کیڑے ہوگا۔ یہ خیال آئے ہی اس کے جسم میں سستی ڈوڑھ گئی۔

بیٹر جو کچھ سوچ رہا تھا وہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے ایک کوئی شخص گھبراہٹ ہو کر آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ اسے ایک پینٹنگ پینٹنگ تھی۔ قیامت آئی اور خبر لیونارڈ نے خبر پڑھا تھا کہ یہ کیا ہے پچاس کے سول بیٹے ہے۔ بعد میں راز کھلا کر کونچوں کے مول کینے والی تصویر لیونارڈ ڈا ونچی کا عظیم فن پارہ تاج کی دیکھنے کے لیے پینٹنگ کی تھی کہ ایک مومنو لیزا ڈا ونچی۔

جب سے اس نے پینٹنگ کر دی تھی، وہ اسی طرح کے خیالوں میں تھا۔ اس کے خیال میں ایسا ہوا ہے تو پھر جس میں اس کی قسمت بدل جائے گی۔ ایسا ہونا مان تو نہیں گھبراہٹ آسان بھی نہیں تھا۔ یہ اتفاق تو شاید دور ہی کرتے ہیں اسے رات کی پانچ گھنٹوں کو فورڈ کو کچھ اور ہی غور سے دیکھنے والا بیٹر سلور میں ایک بار چکر کی ایسے ہی اتفاق پر سوچ رہا تھا جس کی فکر تھا۔ ہاں کا ایک دور ڈکان دار، دونوں پینٹنگ کی اہمیت سے واقف تھے مگر اس خیر اور کچھ تھا کہ اس نے کیا خبر دیا ہے۔ وہ اسے درحقیقت لیونارڈ کے منسوب کرکے تھا مگر یہ بات ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چاہے کام کر بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف ٹاپ پینٹنگ کا شوقین اور آرٹ ڈیپارٹمنٹ کا روبرو ایڈیٹر تھیں جس طرح جانتا تھا کہ وہ تاقیدین تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا ثابت ہو جاتا ہے یا نہ پتہ نہ تھا کہ کچھ تو پتہ نہیں پڑا۔ پانچ سوچ سے زیادہ میرا یہ سکتا تھا۔ وہ زندگی بھر کی ایسے فن کاروں کی تلاش میں رہا جو کونچوں کے بچاؤ کے کمرہ دور تھا۔ اب وہ کھینچ تھا کہ

گم اڑ کر ایک ماور پینٹنگ تو اس کے پاس ہے۔ اسے ایک ماور
تھا کہ پینٹنگ اس کی عمر کی منت کا چلن ثابت ہو سکتی ہے۔
پتہ ہے کہ اگر کرسٹی کی ویڈیو میراں ہوئی تو جیسادہ
سوچ رہا تھا وہ پینٹنگ میں بھی کسٹیاں ہوں گی۔ پینٹر نے جب سے
ایکا تو فوراً خبر دی کہ جب سے وہ مسلسل اس آؤپرین کا جب سے
کہ کیا ہے پتہ پارہ یوٹا روڈ ڈاؤن کا شاپاڑ ہے، مگر اس پر ایک
سوانح نگار نے اس پینٹنگ کو پتہ کرنا تھا کہ وہ کس قسم موری
تھا تحقیق ہے جب کہ کسی اس کا ہماری مولیٰ مسکا تھا اس
بات میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک نیا پینٹنگ کی جس وقت
پینٹر نے اسے خریدنا تھا اس پینٹنگ کے جس میں اس نے
کی آخری باروں کی اس کی تصدیق تو 75 گز گزر چکے تھے،
جس کے مطابق ایک نیا پتہ اور بہت کم ماور پتہ تھا۔
تصدیق بھی اس وقت کی ہے جب ہماری ماور شاپاڑ آؤپرین
تھا تو اس وقت اسے خریدنا تھا تصدیق پتہ اور سوچا ہے
سامنے لائی تھی۔ یہ بات پتہ نہیں تھا جتنا مادہ دے دیا اس
کا شاپاڑ یوٹا روڈ ڈاؤن کے جوڑ رہا تھا۔ اس بات کے لیے خواہ
موجود جس وقت کے دفاتر کے تعلیم ترین کے رہائے مولیٰ روڈ کے
خانقے نے اس کے بعد بھی کوئی ایک پینٹنگ پوری
پارے vellum پر پٹا ہوا ہے۔ ایک پینٹنگ کو بھی ایک پتہ
نہیں ملی۔ اس کی کوئی رنگ بندی نہیں جس کا اس پینٹنگ کو تیار کرنے
کے لیے مادہ تو نہ پتہ کی تبدیلی اور پتہ تیار کیا۔ اس لیے میں
سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک ماور ڈاؤن کی تحقیق کی گئی
پینٹنگ کو سو برس کے دوران وہ دنیا کی نظروں سے محو ہوں
گئے۔ اس کو مل رہا ہے کہ وہ سالوات پینٹر کے ذہن کے شاپاڑ ہے
تھے۔ اسے اسے سوال کا جواب چاہیے تھا کہ آیا ایک ماور
ڈاؤن کی تحقیق ہے یا نہیں اس کی خواہش بھی کہ تھا صرف
ایک کر دے۔ دیکھ دے دینے کے لیے کیا تھا۔ حقیقت کو
ڈاؤن کر دے۔ آج بھی میں چاہتا ہوں تھا کہ پھر بھی اس کے
خواہش اس کی تلاش میں۔

میرے اس پیشنگ کی تصاویر ایسی مل رہی تھیں، جن میں لوگ وہ ہیں۔ اپنے سوالوں کے جوابات پر جیسے ہیں۔ ایسے لوگ وہ ترقی معصومی کے شہرین ہوتے ہیں۔ یہ بات پتھر کے علم کی ہے کہ وہ نلے مرد کے کام پر اترادی گئے جاتے ہیں۔ ایسے ہیں اس کے پروفیسر مانیوں کو پڑھتی ہے کہ جیسے تصویر کے ساتھ ساتھ میرا سنا ہے کہ وہ نلے میں اسے ہر دکر کہ کیا ہے پیشنگ ڈانچی کی تکلیف ہے؟ اس نے یہی ہے "خاؤ ڈیکر پوئرس"..... اہم، کہ نلے نلے نلے ایک اہم کہ تکلیف کی دیکھ لو کر ہیں۔

پروفیسر مانیوں نے ہیں "اسی ایسی مل کر پڑتے اور تصویر سرری جائزہ کے کے بعد میرا سنا ترقی میں تھا کہ اس کام اور شہر کے چہرے میں کہ ایک بات تھی جس نے مجھے مجبور کہ میں پیشنگ کی ترقی کی تصویر کا بغور مطالعہ کروں۔ اس چہرے میں کہ جب ایک تھی۔ اس کے تاثرات میرا اعزاز میں تھی، پر پے پے پڑا ہے گئے تھے اس اعزاز میں پیشنگ کی تھی، اس میں کہ خاص تھی۔ یہ بات جب سمجھا جب تک اس کا مختلف دواویوں سے جائزہ دیا۔ یہ کہ مردہ جس کے لیے رکے "بلن ایکین" تھی جس نے مجھے مجبور کیا کہ اس معاملے کا بھی طرح جان

دوسری طرف بیل کو تعین تھا کہ اس کے پاس جو ہے، وہ مستقبل میں بہت اہم ثابت ہونے والی ہے۔ اس بینکنگ کو محفوظ رکھنے کے لیے بینک لا کر میں محفوظ کر رہا تھا۔ بینکنگ بڑے سائز کی تھی تھی۔ وہ صرف سو اونچے بینکنگ نہایت بڑے سائز کی چلی کر پورے برطانیہ کی ساری معمولی بچتی تھی اور اس کا پتلا کر میں بینکنگ کے سائز کے برابر تھا جو عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ بیل نے بینکنگ ایک عام سے خاکی لٹافے میں پیٹ کر لا کر میں رکھ دیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کی کبھی حرکت سے آرٹ چوروں کو روک دے گی مگر نہ بینکنگ کا مالک ہے، اگر یہ غیر بحال جاتی اس کے حصول کے لیے آرٹ چوروں کی دنیا میں پہنچ جاتی۔

ہو مفسر مارٹن نے بعد میں اسے ایک انٹرویو میں
 "خاس" سرسری نگاہ ڈالنے پر تو مجھے کوئی خاص پینٹنگ نہیں
 لیکن جب تک ہارڈننگ کا ہے اس کا تجربہ کیا تو
 محسوس ہوا کہ اس میں کچھ غیر معمولی بات ہے۔ یہ میری ماہر
 چھٹی حس مجھے باور رکھوانی تھی۔ اس کے بعد میری اطلاع
 اس پینٹنگ کے حوالے سے پہنچی جتنی حاسی تھی۔"

[illegible]

ہو دوسرے پختہ سے رابطہ کیا۔ ان دنوں وہ سکرڈینڈ کے
میں رہ رہا۔ پروفیسر کی طرف سے رابطہ اس کے لیے
میں نے خود بھی کیا۔ "میں فوراً تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"
اگر اسے ان کی کلمات کے نتیجے میں مجھ سے ملنا ضرور
میں تھا کہ، پختہ، پروفیسر کا ان کی سبیل پر ہستے ہی اچھل گیا
"میں فوراً نہیں ہوں۔ تم سے ملنے کے لیے بہت بے
ہوں۔" پختہ نے ان کی سبیل پر ہی جواب دیا۔ "تم چاہتو
ہو کہ میں تم سے ملتا ہوں۔" اس کا انتظار ہوں میں

ایسی مجلس پر پیمائش کے اس جادو کے دو روز
 فیروز عیسیٰ کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔

اس واقعہ کو فوراً نے اُن دنوں کی خبریں پڑائی تھیں۔ پتھر
 پر اس کی دولت کے بہت بڑے ذخیرہ کا پتہ لگا ہواں کے
 دل کے بارہا بار وہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ
 حوالہ دینے والا ایسا نیا بارہو دیات کرنے والا ہے جو اس
 کے مصروفی تحقیق کے لئے اس وقت صرف مونا لیزا کے
 لئے جاتی ہے اس کی تحقیق دینا ہے مصوری میں ایک
 بارہو دیات ہوگی۔ اس تحقیق تھا کہ چھوٹے سا موزائی
 کی ایک چھوٹی لیزا کی شکل پر اس کی تیس کی اس کی مصر
 ہو گیا۔ دوسرے کے نزدیک مونا لیزا اور جادو کا نورا کے

۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹

خلیفہ ہارون رشید کو ایک عجیب نیرے کمرے پر
اکھڑائی لی اور کوٹھالی کے بلب سے اپنے ہاتھوں کو چمکلا
چاہا زندگی اور وہ اس طرح کھلے کے کھلے ادا ہو گئے۔
ہارون رشید کو اطلاع دی تو اس نے ادا کر کے
سال کا کارڈ لیا۔ پھر رشید شاہی ادا کی۔ ہر
عطیبہ نے اپنی اپنی تہذیب کی ادائیگی کی اور یہی ادا کی
فائدہ نہ ہوا۔ ایک روز ہارون رشید کے عطیبہ نے کہا
”امیر! انگوٹھیں اس مرض کی بھرے ہاں دے۔“ میں جانتا
ہوں کہ میں تو جانتا ہی ہے کہ وہ اپنے آپ کی تہذیب کے کم
بائش کر اسے۔

بارون رشید کو اس کی بہت بات مانگا مگر وہ مکر کی سب سے
صحت کی خاطر اسے متحور کر لیا اور دل میں اسے کر لیا
کر طیب کے لئے کو کوند میں چل کر اے گا۔
پھر وہ راجا نے اسے منیب نے اسے لڑا لڑا تھا، چھپے
میں کینز کے پاس گیا، کینز پر شدت سے گھبراہٹ اور حیا کا
غلبہ اور اور حرارت میں بھی اس کا پورا جسم گرم ہو گیا۔
جسم گرم ہو کر اسے حیا سے کھڑے ہو کر پتھر سے اس کے اچھے
حفاظت کے لئے چھپے ہوئے۔

نوجوان نے کہا ”تو شفا پا چکی ہے۔ اپنے ہاتھوں کو
آہستہ آہستہ جنبش دیتی رہتا۔“

باہر نکلنے کی اس جوان کو گرفتار کر کے مردانہ عریضی خدمت میں لے جاتا کیا وہاں وہ عیبیہ کی سوجھ بوجھ سے چھپنے لگے؟ اگر نہ کی جوان کی راجسی کھڑی سے مسمونی ٹپکی۔ عیبیہ نے اس کی ہڈی اٹھادی تو اس کے کھجھرے اور وہ جوان مرد کے عیب سے ٹپکی ثابت ہوتی۔ عیبیہ نے آداب بھیکار عرض کیا ”اے امیر المومنین۔ میں کے گوارا کھڑا کھا کر آپ کی حرمت اور ناموس کو نقصان دے سکتے ہیں۔ ارادوں۔ کریمے اور کھڑا کر میں نے یہ بات آپ کو بتادی تو کہیں اس کی اطلاع نہ ملے کہ نہ ہو جائے۔ میں صرف عیب سے دل میں سخت گھبراہٹ اور خوف پیدا کرتی تھی اور جتنی اطلاع دے چکا تھا جوان کے افسوس کو حرکت میں لائے اسے چاندی سے جس کے نام سے کھانچا جائے گا کہ بہت سی اور ایسی طرح میں کہاں لے گیا۔“

خلیفہ بہت خوش ہوا اور اس نے حکیم کو بڑا اسلوا اور انعام عطا کیا۔
مرسلہ: سہیل عابد، شیخوپورہ

73 اپریل 2012ء

کی نظروں سے اوجھل رہی اور پھر اچانک کرشنا نیز آکشن میں نمودار ہوئی اور نیلامی کے بعد پٹرینک بچئی اور اب ایک سوئز بینک کے لاکر میں اس وقت کی منظر ہے، جب دنیا یہ تسلیم کر لے کہ یہ لیونارڈ کا ہی فن پارہ ہے۔

میاں کا فورڈا بہت کم عمری میں دنیا سے چلی گئی تھی مگر لیونارڈ وڈاؤنچی کے ہاتھوں نے اسے اُمر کر دیا تھا۔ موت کے پانچ سو برس بعد وہ ایک بار پھر زندہ ہو گئی تھی۔ اس کا نام اب اگلی کئی صدیوں تک دنیا میں گونجنے والا تھا۔ پروفیسر مارٹن، ڈیوک آف سیلان کی بنا جازینی کے پورٹریٹ کو اب عظیم مصور لیونارڈ وڈاؤنچی کا اصل فن پارہ قرار دلوانے کے لیے بہت سے ٹھوس ثبوت حاصل کر چکا تھا۔ اب وہ ان ثبوتوں اور اب تک کی تحقیقات پر مشتمل ثبوتوں اور انکشافات کی بنیاد پر ایک کتاب لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

2010ء میں پروفیسر مارٹن کیمپ کی کتاب شائع ہوئی۔ کتاب میں دو ٹوک انداز میں میاں کا فورڈا کو لیونارڈ وڈاؤنچی کی تخلیق بتایا گیا تھا۔ پروفیسر مارٹن نے اپنی کتاب میں وہ تمام تر شواہد تفصیل سے بیان کیے جو اس چھوٹے سے پورٹریٹ کو دنیا کے سب سے بڑے مصور کا فن پارہ قرار دینے کے لیے، مصنف کے بقول، ٹھوس دلیل تھے۔

کتاب بہت مشہور ہوئی۔ آرٹ سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اُن کے لیے یہ بہت دلچسپ کتاب تھی۔ انہیں یقین تھا کہ مونالیزا کے بعد، دنیا کے سامنے آنے والا یہ فن پارہ بھی بہت قدر و منزلت حاصل کرے گا۔ دنیا بھر کے منور اخبارات، رسائل اور جرائد میں کتاب پر بے شمار تبصرے شائع ہوئے۔ عام لوگوں کے لیے بھی یہ بہت بڑا انکشاف تھا کہ عظیم اطالوی مصور کا گمشدہ فن پارہ دریافت ہوا ہے۔

جہاں دنیا نے فنون لطیفہ سے شغف رکھنے والے اس کتاب کے بارے میں دلچسپی کا اظہار کر رہے تھے وہیں ناقدین فن کی متغذ آراء بھی سامنے آ رہی تھیں۔ لیونارڈ وڈاؤنچی کے فن پر مستند سمجھے جانے والے کچھ ماہرین فن کا اتفاق تھا کہ مصنف کی تحقیق، رائے اور اخذ کردہ نتیجہ درست ہے لیکن اس کے باوجود ہر ناقد مصنف سے متفق نہیں تھا۔ اس کے برعکس زیادہ تر عام دلدادہ فن مصنف کی بات پر انھیں بند کر کے اقتدار کرتے نظر آ رہے تھے۔ اس صورت حال نے کتاب کو بھی نہیں مصنف کو بھی متاثر نہ بنایا تھا۔

کارمین بمباچ نیویارک میٹروپولیٹن میوزیم میں مصوری کے شعبے کے نگران اور فن پاروں کی دیکھ بھال کرنے والے

ہیں۔ انہوں نے بھی پروفیسر مارٹن کی کتاب بڑی مگر وہ ان سے متفق نہیں تھے۔ کارمین نے ایک انٹرویو میں کہا، ”مجھے تو یہ لیونارڈو کے ہاتھوں تخلیق کردہ فن پارہ نہیں لگتا۔“ ایک اور ناقد نے صرف یہ رائے دینے پر اکتفا کیا، ”پینٹنگ بہت دلکش ہے۔۔۔۔۔ اور بس!“

ناقدین کی رائے ایک طرف، آرٹ کے سانچ میں کئی سوالات اٹھ رہے تھے۔ پروفیسر مارٹن کی طرف اٹھیاں اٹھنے لگی تھیں۔ کچھ لوگ پینٹنگ کو فرافڈ اور دنیا سے آرٹ کی ایک بہت بڑی دھوکے بازی، کہہ رہے تھے۔ پروفیسر کی ذات اُن سب کی تحقیر کا نشانہ تھی۔

ایک بہت اہم سوال اٹھا۔

پروفیسر مارٹن کا کہنا تھا کہ اُس کے دلائل ٹھوس اور چیخے کیے گئے ثبوت، ناقابل تردید ہیں مگر اس کی ہر دلیل کو رد کرنے والے سخت گیر ناقدین نے سوال اٹھایا کہ اگر یہ واقعی لیونارڈ وڈاؤنچی کی تخلیق کردہ پینٹنگ ہے تو لگ بھگ پانچ سو سال تک کہاں غائب رہی، اب اچانک یہ کس طرح دریافت ہوئی اس پینٹنگ کا ذکر لیونارڈو کے کام کی تفصیلات میں کیسے نہیں ملتا، اس کی وجہ کیا ہے؟ ایسی پینٹنگ جو صدیوں تک غائب رہی کسی نے اس کا کوئی ذکر نہیں سنا وہ اچانک کس طرح منظرِ عام پر آئی؟

سوالات ٹھوس بنیادوں پر اٹھائے گئے تھے۔ پروفیسر مارٹن کی پوری تحقیق میاں کا کے پورٹریٹ کو لیونارڈو کی تخلیق ثابت کرنے کے لیے تھی۔ جو سوالات اٹھائے گئے تھے، اُن کے بارے میں کتاب لکھتے وقت پروفیسر نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اس نے وہ اُن ناقدین کی رائے کو اہمیت دے رہا تھا جو یہ سوالات کر رہے تھے۔ وہ اب خود ان سوالوں کے تناظر میں ایک بار پینٹنگ پر کی گئی اپنی تحقیق کا جائزہ لے رہا تھا۔

یہ بہت اہم سوالات تھا۔ کرشنا نیز آکشن سے پہلے تصویر کہاں تھی؟ بات ذوق پیر جانتا تھا اور نہ ہی پروفیسر مارٹن کو اس بارے میں کچھ پتا تھا۔ پینٹنگ میں نظر آنے والی وہ شے کی تاریخ تو وہ دریافت کر چکے تھے مگر اس بات سے نا علم تھے صدیوں کی گمشدگی کے دوران وہ پینٹنگ کہاں کہاں تھی۔ بظاہر یہ بات اُس وقت کسی کے علم میں نہیں تھی۔ پرچہ کے پاس بھی ناقدین کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

پروفیسر نے برسرِ عام اپنی اس علمی کا اعتراف کیا۔ درست ہے کہ فی الوقت میرے پاس ان سوالوں میں سے ایک کا بھی جواب نہیں۔“ اس نے ایک انٹرویو میں کہا مگر سانس میں وہ ایک نئے حوصلے کا اظہار کر رہا تھا۔ ”مجھے

ہے کہ میں درست ہوں۔ پینٹنگ اکیلی ہے۔ اس وقت میں لاجواب ہوں کہ بہت جلد اپنی ہی تحقیق میں غلطی کر رہا ہوں۔ میں آن سب ناقدین کو کٹر گزار ہوں، جنہوں نے سوالات اٹھائے۔ اب میری ہی تحقیق کا محور یہ سوالات ہوں گے۔ بہت جلد سب کو ان کے سوالوں کے کئی بخش جوابات مل جائیں گے۔“

پروفیسر مارٹن کے اعتراض لاطینی نے چاکا کوزرا کو دینے سے مصوری میں شاکار کھلانے کے بجائے ”مشیت اور دکھا“ جیسے تقابلات سے لواز دیا۔ وہ دھڑک بات کو ثابت دینے پر تیار نہیں تھے۔ چھوٹا کھانا تھا کہ صرف معالے کو کھینچا کرتے تھے۔ لیکن تحقیق کی بات بنا رہا ہے۔

پروفیسر مارٹن خود بھی بہت پریشان کن اور متعصب تھے۔ حالات ان کے مخالف ہو چکے تھے۔ پینٹنگ میں کڑواپ تھا اپنی دولت خور سے بہت دور، جیسا کہ نظر آ رہی تھی کہ ”ھوکا دینے“ ان الزامات نے پروفیسر کی تو پوری ملی سا کہ کوئی داکٹر بنا رہا تھا۔

تھانے کے بعد اب خود پروفیسر بات جاننے کے لیے بے تاب تھا کہ پینٹنگ کے سائیز پر محض سے پینٹ کیا ہی اوردہ کس طرح غلطی کے لیے وہاں تک پہنچی کہ پروفیسر جانتا تھا کہ اگر ان سوالوں کے جوابات نہ ملے تو اس کی دیانت و خالص ہوئی، ساتھ میں کہ لہذا وہ ایک سا کہ پادہ ثنائے حسن کے کواڑ میں دب کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔ مگر یہ ہاسی اور متعصب کی اپنی، خدشات اور امانت تھے۔ حال کی بنا اور محض حقیقت یہ تھی کہ پروفیسر کی ٹیک نای، وہ نیچے سے مصوری میں عزت اور طمع کے جیسے میں اس کی سا کہ پادہ ثنائے حسن کے لیے ختم ہو رہی تھی۔ اُسے ”فراڈ“ اور ھوکے بازی جیسے سنگین الزامات کا سامنا تھا۔ وہ اپنی ذات پر لگے الزامات کے ان سیاہ داغوں کو ھوکہ دیا جانتا تھا کہ اُسے کوئی کا پائی نہیں مل رہی۔

اعتراض لاطینی کے مضموں اور کچھ کے بعد پروفیسر مارٹن نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اس کی سوال، اور اس کی الزام کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ وہ وقت ضائع کے بجائے ہی تحقیق کو اسر واصل نہ جانتا تھا کہ اس کے کاغذ میں بات نہیں جانتے تھے۔ کتاب اس کے لیے شہرت کے بجائے دہائی کا سبب بن گئی تھی۔ اسے کئی سوالوں کی سختی کے جواب میں لفظ طعن کا سامنا تھا۔ وہ اٹھائے گئے سوالوں کے جواب دہ کرنے کے لیے خاموش ہوا تھا تا اس کا وقت مقرر ہو جٹ میں ضائع نہ ہو۔ ناقدین اس کی خاموشی کو اعتراض جرم سے تشبیہ دے رہے تھے۔ اس کی خاموشی سے انہیں مزید مشکل رہی تھی۔ وہ خاموش ہوا تھا اپنی تحقیق کے لیے مگر وہ ناان خائشین

کچھ اور بھیہت تھے۔ پروفیسر مارٹن دہائی کی تحقیق میں مصروف تھا کہ اب تک اس کے ہاتھ کوئی برا نہیں لگ سکا تھا۔ پینٹنگ کے گمشدہ باج و سال پینٹنگ میں رہی تھی۔ وہ جتنی کثرت داشتہ نای کا کسی کا مقدمہ نہ رہی مگر اس کا حوصلہ ٹوٹا تھا۔ وہ دہائی میں ملحق تھا کہ اس کی دیانت و خالصت پر عزم تھا کہ اس کی پادہ لہذا وہی ہی تحقیق ہے۔ اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک اور تقدیر ضرور مہربان ہوگی اور پینٹنگ کے مقدموں پر مانے سارے دواڑ اس کے سامنے ظلت آزام ہو جائیں گے۔

پروفیسر مارٹن کی عادت تھی کہ شام چائے پینے کے بعد کچھ وقت کے لیے اعتراض کیلکٹ کر کے کپے ٹاپ پر ہی سٹو چیک کرتا اور ان کے جوابات دیتا تھا۔ سہ روزہ انداز سے وہ تقریباً اپنی درخواستوں میں ملحق اپنی سٹو چیک کر رہا تھا۔ تقریباً دو سو تین ایک ہی بات کی تھی کہ ٹیکہ دہا کر کے پرتلے والے الزامات سے پریشان تھے۔

”تقدیر پر کھڑا رہا، جس میں جاپوں، پینٹنگ کے سبب ایک دن سب کو بے گھر کر دیا۔ سامنے آجائے گا۔ میں جتنی کہتا ہوں۔ اس لیے کہ گھر میں تو برسوں، برسوں میں وہ بھینسا سال بعد گھر میں سر ہواں کا، ہر اعتراض کا خوش جواب نہ بے کاہل ہو ہوا تھا۔ اس کے کٹر کر رہا ہوں۔ سامنے آجائے گا۔ تقدیر کا کیا نہیں مل رہی تھی۔ پینٹنگ سے کہنا سہل ہے کہ تقدیر کا سامنا نہ ہو رہا ہے۔“ مارٹن۔ اس نے اپنے ایک دوست کو جواب لکھا اور اگلی ہی سٹل کرنے لگا۔

جس وقت پروفیسر مارٹن اپنے دوست کی اسی سٹل جواب لکھ رہا تھا، اس نے تقدیر کی خوش قسمتی کا ذکر کیا تھا۔ تقدیر وہ خاص دن تھا اور وہ انکشاف میں تھا۔ ایک روز کا تقدیر کا حال ہے اس کی لاطینی قسم ہونے والی تھی۔ اس کے کام لے والی اگلی ہی سٹل کی اس کی تھی۔ یہ لاطینی ایڈورڈ رائٹ سے لگتی تھی۔ وہ ٹیکہ دہو چکا رہا کہ یوں ہو سکتا ہے۔ مگر اس نے اسی سٹل کھول لی کہ ایڈورڈ رائٹ، امریکا کی ایک تصویر تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لٹا ہوا تھی وہ دونوں ایک دوسرے کو کی حوالے سے جانتے تھے کہ اس کے ہاتھ ایڈورڈ نے پینٹنگ تیار کرنے کا طرہ سے اسے ایک منفی مشورہ دیا تھا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم درست ثابت ہو گے۔“ اس نے

ای سٹل میں لکھا تھا۔ اس کا امانا تو یہ تھیں کہ وہ اس کا مکاس تھا۔ ”اس کی حالت تمہارے لیے سارا دکھیں گے۔ مگر یہاں“ ای سٹل کو کھلیا کر کے اسے لکھا۔ ”میں نے تمہارے لیے کہ تم ایڈورڈ رائٹ کے سٹیل لاطینی کے آف پورٹریٹ کے لکھی غلطیات کے جیسے میں کئی مقدموں پر اپنی ایک سٹل کتاب ”چوبیس“ کے دواہل ہے۔ کتاب میں مقدموں کا دواہل شایع تھا۔ اس کی تصاویر پر مشتمل ایلم ہے، جس کا نام Sforzato ہے۔ اسے بخور دھو، ساسی بنا دے۔ مگر یہ نہیں کہیں کہ اس سوالوں کے جوابات مل جائیں گے۔ مجھے امانہ ہے کہ پینٹنگ کی گمشدہ مقدموں کا راز پاؤ گے۔“ یہ ان کی تھیں کہیں لکھا ہو جائیں جب میری ضرورت پڑے، بلا ٹیکہ دایہ کر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہ مجھے بہت خوشی ہوئی۔ تمہارا ٹھکانہ۔ ایڈورڈ رائٹ۔“

مارٹن نے ای سٹل پر بھی اور اعتراضات کے ذریعے کچھ معلومات اکٹیں گئیں۔ اس نے کچھ پر بعد ایڈورڈ کا شکر ادا کر کے پورے پورے ایک سوال کیا کہ ایڈورڈ کا تصاویر کی شادی کس طرح ہو چکی تھی؟

ایڈورڈ رائٹ کی غلطیات کا دلدادہ تھا۔ دواہل اس لاطینی میں وہ کچھ عرصہ تحقیق میں گزار چکا تھا۔ وہ یوں کہ عہد پادہ ثنائے حسن کی غلطیات کا مایہ کر رہا تھا۔ اس نے کہا کہ جس کتاب کا کواڑ دیا تھا، وہ اسے ہی تحقیق کے دوران دیکھی تھی۔ وہ چھائی سا مائیکرو مشن اور نہایت آرا کی جلد بندی پر مشتمل پینٹنگ تصاویر پر مشتمل تھی۔ یہ کتاب کئی شاہی شادی کے دوران تیار کی گئی تھی تصاویر پر مشتمل تھی۔ ”وہ کتاب ایڈورڈ رائٹ کو فوراً جواب دیا۔“ وہ کتاب ایڈورڈ رائٹ کی شادی کے موقع پر اپنی کئی تصاویر پر مشتمل ہے۔ یہ اس کا ایک کاراز اس سے پاؤ گے۔ اس میں شاہی دواہل سے دایہ۔ مصوری کی تیار کی تھی تصاویر ہیں۔ لہذا وہ بھی اس اور میں خالو کی دواہل کا شاہی مصویر۔“

ایڈورڈ رائٹ کے لیے یہ ایک امکان تھا کہ پروفیسر مارٹن کے لیے یہ بہت بڑی خبر تھی۔ اسے اب خود کو درست ثابت کرنے کے لیے تحقیق کا نیا راستہ مل گیا تھا۔ اس نے فوراً پروفیسر ایڈورڈ کو جواب بھیجا: ”شکر ہے میرے لیے۔ دوست۔ تم نے اندھیرے میں میرا چراغ دیا۔ مجھے یقین ہے کہ اب اس چراغ کی روشنی میں میں ایک نیا کٹرک میں بظاہر ناخوشی نظر آئے۔ والا نہایت امانی سے اور بہت جلد سے رکھوں گا تم۔ جو کام کیا ہے، ماحصلہ نہ کوشت۔

اس کو جان کرنے کے لیے میرے پاس لاطینی ہے۔ ایک ایڈورڈ شکر ہے۔ مارٹن۔“

پروفیسر مارٹن کو اسے سوالوں کے جوابات کی دیکھنے کے لیے اس کا لکھا تھا، جس کے سہارے اسے حقائق تک پہنچنے کا مشورہ مل گیا تھا۔

پروفیسر مارٹن نے اسے بطور بے اندیشی تحقیق شروع کر دی تھی۔ لاطینی آف پورٹریٹ کے تقدیر کی کتب اس کے پاس تھیں، نہ صرف اس تقدیر تک محدود تھا۔ رہتا جاتا تھا۔ وہ کتاب میں جیت تھی۔ پروفیسر جانتا تھا کہ لاطینی کی بھی طور وہ کتاب اسے مستعد تھیں۔ کسی اس کے لیے اسے خود وہاں تک پہنچنا تھا۔ وہ جانتا جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب پر باقاعدہ ساسی بنیاد پر تحقیق کی جائے۔ ایڈورڈ رائٹ نے بھی یہ مشورہ دیا تھا۔ اس کام کے لیے نہایت کارگر آدمی اس کے پاس موجود تھا۔ یہ تھا ایسٹل کوئی آف کیمیرے کی کواڑی، یوں لاطینی کا ایک کتاب۔ وہ نہ صرف آرٹ کا دلدادہ تھا بلکہ جب سے اس نے کواڑا کوئی صرف ایک کتابت ہے۔ وہ تحقیق میں پروفیسر کا دیکھا گیا تھا۔ اور پروفیسر مارٹن کی شتادہ کتاب کا وشریک مصنف تھا۔ وہ پروفیسر کی رائے سے تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایڈورڈ رائٹ کوئی کواڑا کے پورے پورے تحقیق کے سبب سے اعتراض اٹھائے گئے تھے، وہ بھی لاطینی شادی تھی۔ اس کی سر پروفیسر ناکا کی نو برہنہ کر دی تھی کوئی نہیں بدل سے جانتا تھا کہ کچال ثابت ہو اور وہ خود ہوں۔

پروفیسر مارٹن نے جب ایڈورڈ کے ای سٹل اور دواہل لاطینی کی تحقیق کے لیے بطور طور پر آگیا تو وہ بھی خوشی سے جھوم اٹھا۔ بطور شریک مصنف، اس یقین تھا کہ جو الزامات تھے، ہیں، انہیں غلط کرنے کی بنیاد ایک کتاب پر رکھی جائے گی۔

ایڈورڈ کوئی، اور اسے جانے کے لیے۔ یہاں تک کہ اب کتابت کی الزامات کے لیے دواہل مارٹن اور کوئی نے اب تک کی تحقیق پر جو کچھ خرچ کیا، اسے پلے سے کیا تھا۔ رہا پینٹنگ کا سوجرہ ایک ہی تھوڑے پینٹنگ کو اس کے کواڑے کے دوران سادہ کر بیٹھا تھا۔ اس نے اس سارے معاملے کے بعد اب تک اپنے پاس کے ایک دیلائی کرشمہ میں کیا۔ البتہ وہ کہہ جاتے تھے کہ وقتوں میں میں پروفیسر کو دواہل کیل ضرور پہنچ جاتا تھا۔ کیا کچھ مزید بحث ہوئی ہے؟“ پروفیسر اب اس کے سوال سے تنگ چکا تھا۔ ایک تو وہ ویسے ہی پریشان تھا وہ اس کے پینٹنگ کی اسی تھوڑے پروفیسر کا بھی

قوالی

مختار آزاد

موسیقی میں جذبت پیدا کرنے کا ہنر یونانیوں کو خوب آتا تھا مگر اس فن کو اوج پر پہنچانے میں مسلم ادوار کے بغداد کا بہت ہاتھ ہے، پھر یہ فن سفر کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ برصغیر پہنچا اور اس نے مقامی موسیقی کو جذب کر کے ایک نئی طرح ڈالی۔ ان میں سب سب نرالا انداز قوالی کا فہرا۔ آواز کے اتار چڑھاؤ سے دل میں مدوجز آتھانے کی خاصیت شامل ہوئی۔



موسیقی کے اس پسندیدہ فن پر ایک نیا حاصل تحریر

برصغیر میں لوگ سنگیت کے بعد موسیقی کی جس صنف نے ذہنی کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں اپنی جگہ بنائی ہے وہ ہے قوالی۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود موسیقی میں قوالی نے صرف ابھی تک وہ ہندس میں یکساں طور پر مقبول ہے بلکہ اسے اندر موجود رنگ کے باعث جدید آلات موسیقی کی سنگیت میں اب مغرب میں بھی اپنا لوہا منوا چکی ہے۔ حضرت امیر خسرو کا تکیہ قوالی اور اس کے قواعد و ضوابط کے موجودہ تفرات و تفرات علی خان اسے جدت بخش کر شہرت

سلبوں میں مددی دیکھا گیا تھا، اس کے بعد سے کسی کو نہیں کہہ سکتے کہ وہ کمال غائب ہو گیا۔ آخر جدید آلات کی مدد سے محققین نے اس شہیدہ پیشنگ کو حوض پر نکالا۔ پیشنگ جنت پیشنگ اٹلی کے ایک ذہین فن کار دیوار کے اندر چھپائی گئی تھی۔ محققین کا کہنا ہے کہ گن بارہوی صدیوں سے اس دیوار میں دفن تھا۔

ایک طرف کیونارڈ ڈاؤننگی کے کشیدہ فن پاروں کے حوالے سے نوکارہ بالا دو اہم واقعات رونما ہوئے تھے تو دوسری طرف ایک تیسرہ اجرت انگیز واقعہ اپنے قحطی مرال میں تھا۔ اب جن دو پیشنگ کی بات کی جا چکی ہے، مصوری کی تاریخ میں ان کا سب سے پہلا کارڈ موجود تھا جن پر پروفیسر مارٹن کی سب سے بڑی شکل ہے جن کی کتابوں نے ایسا نیا پارہ دریافت کیا ہے جسے اٹلیا اور پولش شاہی خاندانوں کے چندہ چیدہ افراد کے سوانہ کسی نے دیکھا تھا اور وہی کہیں پر اس کا کوئی ریکارڈ یا سرسری تذکرہ موجود تھا۔ پروفیسر مارٹن نے ایک نوکارہ کو اس کا حق دانا تھا تھا۔ وہ کیونارڈ کی پیشنگ کی مگر کوئی تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا جن کو اب اسے یقین تھا کہ اسے تسلیم کرنے کے سوا دنیا کے پاس کوئی اور راستہ باقی نہیں بچے گا۔

پروفیسر مارٹن نے اپنی نئی تحقیق کو ہاں سے شروع کیا تھا، جہاں پر اس کی کتاب ختم ہوئی کہ اس بار اس نے اپنے مقالے میں اٹھائے گئے تمام اقوال اور تفسیروں کے تفصیل جابجا دیے تھے۔ یہ وہ تمام ثبوت تھے، جنہیں سائنسی بنیاد پر رکھ لیا گیا تھا۔

2011ء کے موسم خزاں میں اس نے اپنی افسر نوکی گئی تحقیق کو مقالے کی صورت میں حتمی شکل دی۔ نتیجے کے تمام تر ثبوت اس کے ساتھ شملک کیے اور دنیا سے مصوری کے پڑے ہوئے ناقدین کو اس کی ایک ایک شکل پیش کر دی۔ وہ اپنی تحقیق کو شائع کرنے سے پہلے ان سب کی تصدیق چاہتا تھا۔ پروفیسر مارٹن چاہتا تو دوسری کتاب لکھ سکتا تھا مگر اب اس نے طے کر لیا تھا کہ سب سے پہلے وہ کیونارڈ ڈاؤننگی کے کام پر مستند دوسرے رکھے والے تمام باہرین کا اتفاق رائے حاصل کرے گا تاکہ سب سے پہلے پیشنگ کو اس کا جائز مقام مل سکے۔ اس کے بعد وہ اس سب کے دوران پیش آنے والے واقعات و تجربات پر مبنی کتاب لکھے گا۔

پروفیسر مارٹن کوئی نہیں کوئی اور ایڈورڈو کوئی یقین ہے کہ اب وہ دن دور نہیں جب دنیا بھر تسلیم کر لے گی کہ کیونارڈ ڈاؤننگی کیونارڈ ڈاؤننگی کا وہ گن بارہوی ہے جس سے دنیا نے نئے تمام باہرین و ناقدین سے خبر لی۔

تمام باہرین و ناقدین نے اس کی دریافت کو سے متعلق

Sources:

1 National Geographicm

Feb:2012

2 Leonardo: The Life & Work

3 Referr many web sites.

بیان کیا جاتا ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی میں جب اسلامی دنیا کے متحد ممالک میں صوفی سلسلے کافی مضبوط

”قوالی کی ترکیب قول سے نہیں بلکہ قول رباعی گانے کا ایک انداز ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے بقول چونکہ قصیدہ اور مثنوی گانے کی چیزیں نہیں تھیں اور شاعری کی یہ اصناف تصوف اور حکیمانہ نظریات کی حامل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس لیے

موسیقی کے حلقوں میں یہ روایت عام ہے کہ شہباز نے سلطان علاء الدین خلجی کے دور میں ایک شخص پندت کو کہا کہ اس نام کا تھا۔ وہ ہندو تھا اور علم موسیقی کا ماہر تصور کیا جاتا تھا۔ اس نے مسلمانوں پر یہ کہہ کر غلو کرنا شروع کیا کہ علم ہندوئی ہے۔ تو مسلمانوں کا دور دور تک کا دامن نہیں ہے۔ اس

مرسل: عايشه زوجة ابي بكر

دو دفعہ حال کے فاضل نظر صاحبان علم و دانش نے اُس دور کے سجادہ برگ حضرت ابو خنیفہ السلام الدین کو دانا سے رابطہ کیا۔ انہوں نے اپنے مرید صاحب حضرت امیر خسرو کو طلب کیا اور دین حیات کی رو پینڈ کر گویاں داس کے اُس سوال کا جواب دیا۔ حضرت امیر خسرو کے لیے ایک کتاب تھی۔ پندت گویاں داس کی بات میں وزن تھا۔ تمام کامیابی کی قوت سے جواب دینے کے لیے وقت و دکان تھا۔ انہوں نے اپنے فاضل لیکن جواب دینے کے لیے کوئی بہت طلب کی۔ حضرت امیر خسرو کو دانا سے کے دربار سے پہلے ہی کہہ دیا۔ وہاں ہر مدت دے دے کوئی نیک نیتی بھی کہہ نہ تھا۔ داناں حضرت امیر خسرو کو پندت گویاں داس کو دانا سے صرف دے اور پھر اس کے داناں نے اُس شریعت کی۔ یہ جلد انہوں نے بارہ قوشہ گو جو جانوں کا انتخاب کیا اور انہیں درویشی کے صفت پاک مومن گفت مولانا غنی علی مولانا ایک خاص اعزاز انہیں سے یاد کروائی۔ جب شہنشاہ جو جو خانوں کی کوئی گاہ کی زیارت کے بعد اس کا گنجی شہر لحاظ سے پینڈ ہوئی تو پھر گویاں داس کے سوال کا جواب دے کی جاسی تھی۔ شہنشاہ نے غلام الدین کو کہہ کر یاد کروائی۔ پھر اسے دربار میں تھا۔ شہنشاہ نے غلام الدین کو دانا سے درباری شتیاق سے جواب کے منتظر تھے۔ وہیں گویاں داس کی مجلس تھا کہ اس کے سوال کا جواب کی طرح ملتا ہے۔ حضرت امیر خسرو کی نوئی یاد پینڈا اور پھر اس کے دل پر ہے۔ داناں صاحب نے اُن کا مظاہرہ کیا تو انہوں نے دل پر آئے۔ انہوں نے انگشت دے کر داناں کو داناں پر پندت و سنی کی کیفیت ظاہر کی ہوئی۔ گویاں کو صرف جواب ہی ملتا تھا۔ بلکہ داناں صاحب کی کردہ ایک حضرت امیر خسرو کی گویاں داس کی اس کی حالت یہی علم کر کے رکھ دی ہوئی تھی۔ محفل کے بعد روز دینک دو گویاں کے حامل میں رہے۔ آخر اس نے دل کی بات مائی۔ تو حیدر کا اقرار کیا اور صرف خودی کر لیں پڑھا بلکہ اپنے کی سوسائتوں سے مسلمان ہو گیا۔ تاریخ میں حضرت امیر خسرو کی زوری کا پندت گویاں داس عید اڑتے کے کام سے ملتا تھا۔

حضرت امیر خسرو کی گویاں داس کی کامیاب دعا

ایمان الہامی میں خود مومن بھی تھا۔ اُن کے بارہ جو خانوں کے نام کو ہمیں تاریخ میں نہیں ملے لیکن اس دور میں لکھے جانے والے مؤلفین کے مختلف تذکرہ اور زبانی روایات کے مطابق ان کو جو خانوں سے چہرے کے نام اتنا بارہ بولوں، حسن، سادات، باقر اور عثمانی تھے۔ حضرت امیر خسرو

کی ترتیب دی گئی اس پہلی قول اولی سے ہر صغیر میں موسیقی کے پہلے گانے کے قول چہون کی بنیاد پر ہی پاکستان میں اس طرحی اس گانے کے قول موجود ہیں، جن کا فن کی طرف توجہ کھانچ نہیں۔

اگرچہ ایک سٹوڈنٹ لکھتے ہیں کہ حضرت امیر خسرو صغیر میں قولی کا موجود کر دیتا ہے لیکن دوسرا خیال کا یہی ہے کہ اس میں قولی ان سے پہلے ہی وجود پا چکی گی۔ اس بارے میں علامہ سید سلیمان ہادی نے کی تاریخی قول کے بیان کیے ہیں کہ:

”یہ بات ہے کہ ہر صغیر میں قول کا وجود تھا۔ جو درحالیہ جن کو قول کے قول کے والے سات آٹھ افراد کی کوئی کوئی جہی کا بھی گانے کی باضابطہ اصول اور قواعد کے وجود میں تھے۔ حضرت امیر خسرو نے قولی کی گانے کے آئین بنائے اور اس اسلوب کا بھی کوئی حلقہٴ اصناف میں تقسیم کیا۔ ان میں تین اصناف یہ ہیں:

گھانا، گھل، گھڑ، براہ، ہوا، غانا، سیل، بط، ثروت اور گ۔

حضرت امیر خسرو کے کمال کی کا اندازہ اس بات سے لایا جاسکتا ہے کہ تقریباً آٹھ سو سال گزر جانے کے باوجود بھی اس قولی کی طرف اصناف میں طرح کی پہلی جہی ہوں ایجاد کی گئیں۔ انہوں نے نہ صرف قولی کو ایک سر بوط ریتم محض بل کہ اس کو گانے کی مختلف اصناف میں تقسیم کرنے کے علاوہ حلقہٴ تالیس بھی ایجاد کیں۔ ان سے سزہ میں اس قولی سے۔ ان تالوں میں تیسری تال قولی اور دوسری قولی کی ابتدا ہوئی ہے، وہ شادی کا گایا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ صغیر کی گانے کا موسیقی کی ابتدا قولی سے ہوئی ہے۔ مگر تاہم قولی کی قبولیت کا وجود ہوا تھا جس لیے کہ تھوڑے تھوڑے میں وہ تمام غنیمت طامی بھی بھڑکادی۔ موسیقی کی تاریخ کے تذکرہ میں علامہ الدین علی نے لکھا کہ:

”یہ شہناشاہ شاہجاں کے پہلے بعد کرنا کہی قول اور قولی کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ شاہجاں کے پہلے دور تک یہ صغیر کی صورت حال غیر از قولی تاہم اس کے دوسرے صورت میں حالات بدل گئے شاہجاں کے دور سے عہد کرنا ہے لے کر اب تک، تاہم تاہم کے صفحات میں قولی کا ذکر بدستور آیا ہے اور ہر عہد میں غنیمت موسیقی کے باب میں شاہجاں سے۔ اہم تذکرہ سے چا چاہا ہے کہ ہندوستان میں شاہجاں کی دو سے نامور قولی ہے تھیر اور دوسرہ۔

موسوزن موسیقی کے نامور مستقر تھیر اور دوسرہ

[illegible][illegible]

نیرودنوں کے علاوہ اب تک وہاں چلتے ہی
ہم تیار کیے گئے ہیں، ان کی ملکیت لے لی جانے والی اور
کے ساتھ بے جان مارتوں، مکاؤں، سڑکوں، مصلوں
غریبہ کرنے کو سزا کر کے جس ملک بھارتوں ہم کی
خاصیت یہ ہے کہ اسے جہاں بھی لگایا جائے گا وہاں
ماریشس، سرینام اور دیگر بے جان جزیروں کو اصل
موجودہ زمین پر کر کے بھی جائیداد بنانا انسان
کے دائرہ اثر میں آئیں گے، وہ آغا غاسطی طرح
ہلک ہو جائیں گے جیسے جہاز میں آدھیا چھڑکے
سے ٹھہر، مکی، مکمل، لال بیک وغیرہ ختم ہو جائے
ہیں۔

ایک نیرودن ہم زمین سے تین ہزار فٹ کی
بلندی پر پھٹ جائے تو اطراف کے ایک ایک ہزار
فٹ کے علاقوں میں موجر دانائوں کو تے ہوا شروع
ہو جائے گی۔ وہ اپنا جسمانی توازن کھو بیٹھیں گے اور
ناکارہ ہو کر دو دن کے اندر اندر ہلک ہو جائیں
گے۔ لیکن اگر نیرودن ہم فضا میں پھٹے گے بجائے
زمین پر گرنے تو ٹیکورڈ میں ہلکے بیک ہوا ولا ماریشس اور
لہلہا تے کھیتے تو نظر آئیں گے، کوئی جائیداد کسی نظر
نہیں آسکے گی۔

نیرودن کے تانے بنانے والی ہر پارڈ کو دوسرے
ہلک بھوں کے مقابلے میں نیرودن میں ہم کچھ
خوبیاں بھی نظر آتی ہیں مثلاً اس کی زود آئی آنے والی
ماریشس اور مکمل محفوظ رہیں گی۔ اس سے خارج
ہوئے والی ہلک شحاسیں جلد بے اثر ہو جائیں گی۔
اس کے زور پر ناکارہ نہیں کیے گئے۔ اس کی
تیاری میں قدری ایئر کرڈ ضرورت ہے، نہ جلد
تھکیمات کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے
اخراجات بھی بہت کم ہوں گے۔

مرسلہ: نسیم اختر، ٹیکسٹ آباد

راہی اورنگ خان قول کے علاوہ ایک نام ایسا بھی ہے جو اُس وقت تمام تھاکین پھر پاکستان کا نام درقول اہلکلاہی۔ جسے ظاہر میں صابر قول۔
 قولوں کی تردید کا اعتراف اس بات سے لگاتے ہیں کہ انھیں 1920ء کے عشرے میں ریکارڈ کیا گیا تھا۔ ان دونوں محسنوں نے ریکارڈنگ کے حوالے سے محترم سرزکی حیثیت رکھنا ضروری ہونا قول وہیں جا کر ہا دو گئے تھے۔
 معروف بھڑا کا مڑوا علی عابدی اپنی کتاب ”غیر کریش لکھتے ہیں:

”برائی قولیوں کا مشابہ بہت مختلف اور دلچسپ منظر پیش کرتا ہے۔ پیارو، کا لو اور پرم راہی کی ساری کے ساتھ نہیں ملتا تھا گاتے تھے اور ان کے ساتھ مھوؤں کا جالیاں بجانے کا بھی درواج نہیں تھا۔ کھینک پھر ان کے سراہ اس وقت کے جدید مغربی سازشی سٹائی۔ دیتے تھے۔ لیکن خان قولی کے ساتھ تالیاں نہیں ہوتیں تھیں بلکہ مھوؤں اور آٹا تھا۔ کھینک کے ہر ریکارڈ پر کھینک کھینک تھیں قول اور مھوؤں۔ آٹھے تو یاد نہیں کہ کھینک اس شرب مھوؤں کا کام بھی دیا گیا ہو حالانکہ وہ کھینک کے ساتھ اپنی آواز اور اپنے سر کی سونگھنے سے ملاتا تھا بعض اوقات پتا بھی نہیں چلتا تھا کہ کس قبیلے کے ہیں اور کس قبیلے کے ہیں۔ بعض میں چلا کھلا کر وہ پیچھے پیچھے چلنے والے قول آ کے چل کر کہتے آئے کھل گیا اور یہ قول دارو اور دو بڑی بڑی زبانوں والے اورنگ خان اپنی بات اور آواز میں اللہ کا کفرہ لگائے والے غلام فرید صابری قول۔

”کھن خان ہندوستان کے مشہور شہر میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ کھن نے بھی غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ ایک بار پاکستان کی آئے جہاں ان کی ایم آر ریکارڈنگ ہوئی تھی کہ لا لا لگ لگ ریکارڈ تیار کیا۔ زیادہ تر قولیں میں تھو اور خوروا لگائی گئیں۔“ چند ایک میں ان کی پارٹی بھی ہے جو عام روایت کے مطابق ہیں۔ یہ شکت کرتے ہیں۔“ عقلم پریم راہی کی ایک ایسے وقت کے بڑے قول تھے۔ شاکر تھے اور اپنا کام خود گاتے تھے۔ ان کی ایک اور موسیقی راز دہلی میں چلو جھانڈو تھے۔ دھرت پانی کس قبیلے کے راز دہلی میں جو بڑا مڑوا اس کے نام سے ریکارڈ بنائی گئی۔ یہ عقلم پریم راہی کے ریکارڈ ہونا چاہیے کہ ہمارے قول ایسا بہت ہی پندھی نہی ان کے دینی کلام کے ریکارڈ پر رکھنے کی تصویر بنی ہو، چنانچہ معاملہ نہ ہوگا۔“ بمبئی کی ایک اور ریکارڈنگ بمبئی

ہے اپنے ریکارڈ بنائے کی پینکشن کی جس پر ڈاک کے کٹ کی طرح خود عقلم میاں کی تصویر چھپی ہو۔ اس کے بعد ان کے سارے ریکارڈ اس کی تصاویر ہیں۔“ عقلم پریم راہی نے درجنوں قولیاں ریکارڈ کیں۔ ان کی ایک قولی کے بارے میں مشہور ہے کہ اپنی پاکستان میں جہاں کی فرانس پھر لکھی گئی جس کا مقصد پھر پینکٹر کے مسلمان کو بیدار کرنا تھا۔ عقلم پریم راہی نے پاکستان میں آباد ہوا۔ ان کے ایک بے پریم راہی مانی کر گئی جس وکالت کرتے ہیں اور دوسرے بے پریم راہی موسیقار اور گلوکار ہیں۔“

”نبی ممدی کے تیسرے عشرے کی ابتدا میں بے پیر میں سینا اور کلم کو چھوڑ دیا۔ پھر ہوا۔“ نونج کے اس انوکھے در پینے سے بہت جلد ہندوستان کی عوام کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ کچھ عرصے میں خاموش نفلوں کو زبان عطا ہوتی تو ان کی شہرت دوڑنے لگی۔

”فلم کے ساتھ قلم سے مستعار بن گئی کھانوں کو تریب سے کس بند کر کے پورے پورے پیش کرنے کا نام ہے۔ یہ کھن ہوسکا تھا کہ ہندوستان کے فلمی پردے پر جس سماج کی مختصر کی جاتی رہی ہو۔ اس میں عقلم تہذیبی روایات نہ چھٹی تھیں۔“ فلم کے اس ارتقائی دور میں فلم سازوں نے قولی کو چاہیں۔ پورے پورے پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ قولی فلمی سماج کی بے پاری اور مقبولیت کی کہ فلم میں ایک قولی ضرور ہوتی تھی جسے کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ یوں فلمی قولی کی اصطلاح پھیل گئی۔

”فلمی قولی نے نئے اعزاز کے لیے چلے بلے۔ محبوب مجازی کی شان میں ہر سرائی اور جبر کے کشوں اور دھماکوں کی کشا کے اظہار سے فلمی قولی کا ایک نیا اعزاز متعارف ہوا۔ اللہ ہندی پر مشرقی کی شاہی قبیلے قول خانوں کی کھینک فلمی قولی کی عوامی بڑی ماننے سے سیدے سادے فلمی گانگیوں کو بھجور کے قول کے پھر لا پھار کیا۔ کچھ عرصے بعد میں فلمی قولی خاص قبول ہو گئی تھی لیکن تیسیم کے بعد بھی اسے مدقوں زوال نہیں آیا۔ مڑ کی دہائی کے آخر تک فلمی قولی ہندوستان کی پاکستان کی فلمی فنکاروں کا جان دار حصہ ہو کر گئی۔“ یوں ایک طویل عرصے تک عقلم مجازی کے دور کا کھن کو کھن کی فلمی قولی کے ہوں پر بلو کر کے ناظرین کو کھن کی رہی۔ کھن نہیں، فلمی قولی کی شہرت سے ہندوستان میں خاتونوں قولوں کی تولید کو بھی جنم دیا۔ قولی میں گناری کی رسم ایجاد ہوئی تو مرد و زن قولیوں ایک دوسرے کے متعلق ہوئیں۔ یوں مرد و عورت کے امتزاجی فرق اور باہمی محبت کے

موسیقی کے سرور اور تال کی لے پر ایک نئے حوالے سے عوامی زندگی میں داخل کی۔
 عقلم کے وقت پر مضمر کا ہندو میں جن روایتی قولوں کو ملک کی مقبولیت حاصل کی، ان میں مبارک علی خاں، رنج علی خاں، منگھو خاں، خاں نیاز علی، مکن خاں، بٹے خاں، عقلم پریم راہی، رشید اور فریدی، آقا شیر خاں، عمر علی فریدی، ہستو خاں، حافظ عطاء علی، صاحب محمد اشرفی، قارون احمد خاں افغانی اور دیگر معروف اہلایاں ہیں۔

آج بھی مغرب میں روایتی قولی کی گانگی کے جو مختلف انگ مروج ہیں، انھیں کھن حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلا روایتی یا کلاسیک انگ، دوسرا پنجاب انگ، تیسرا بمبئی انگ۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹا انگ ہے جس کی ابتدا پاکستانی قولی صورت فتح علی خاں کے ساتھ عام شہرت کی بجائے ایک نیا رنگ چھٹی اس ایک کوئی سماجی نام دے جسے کبھی تاریخ میں بھی جھرت فتح علی کے نام سے ہی جاننا پڑے گا۔ یہ وہ دور ہے جب قولی میں روایتی سازوں کے ساتھ آ کر سفر اور جدید لائے کے ساتھ بارہا استعمال کیے اور یوں مشہور ہوئے کہ تاریخ قولی پر انش پیش چھوڑ گئے۔ پر مشرقی روایتی قولی کا یہ دور ہے جب ایک اپنی جنر افغانی حدود سے نکل کر مغرب کی بے عقلم موسیقی کے میدانوں میں جا کر نیا فتح علی بنیاد۔

”ناقدین موسیقی اس بات پر متفق ہیں کہ شہرت فتح علی خاں نے قولی کو جدید رنگ بخشا ہے۔ انھوں نے روایتی آلات موسیقی کے ساتھ ساتھ جدید سازوں یا ٹیچوں ڈھنکیں کے آلات موسیقی کے استعمال کی وہ دوش ڈالی جو ان کی موت کے پندرہ برس کے بعد جانے کے باوجود دستور مستعمل ہے۔ شہرت فتح علی خاں کا اعزاز ڈالی اور استعمال کیے جانے والے آلات موسیقی آج بھی تخیل میں مقبول ہیں۔ شہرت فتح علی خاں کے بعد ان کے گانگین رحمت فتح علی خاں اور آقا صابری نے بھی اس اسلوب کو اپنا یا اور دستور شہرت کی پائیز یوں ہی جانب کامیاب موزن ہیں۔“

پاکستان میں روایتی قولی کی گانگی کے حوالے سے گزشتہ چند دہائیوں کے دوران جو نام معروف ہوئے اور مانی شہرت کی بنیاد یوں کچھوا، ان میں صابری، مہاروان اور عزیز علی قولی کی گانگی اور اسلوب کے لحاظ سے ہیں۔

ان کا اعزاز، مہاروان اور یوں۔ بہت سے پر مشرقی اس کا ایک قولی کی نمائندگی کرتے رہے جس میں عقلم جیتی اور صوفی قابل ہے۔

”سلسلہ تصوف میں قولی یا سماع گودھانی یا لایہ کی گانگی

امیر مضر قراد یا جاتا ہے۔ روحانی سلسلہ چشتیہ میں قولی کو نہایت اہم مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔

”سلسلہ تصوف میں سماع کے آداب بھی بیان کیے گئے ہیں۔ عقلم سماع کے لیے جان کر مڑا کھنکھن ہیں۔ ان میں قولی کی اہمیت کو بھی نے کر دیا گیا ہے جس کے مطابق لازم ہے کہ قول شریعت کا احترام کرنے والا ہو۔ دل دنیا کے مہندوں سے خالی اور طبیعت پور وحب سے خنجر ہو۔ سماع کے دوران سماع کو طبیعت کے پور اور وجد کی جگہ میں جس ترقی کا کھنکھنا چاہیے۔ سننے والے کو اپنی دانش ہوئی جاتی کہ لیسان حق کو بول کر سکے۔ روایتی طور پر سلسلہ تصوف میں سماع کے لیے پھر جسمانی صوفی ضروری ہے۔ واقعہ وقت کرنے کے ساتھ ساتھ ان سماع یا بند یوں میں بھی تھیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ اب عام طور پر مستند عقلم میں سماع یا شب و تکلف ہوئی ہے۔ کھینک یا شب ہے تاہم اب بھی بعض لوگ ہوں پر ہر برجرات کو مستعد و ہفتہ وار یا سالانہ مرنے کے موقع پر ہونے والی قولی میں پھر یا پیادہ نشین کی صوفی گودھانی ہوں ہے۔

”سماع قولی میں سماع و استہلال ہوتے ہیں جن کی سنگت سے پھیلاؤ سماع کو کلام وجد شہلے جاتا ہے۔ روایتی طور پر سماع کے لیے اہل اور ذہن کو لازم آتی ہیں لیکن صوفیوں کی صدی بصدی میں پارامونیم اس میں شامل ہو گیا۔ اس بات قولی کے ساتھ تصوف میں سماع یا قولی کا جو نام کی طہارت اور خود کو پچانے کا راستہ بتایا گیا ہے۔ فہن موسیقی اور گانگی کے ناقدین بھی سمجھتے ہیں کہ سماع صرف لذت نشینی اٹھانے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک باقاعدہ فن ہے جو بننے کو خدا سے ملانے کا روحانی ذریعہ ہے۔ یہ وہ کالم ہے جو خاندان اور خالق کے درمیان ہوتا ہے۔ وہ قرآنی ہے جو کلمہ کو لکڑا بناتی ہے،“ روح کو کھنکھن یا لکڑی اور احاسی سرست کھینک ہے۔ جس نے کا عقل خالق اور مہوؤں۔ ان جانے لے

جاتے اور کھنکھت سے بالال کر دیتے ہے، ہو، وقت کی گردش اس پر بھی گئی اور ذہن ڈال کر کھنکھت سے صوفی شعرا کے پیغام محبت کو عام کرنے کا سب سے مقبول کا عقلی ذریعہ ہے۔ کھنکھتوں سے صوفی قول، قول اور عقل کا عقلی قائم ہے جو وقت کرنے کے ساتھ میں صوفیہ ہوتا ہے۔ جب کہ انسان میں خود کو جاننے کی روحانی ترقی موجود ہے جسم کا روح کے سنگ، یہ روحانی سفر بھی چارپ

رہے گا۔

93

اپریل 2012ء





عزیم کی پیکر

زینت مہدی

وہ ایک کھلنڈری لڑکی تھی مگر کچھ کردہانتے کے عزم سے سرشار تھی۔ اس نے صرف 14 سال کی عمر میں پاکستان کے بڑے بڑے اخباروں میں مضامین لکھنا شروع کر دیا پھر امریکا پہنچی تو وہاں کے اخباروں میں بھی دھوم مچادی۔ اس کی ہر تحریر چونکادینے والی ثابت ہوتی۔ مگر جلد ہی اس نے اندازہ لگالیا کہ وہ الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے زیادہ بڑے حلق تک اپنی بات پہنچا سکتی ہے۔ اس شعبے میں آتے ہی اس نے وہ کچھ کر دکھایا جس کا خواب ایک دنیا دیکھتی ہے، خود ہمیشگی کی فلم نگری والے بھی پچاس سال سے یہ خواب دیکھ رہے ہیں۔

اسکرانیاں اور حاصل کرنے والی دو چیزیں اور ادویات

وہ فطرتاً ہی جیتی، پھینے سے بے خبریوں سے کیلئے کی عادی۔ ہر وہ کام کر جاتی جس کوں کر لوگ لڑ جاتے تھے۔ اس کی وہ اسکول میں ہی تھی، کراچی کراٹر اسکول میں اور عربی کیا تھی؟ صرف 14 سال اس پہنچی ہی عمر میں اس نے بڑے حوصلے کا کام کر دکھایا۔ بہت بڑی جہازت کر دی ایسا کام کر دکھایا جس سے ایک مل چلی ہی نکلی۔ پیسہ کیوں شروع ہو گئیں۔ جس اندام سے عشق تھے وہ بھی اسے ڈرا رہے تھے۔ کیلئے عام کہہ رہے تھے۔ یہ جہازت اسے نہیں

ذریعہ اخبار کا سہارا لے کر عوام پر ایک ایک راز آشکار کر دیا تھا کہ ان صاحب ثروت لوگوں کے لاڈلے کیا کیا گل گلارہے ہیں۔ اخبار کوئی معمولی نہیں تھا کہ اس پر ہنگ عزت کا دھوکا کر دیتے۔ اسے دھوکا اور دھمکیوں سے تاج شائع کرنے پر مجبور کر دیتے۔ یہ انگریزی کا سب سے بڑا اخبار تھا اس لیے وہ لوگ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے ڈر رہے تھے۔ جانتے بھتے کہ ان کے پاس جوت ہے اگرچہ ان کی بھی کیا تو اخبار والے ناظرہ بند کر دینے کے۔ اس لیے انہوں نے چپ کر خیر چلانے کا بیان بنا لیا اور وال چائنگ شروع کر دی۔ کسی لڑکی کے خلاف وال چائنگ کی جائے جائے تو وہ اس کی بدنامی کا سبب بنتا ہے۔

وال چائنگ کی اطلاع کسی اور نے نہیں خود اس کے والد نے دی کسی کسی جوان لڑکی کا نام دیواروں پر قلم اُتار دیا میں لکھا جائے تو ہر باپ کے لیے لاشی کا سبب بنتا ہے۔ ان کا دل بھی دکھا ہوگا۔ وہ بے میں بھراٹھے تھے۔ مگر بے وقوف نہ تھے۔ انہوں نے بیٹی سے حقیقت پوچھی پوچھی کہا۔ "تم حق اگر حوصلہ ہے" حق ہو تو ذلی رہو۔ میں حق کے ساتھ رہتا ہوں۔ تمہارے ساتھ ہوں۔"

باپ کے ایک بھلے نے اس میں تازگی بھری۔ وہ لودھو کوئی شخصوں کرنے لگی اور ایک سے عزم کے ساتھ سینہ سپر ہو گئی۔ جرم کرنے والے سختی سے قوی کیوں نہ ہوں۔ کتنی ہی بھادری کا مظاہرہ کیوں نہ کریں۔ فطرتاً بدل ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کا تیر چھوڑا ڈنکے اور اسے اسے روک سکے۔ بدن چھوڑ پائس کنوں کی طرح اٹھ گئے رہے ہر خاموش ہو گئے۔

وقت اپنی رفتار سے گزر رہا۔ اس نے اپنے لیول کر لیا۔ اسے آگے کی تعلیم کی فکر کی۔ اسے بھوکہ دکھانے کی انگلی تھی۔ اس نے خاندانی روایت سے بہادرت کر

[illegible]

اس کے مضامین پسند بھی کیے جا رہے تھے کیونکہ اس کے آرٹیکل اس رُخ کو سامنے لاتے جو امریکی صحافی لانے سے کتراتے تھے۔ وہاں والے افغانستان کو

انسان خوش ہوتی ہے تو اس کو نکل آتے ہیں اور غم سے بھی
بکس بھگ جاتی ہیں۔ ہر ایک نفسانی بیماری ہے کہ جب
دوستی سے اس کو نکلے تو یہ پہلا بقیہ دہشتی آگے سے چلتا ہے مگر
غیم سے آنکھیں رکتی ہیں تو بیمار آگے سے پہلا بقیہ نکلتا
ہے۔ اس کی آنکھوں سے کسی جو پہلا بقیہ نکلتا ہو وہی آگے
ہے نکلتا تھا۔ پھر تو ایک سلاب سامنے ڈرا۔ وہ روئی تو پورا
گرد پڑا۔ اس کو سب سے حوصلہ دار اور دوسرے سب سے پر جمل
ہوئے۔ اسے سمجھ کر کاٹنا دشوار داخلہ تھا۔ وہ اکابر کسی کی
بیکر حاصل کر رہی۔

ہر سال ایک بہت بڑی تعداد میں لوگ گوروں کے دیس میں آتے ہیں۔ ذکریاں حاصل کرتے ہیں اور مل جاتے ہیں مگر وہ ایسا نہیں چاہتی تھی اس لیے وہاں اس نے غیر نصابی سرگرمیوں کو اپنائے رکھا کیونکہ وہ اپنا



97

نیویارک
2004ء..... سینے کو لڈن ایگل اب ارڈ واشٹن

حوں گی۔“ اس نے اپنا مطالبہ پھر سے دہرایا۔
 ”مگر یہ تو سوچا یا کیسے ممکن ہے؟ یوں پ جا کر تم کو
 ندرستی میں داخلہ لو۔ کسی ہاسٹل میں اس کیلئے رہو، مگر والد



96

دی۔ اس نے وہ فرما کر دی جو آج تک خاندان کی کسی لڑکی نے نہیں کی تھی۔
وہ لڑکی تو کسی کب جب جاتی جہاں جاتی اسی جاتی جاتی رہتی۔ ایک لڑکی خاص کر پاستی لڑکی کا گھر سے اس کی رات میں ایک لڑکا اس کی بات سے بھرہ۔ وہ لڑکی کسی کام پر نہیں گیا۔ اس نے اس کی بات سے لے کر وہ لڑکی کے لیے لڑکیوں کے دس سال کا تعلیم حاصل کرنا مانا تھا۔
پانچ بیٹوں اور ایک بیٹی اس نے وہ سب سے بڑی تھی۔ اس کی فیصلہ اس کی پہلی بیٹیوں پر اس نے اٹھاتا ہوتا (خدا سے دعا ہے) کہ ایک نیک بیٹیوں پر اس نے اٹھاتا کر (مگر اس نے اس کے والد نے صاف لفظوں میں منع کر دیا۔ تب اس نے ماں کی بیٹیوں شروع کر دی۔ ماں کا دل موسم ہوتا ہے۔ وہ چھل چھل کر والد بیٹوں کی بات پر اڑے ہے۔ کسی طور پر کہیں وہ والد بیٹوں کی بات سے بھرہ۔
دیکھا کہ وہ بات جو اس کی ذرا سی ضد پر اس کے آگے جھک جاتا تھا۔ وہ اس کی بات پر کسی طور پر نہیں بھرہ تو اس نے ایک دن اس کی رات کو لایا۔ اسے گھر سے بندھو رکھا۔ اس نے جھوک جھول کر دی۔ تو کرنا تو جھوک کر بیٹا دیا۔ بیٹوں کی انتہا کو کھرا دیا۔ اس کی بیٹیوں کو مستر دکر دیا۔

کھٹے پھر سید نے اور پھر نے رات کا چولہا جگایا۔ سب بے چین تھے مگر وہ دروازہ بند کر پڑی رہی۔ وہ رات گزر رہی تھی اور پھر سحر کی منیش شروع ہو گئی مگر وہ فٹ سے کس نہ ہوئی اور تیسرا دن شروع ہو گیا۔

تین دن کی بیچوک اب اس کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ وہ باپ جیوسا کی ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو جایا کرتا تھا۔ اس خبر پر اسے بے چین ہوتا ہی تھا۔ انہوں نے بچی کو طلب کر لیا۔

”کیا شروع کیا ہے؟“
سوال کا جواب دینا ضروری تھا۔ وہ
بولی: ”میں نے تو بس ایک خوشحال گھرانہ کیا تھا۔ اعلیٰ
تعلیم حاصل کر رہی ہیں ضروری ہے۔“
”ہاں تو ضروری ہے۔“ انہوں نے رسالہ
سے جواب دیا۔ ”یہی سن کر کہرا ہوں کہ جس کیخود
میں کو بس داغدار لاتا ہوں۔“
”مگر میں پاکستان کی یونیورسٹی میں پڑھتا نہیں
چاہتا۔ پرائیویٹ اتھان میں کیٹھن دینا چاہتا۔ میں
اس کی یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتا۔ وہاں جا کر

اپریل 2012ء

نہیں تھے کہ اس نے ایک اور دھماکا کر دیا۔ یہ دھماکا گو کہ پہلی فلم کا تسلسل خاکہ وحدت میں اس سے زیادہ تھا۔ اس فلم کا نام اس نے Reinventing کیا تھا۔ اس اعلان پر لوگ چونک گئے۔ اس لیے کہ یہ ایک خیر و کام قدم تھا۔ لیکن اس پر بدانتہاس بھی پہلی ایک دھماکا سے دو ٹوک جوابت بھاریا دیتے تھے۔ یہ کہ یہ بدانتہاس کی کڑی کڑی اس کا اٹھنے یا توڑ دینے ہیں۔ کسی کے بھی سمجھانے سے وہ بدانتہاس برتنی رہی۔ اپنی بدانتہاس پر ڈٹی ہوئی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بود بود بھی رہی کہ کھتری میں ایک اسلام کا چہرہ سنگ کرنے میں مشغول ہے۔ اس کا وہ کہہ کرنا کیا تھا کہ یہ سنگ کی بجائے اس کا کام میں خیر و بہت زیادہ خاکہ دو تو برہم پھر بھی نے نہیں بنائی اور لغوی کتب میں پڑتی ہے۔

2007ء میں آسکریا پاراڈ جیتنے والے 2007ء میں قلم "گولڈن کپاس" کی جیت میں بھری انعام پر آسکریا پاراڈ ملتا تھا۔ سرحد کو یکجا کرنے کے قہر پہلے پاکستانی آہن جیتیں اور پاکستانی سرحد پر امریکا نے سرحد میں شہر کے لیے نہیں دی کہ انہوں نے برہم خاں کے سرحد میں ہر ادھر وہاں سے جڑے سسک پھٹی کام پر پاراڈ حاصل کیا۔ سرحد پر بھری انعام دینے والی نیم کے معاون ڈائریکٹر تھے۔ اس قلم نے "بھری انعام" قلم ایڈٹنگ ڈیپارٹمنٹ (B.A.F.A.) پاراڈ میں جیتا تھا۔

مقرر قسط 2000ء سے نئے دلال 16 مہینے میں
کا حصہ رہے۔ وہ امریکا میں ڈیٹیل پریس کا ایک
محراف نام ہیں۔
اے تہذیبی آری ہے۔ تو جوان نسل جو کسی قلم
سازی کی طرف راغب نہ تھے، اب وہ بھی قلم سازی کی
طرف راغب ہو رہے ہیں۔ پاکستان میں لولی ووڈ ڈوڈلی
کی جانب تھامے اس کی اداکاری میں زیادہ تر بڑے لائٹ
ایجنٹس آئے ہیں جن میں اس دورے سے کسی مجتہد
جی اداکار قلم سازی کیے کہ امریکا کی لولی ووڈ سے نہیں
بہتائیں گے لولی ووڈ کے قلم کار ہیں ان کی قلمیں فراہم
کامیاب ہو رہی ہیں۔ جسے جو آڈیو کیسٹرز بنا جائیں۔
اس میں قلم کار کے قلم اس کی پاکستانی ہیں۔ میں انہیں
اپنے ساتھ کسی ہول جو ہائل گئے ہوتے ہیں۔ ان میں
سے بہت سارے جن کے چھوڑا دوسرے پر کام کر رہے ہیں۔
(مئی 2004ء میں کلنگائی کا دے گئے انڈو دے سے گفتگو)

ہوئوں پر مسکراہٹ بھی آجائے۔ بہت غور کرنے کے بعد اسے ایک آئینہ پا گیا۔ وہ تو چیلنجی صنف نازک پر ہونے والے مظاہر پر احتجاج کرتی فرقہ فشی۔ اسی لیے اس بار بھی اس نے صوبہ پر حملہ کرنے والے مظالم کو ختم کیا۔ اور اسی وجہ سے اس کے نظریوں پر پنجاب کے ہر ترک فشی جہاں جہالت و غربت بچنے کاغذ پر نہ تھی وہاں ایک خاص رحمان بنی تھی جو سے دران چڑھ رہا تھا۔

میری دلی یادداشت اس شخص کے گھر پر بھی چلی جاتی تھی تو وہ فی القوموت کے خیرا سوسائے سے رچنے کے آداب و احاطا

ہے۔ مگر وہ کورت جو حسین وہاں سے اس کا حسن مجھ سے
جائے تو وہ جیسے جی رہا جاتی ہے۔ کہ چہرہ ہی اس کو اس لیے
سب کچھ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے میں نے رحمان مہل کو ہاتھ کا
درا درازا سی بات پر معمولی معمولی رجحانوں پر لڑکیوں کے
چہرے پر خواب کر دیے جاتے۔ عورت ہونے کے ناطے اس
چہرے پر عظیم مظہر ہوتا ہے۔ اور وہی زیادہ محسوس کی۔ اور اس کا
درا درازا ڈانٹوں سے شکر کرنے کی فانی کی۔ تیار کی ضرورت
کی مگر وہاں ایک اعزاز ہے۔

وہ دنیا کا کامیاب ترین ناول نگار تھا۔ اس کے ناول و مکالموں پر پہچانے جانے والے ایک جاتے بے گھر اس کی قسمت کالی تھی۔ پروگرام پر ٹھہر کر، ابھی بڑا ہی امیدوار تھا کہ اس کی قدر نہ ہو۔ لوگ کہتے ہیں خود اس کی زندگی بڑی ہی کسی دور سے افسانے کا ہیرو بن چلا ہے۔ اس نے زندگی کے ہر لمحہ کو دیکھا، بھگتا مگر قرار نہ ملا، بالکل اسی طرح جیسے اس کے باپ کی زندگی تھی۔ وہی کچھ اس کے ساتھ ہو، وہ دولت مند لڑکھاتا رہا مگر چین نصیب نہ ہوا۔ اب وہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی زندگی کو موت کی راہ میں دھکیل دیا۔

لے وہ مطمئن نظر آتا ہے۔

ہے۔ امریکی ریاست ایچ جے کچم (Ketchum) نے پہلی دست ہدی کے ساتھ حرکت کر دی ہے۔ یہی روایتیں سے اعزاز میں یہ معلومات انجام دے گا اور اپنے ہی بیزنس کی سیاست سے بے نیاز رہے گا۔

والفاحض بڑے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس بڑے اور معلوم نہیں ہوتا۔ یہی وہ پریشان ہے کہ گوکہ وہ ان مصائب کی صورت ایک طویل عرصے سے، حال ہی میں اس کے تقاب میں آج ٹھیک اس

2 جولائی 1961ء کی صبح ہے، جہاز روڈ کی کالپٹ پر ایئر کپتان کے ساتھ حرکت کر رہی ہے۔ شہریوں کے ہونے والے اعتراضوں کے باوجود اسے اپنا کام دے رہا ہے۔ اسی دوران میں شہر کے دیگر کالپٹ پر ایئر کپتان کے ساتھ حرکت کر رہی ہے۔ شہریوں کے ہونے والے اعتراضوں کے باوجود اسے اپنا کام دے رہا ہے۔ اسی دوران میں شہر کے دیگر کالپٹ پر ایئر کپتان کے ساتھ حرکت کر رہی ہے۔ شہریوں کے ہونے والے اعتراضوں کے باوجود اسے اپنا کام دے رہا ہے۔

’ کچھ دیر تک بڑا درواریہ کھینکے کے بعد وہ ٹوکڑی کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اب وہ آئینے میں اپنا کس دیکھ رہا ہے۔ چند ساتھیوں نے ہی فری زدنیں، بھراس کے لب و ہوا سے ’ میں تیار ہوں !‘

اب وہ دھیرے دھیرے میز صافاں اتر رہا ہے۔ اس کے قدم میں منٹ کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ جہاں کچھ ایسا رکھا ہے، جو اس کے دل کے بہت قریب ہے، جو اسے بہت پسند ہے جو برسوں سے اس کی ملکیت ہے جس کے شکل وہ اُن پرادوں پر پڑائیاں سے نجات حاصل کرنے والا ہے، جو برسوں سے اس کا چھپا کر رکھی ہیں۔

جس منٹ کی چابی اس کی بڑی خاموشی سے کل رات اپنی ہی کی الٹاری سے بچرا لی تھی۔ وہ وہ آسانی کا ٹوکڑا کر میز جھول پر قدم جاتا ہوا اس نیم تاریک کمرے میں اتر گیا۔

چھلکات یوں ہی جس وحشت کھڑا ہوا، تاکہ اس کی آنکھیں، اچھیرے سے ہمہ تنک ہوجائیں اور جب وہ تاریکی میں دیکھنے کے کئی ہو گیا، اُس نے نظریں گھما لیں، جادوں غرت دیکھا، اُس نے کئی حاشیوں میں جس کے حصول کے لیے وہ یہاں تک آیا تھا۔ بالآخر اس نے اسے پایا۔

وہ بڑے اطمینان سے آگے بڑھا، اسے بھرا اٹھا یا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا، بیڑیوں کی جانب بڑھنے لگا۔ جس منٹ سے باہر آنے کے بعد اسے بڑی ہی خاموشی سے مکان کے اوپر سے کئی جانب جاتا تھا کیونکہ اگر اس کی بیوی کو چل جائے تو وہ اس کے منصوبے کو فائدہ کر دیتی۔

خوش قسمتی سے یہ سیر ملکی بی آسانی سے ہو گیا۔ جب وہ گھر کے اس حصے میں گیا، جہاں کچھ کاس کے منصوبے بنائے تھے، اس کا چہرہ خوشی سے کھلنے لگا۔ اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی جانب دیکھا، جس میں وہ دیکھ رہا تھا، وہ بڑی کاس میں اسے میں منٹ سے پڑا تھا تھا۔ وہ ایک خلت گن تھی، اس کی پسند وہ خلت تھی۔ اچھے خطرے کے خوشی نظر پھرا دیا گیا تھا لیکن وہ اسے ڈھونڈنے میں کامیاب رہا۔

اُس نے غارتگری میں دو گلیاں ڈالیں۔ اسے اٹھا کر اپنے چہرے کے سامنے لگا، کچھ تک ٹک اور کھٹک رہا۔ منصوبے کے مین مطابق اُس نے اپنی زندگی، اپنے نامی کے بارے میں نہیں سوچا۔ وہ چٹا نہیں جانتا تھا۔ اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ ہال میں منٹ سے ڈال لی۔ اگلے ہی لمحے زوردار دھماکا ہوا اس کا بھیجا اڑ چکا تھا۔

جسے بہت رکتا تھا۔ وہاں کی گر جا کر تھکے۔ ارشد کا ہاتھ پکڑیں، وہ بھی رکتا جا حال تھا، تاہم اُس کی ہاں زیادہ اسی کی طرف تھکے، البتہ وہ دونوں ایک دوسرے کے عطا کردہ احترام کرتے تھے۔ دونوں نے محبت کی شادی کی تھی اور وہ ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔

’ نام کے بارے میں کیا سوچا ہے جان؟‘ بچے کے ہاتھ کے دوسرے دوڑ کر شیں نے اپنے شوہر کے دستے سے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ’ تم بہت فکر ہو جاؤ، میں نے سوچ لیا ہے۔‘ وہ سکارا ہوا۔

اصل کلیئر شیں نے شادی کے بعد کا ابتدائی زمانہ اپنے ارشد ہال کے گھر گزارا تھا جس کے اخلاق کو رکارڈ لے لے بہت متاثر کیا تھا۔ اسی باعث جب اس کے گھر پہلے کی پیدائش ہوئی، اُس نے اعلان کر دیا ’ اس کا نام میرے ایک غلط فہم کے نام پر ارشد ہوگا۔‘

’ تم نام اس پر نہیں بہت بوجھ رہا کہ کا بنیادی سبب یہ تھا کہ اُس کا نام دالا نامور آتش اور اسٹارٹر، گھر کا مالک کا تحریر کردہ ڈراما The Importance of Being Earnest تھا جس کا مرکزی کردار ارشد ایک نامور محاسبہ، بلکہ ایک جدید کچھ انسان تھا ہے۔‘

’ اگھر کی دادی میں قدم نہیں رکھنے کے بعد ارشد کو اپنی اپنی محبتیں لگا کر ایک دن اس نے اپنے باپ کلیئر شیں کے لیے اپنے خالات کا اٹھار کر دی دیا۔‘ آپ نے میرا نام لگا کر ارشد کو رکھا، میں اس کو مالک کے ارشد کی طرح لکھا، ہاں، ارشد کا پائلٹ تھا۔‘

’ اسی صمیمیت کے ساتھ اس نے بے کاس نے کلیئر شیں کو گفت پوری سے پھر دیا اور اس نے آگے بڑھ کر صاحب زادے کو انہوں میں مریا۔‘

’ ہاں، تم بالکل جیسے ہو،‘ اُس نے دھیرے سے کلیئر شیں یعنی طور پر اظہار کر ایک محالے میں اس کا اس کا اس جیسا ہے۔ وہ بدلتی ہوئی جو اس کے جھوٹا جھوٹا دلداشت میں آگے بڑھ کر کہنے کوئی کی ہے!

’ تم ارشد کے ساتھ کیوں نہیں؟‘ اس کے سامنے آکر سوال کرنے لگے وہ وہ خاموش رہتا ہاں، میں ایک تنگ بشار ہوتا۔ اس کے دوستوں کی جگہ میں رہتی تھی۔

’ کچھ بہن بھائیوں میں دوسرا ارشد بچپن ہی سے تعادلات کا مظہر رہا جس کی وجہ اس کی نامی جس سے وہ ایک جدید کچھ کی گھبراہٹ نظر آتی تھی۔‘

’ اُس کی کمسن کا زمانہ ایک پارک کے جس حوالے میں گزرا، وہ جیسے ہی ایک انٹرویو کی تھا جہاں اُس کی ہاں کلیئر شیں کا وقت صرف ہوا تھا۔ گریٹس متعلقہ ہونے والے بیڑی بیکل کٹر شیں میں باقاعدہ ہے، یہ سُن کا مظاہرہ کیا کرتی تھی۔ وہ جانا ہی اور اسے پھر گورنر شیں جس نے اپنے بچوں کو اپنی امید پرست بچے کی تربیت دی تاہم وہ قریبیت پسندی جو ارشد کو اسے امداد سے وراثت میں ملی تھی، ہمیشہ اس پر حاوی رہی اور گریٹس کی توانائی اپنے بیٹے کے وجود میں دوڑتی خاموشی یا ایک علاج کرنے میں ناکام رہی۔‘

’ وہ چاہتی تھی کہ ارشد مستحق میں دیکھیے۔ لے اور وائٹس بھانٹنے لگے، اُس کے ارادے کے مختلف تھے۔‘

’ میں اُس کیلئے میں کوئی دیکھی نہیں رکھا۔‘ وہ منہ پورے سے کہتا کرتا تھا۔ اسے تو اپنے باپ کے ساتھ کار پر جانا اور جھیلوں کے نزدیکیں لگانا زیادہ پسند تھا۔

’ مٹا، مستحق ہماری روح کو کھولنے عطا ہے، اپنی روح کو کھولنے کے لیے کے ساتھ یہ آجک کرنے کی کوشش کرو۔‘ کہنے ہوئے گریٹس کی آنکھوں میں عجب اور امید دکھ رہی ہوئی۔

’ میں؟‘ وہ کوشش کیجے میں ڈوک جواب دیا۔ ارشد چاندنی باپ کا لاڈلا تھا لیکن اس محالے میں اس کا باپ اپنی بیوی کی حیاتیات پر کتا۔‘ ہماری ہاں کچھ تھی ہے، خواہ وہ مستحق نہ ہو لیکن وائٹس بھانٹا تو کیونکہ اس کے لیے میں سمجھتے تھے زیادہ عبادت کا مقصد تھا۔ بادل تاخیر ارشد کو لگن سیکڑا اور اسی محالہ اس کا غلط آغاز تھا۔ جس نے ساری زندگی اسے اپنی ہاں سے مختار رکھا۔

’ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ گریٹس کی مستقبل میں عین کھینے کے کل میں اُس کی مساوی بنی جس کا ارشد نے بانی ہونے کے بعد اس طرف اپنی کیا۔‘

’ آج ہم ایک ستانے میں آئے۔‘ ایک نئی کلیئر شیں نے اعلان کیا اور تمام بچے خوشی سے جھوم اٹھے۔ کچھ دیر بعد وہ گادی میں اور کچھ کی کے شہر چھوڑ کر ایک جانب بڑھ رہے تھے۔ وہاں ویلن کیمبل کے نزدیک ارشد کے خاندان کا ایک مکان تھا جس کے درختوں

گزار کرتے تھے۔
 فراغت کے ان ہی دنوں میں نئے ارٹس نے چمکا کر
 شکرا کرنا اور گھر سے دور انجان مقامات پر ہمراہی بسر کرنے کا
 گرسٹھا۔ ان سٹوڈنٹس میں ٹینک کے تجرباتی اس کے لیے
 بہت مومند ثابت ہوئے۔ جب اس نے چکی پار میبل کے
 کنارے اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے چکی کا شکرا کرنا
 اُس وقت اس کی نظر پڑی تھی۔
 "شان دارا" اس نے خود سے کہا۔ "یوے ہونے
 کے بعد ش خود گھر میں قیدیں رکھوں گا بلکہ کبھی باہر
 کروں گا۔"

ایسا اُس کی ہر خواہش کے اذکار امتدادی ہوں میں پوری
 نہیں ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اُسے اسکول میں
 داخل کروانا لازم تھا جہاں کے ضابطوں میں قید داخل سے وہ
 کی خود نوکری آج تک نہیں کر سکا۔ اپنے باپ کی سخت ہدایت
 کے باعث وہ چھوڑ دیا۔
 "میں اسکول میں جانا چاہتا۔" ایک بار اس نے ہمت
 کر کے اپنے باپ سے کہی دیا جو چرے کے سامنے اخبار
 پھیلانے بیٹھا تھا۔
 اُس نے چرے کے سامنے سے اخبار ہٹایا، ایک نظر
 اپنے لیے کود بھرا، "اس معاملے میں بحث کی کوئی
 گنجائش نہیں" اسی فیصلہ ہو گیا۔

1913ء سے 1917ء تک وہ اوک پارک ایئر ریور
 فارسٹ ایسکول میں تعلیم پڑھ رہا تھا۔ یہ تعلیم نے زیادہ
 اسے کھیلوں میں دلچسپی کی۔ وہ اسنگ اور فٹبال کے مقابلوں
 میں آگے آگے رہتا جن میں اس کی کارکردگی شاندار تھی۔
 وہ اصل جاس کا عنصر اور احتجاج تھا جس نے اسے بطور کھلائی
 بہتر سے تیز پر نام کرنے کی تحریک دی۔
 بہتر مضامین تو اسے پرنسپل سے پہلے ایئر گریڈ کی
 معنوں میں اُس نے ہمیشہ اچھے نمبر حاصل کیے۔ وہ دو برس
 تک اسکول کے کرکٹر کا صدر رہا جہاں وہ اپنی بہن بائبلین
 کے ساتھ پر قدامت کیا کرتا تھا۔ ملائکہ سے یہ کام ملنے پرنسپل
 تھا۔ ایک بار جب ایک دوست نے اس کی پر قدامت کی
 تعریف کی، اس نے منسوب سے ہوئے جواب دیا "میں نے وہ
 دوست، میں اس کام سے بالکل بیگن تھا۔"

☆ ☆ ☆
 ایک روز اس نے اچانک کہا "میں بڑے ہو کر سمائی
 بنوں گا!"
 جب ساقی طلبوں نے یہ سنا تو چمک اُٹے۔ بے
 مبالغہ اندر سب کو شگفتہ

ایک ایئر لے بھی ارٹس کی طرح صحافت کا مضمون
 لکھتا تھا تاہم کسی صحافت کو بطور پیشہ اپنانے کے بارے میں
 نہیں سوچتا تھا۔ جہاں تک ارٹس کا تعلق ہے، وہ حتیٰ فیصلہ
 چکا تھا جس کا سب اس کا تعلق اس وقت تک ہو گا جس
 پر جانے کا اعزاز اس کے دل میں گھر کر گیا۔
 "بچو! اسے کس تھیں بلکہ اخبار کا دفتر سمجھو اور
 اخباری دنیا دیکھو" وہ فٹنٹس میں کہتا۔ "وہ چلو خبریں
 کرو مضامین لکھو، کہانیاں لکھو۔"
 اس کے طرز تدبیر نے ہی طلباء وہاں طالب کو توانائی
 بھر دی جن میں ارٹس اور اُس کی بہن بائبلین سرفہرست
 تھے۔

دو دنوں ہی نے اسکول سے نکلے والے اخبار
 Trapezoid کے لیے مضامین لکھے۔ یہ ایک لکھاری کی حیثیت
 سے ارٹس کے سطر کا آغاز تھا۔
 جب جنوری 1916ء میں اس کا تحریر کردہ مضامین
 The Trapezoid میں شائع ہوا وہ خوشی سے مجبور
 اخبار کی کاپی اپنے گھر سے باہر نکل گیا اور کئی مغلے میں
 والے پرنسپل کو اپنا کاپی کی بابت گاہ کرتا رہا۔
 "میں اس میں اساتذہ نے بہت حوصلہ افزائی کی۔
 اسے سمجھائی گئے گا اپنا سچ ہونا نظر آئے گا۔"
 وہ صرف فٹس اخبار کے لیے باقاعدگی سے لکھتا
 بلکہ مضامین کی ادارتی کام بھی سنبھال گیا۔
 ایک دن شفیق استاد نے مشورہ دیا "ارٹس، اس
 بڑے دور سے ہوا، اسکول کے اخبار کے علاوہ دیگر اخبار
 کے لیے بھی لکھنے کی کوشش کرو۔"
 مشورہ دل کو لگا جس پر عمل کرتے ہوئے اُس نے
 ملاقاتی اخبارات میں بھی قسمت آزمائی جہاں کاپی
 اس کے قدم چوسے اور جلد ہی وہ ایپروڈس رپورٹرز کے
 رنگ اور انداز جوئے کے کسی نام سے پہنچ گیا۔
 "خوب ارٹس" اس کے دوست کہا کرتے تھے
 "وہیں بیٹن سے کرتے والے چند برسوں میں تم
 سب سے خوشگوار بن جائے گے۔"
 وہ اپنی تحریکوں میں جھینپ جاتا۔ اسے تعلیم
 کرانے والے برسوں میں اس کی شہرت کی شہر بائبل
 محدودیں رہے بلکہ پوری دنیا میں پھیل جانے کی

☆ ☆ ☆
 "میدان جنگ مجھے اپنی جانب ہمت دیتا ہے"
 ایک دن اس نے اپنے ایئر سے کہا۔ یہ اس وقت کی
 ہے جب یورپ کا یوڈا حصہ ایک جنگی تعلیم کی لپٹ میں
 تھا اور انڈیا میں انڈوسون میں تسلیم ہو گئی تھی
 اس کے زمانہ شناس ایئر نے میک سے پیچھے
 اگے گھبرا کر ہتھیار تھک کر صاف کیا۔ "کیا ارادہ ہے
 جوان؟"
 "میں..." ارٹس تذبذب کا شکار تھا۔ "میں فوج میں
 جانا چاہتا ہوں۔"
 "خوب" ایئر کا لہجہ استہزاء تھا۔ "جنگ ہرج ہرج
 کا اور موت کے منہ میں جانا چاہتے ہو۔ پھر صحتی کیر کا
 چاہتے ہو؟"
 "میں نہیں جانتا۔" اس نے سر جھکا۔ "لیکن میں نے
 فوج میں جانے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ میں یہ نوکری چھوڑنا
 چاہتا ہوں۔"
 چند ساعت ایئر غصہ فاش رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "اگر
 تمہاری یہی خواہش ہے، تو تمہاری کچھ بیٹن سے کہتم اس
 گرسہ سے بہت کم سمجھو گے لیکن یاد رکھنا تم ایک کلمہ کے
 لیے اس کے بازو جوئے کے کسی نام سے پہنچ گئے۔"
 "انصار" کی ملازمت چھوڑنے کے بعد اس نے فوراً
 فوج میں شہر بنی کے لیے نکل پڑا لیکن خوش قسمت اس کی یہ
 اصل ہوتی پوری ہو گئی جس کی وجہ اس کی کمزور بنیاتی
 اور فٹنٹس چارٹی ریکس اور بالآخر 1918ء میں فوج کے
 سے اسے ایئر سروس ڈراما تیز کے طور پر وابستہ ہو گیا۔
 "مجھے اپنی جانا ہو گا" جب اُس نے اپنے والدین کو یہ
 اطلاع دی تو ان کے چہروں پر اندیشہ چھانے لگے کچھ دنوں
 مبالغہ اندر سب کو شگفتہ

جنگ اسے ہرج ہرج تھا۔
 اسے روکنا نہیں تھا اس لیے گھر والوں نے
 اسے عاقل کے سامنے شہر رخصت کیا۔
 اس سر میں پہلا ڈیوڈن تھا جو خود بخود کا شہر کھاتا
 ہے لیکن اُس وقت وہ شہر جیس فوج کی ہمداری کی زد میں تھا۔
 یہ تھی اسے وہ دور کہ اس پہلا موسم تھا۔
 "تو جنگ اسکی ہوتی ہے" اس نے خود سے کہا۔
 وہ محاذ سے دور کی ہوئی کا محفوظ مقام پر قیام کرنے
 قطعی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے بہرادر سے کہہ
 دیا "میں جلد از جلد اپنی جانا چاہتا ہوں!"

اس کی خواہش پوری ہوئی اور چند ہی روز بعد اسے اٹلی
 کے محاذ پہنچ گیا۔ وہ میلان میں تھا جہاں اسے پہلی بار جنگ
 کی حقیقی تھکانا دیکھنے کا موقع ملا۔
 ڈیوڈن کے پہلے ہی روز یہ خبر اس کی ساتوں سے نکلا
 کہ اس طرحی میں دھماکا ہوا ہے جس میں کئی افراد ہلاک
 ہو گئے ہیں۔
 وہ ایئر سروس دوڑے ہوئے وہاں پہنچا اور پہلی بار موت
 کو کئی پہلی جہاد حائلوں لاشوں کو اسے غیب سے دیکھا۔
 اس غصے وہ دھچکا کھڑے ہوئے سمسوں کو لیے سے
 نکالنے کے عمل نے ارٹس کو لڑکر دیا، اسے اپنے بیان کی
 کچھ کرنے پر مجبور کر دیا۔
 "جیتنا چاہی اسکی ہوئی ہے" اس نے ایئر سروس میں
 رکھی لاشوں کی بات کرتے ہوئے کہا۔

☆ ☆ ☆
 ارٹس جنگ عظیم اول کے دوران اٹلی کی سرزمین پر
 ڈبی ہوئے والا پہلا امریکی تھا اور اس "معرزہ" کو حاصل
 کرنے کے لیے اسے زیادہ ارتقا رکھنا پڑا۔
 اس کی فوج میں ہونے والے دھماکے کے بعد وہ خود کو
 ساحل سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش مصروف ہو گیا تھا اور
 ماہی گیری کے بارے میں بات سے باہر اس کا کام بھی رہا
 لیکن قسمت نے جدی کا یہید پہلے اس کے فیصلہ کر لیا تھا۔
 8 جنوری کے روز اس نے فوجی کی انجام دہی کے دوران
 ایک راز کو لگا لکھنے سے وہ شہر پڑی ہو گیا۔
 اس شخص وہ دھچکا اپنے زخموں کی پروا نہ کرتے ہوئے
 ایئر سروس میں جو رداغی فوجی کو محفوظ مقام پر پہنچا کر
 اس نے ملایا۔
 اس حادثے سے اس کی دونوں انگلیں شہر سے متاثر ہوئی
 تھیں اس کو فوری آپریشن کیا گیا۔ باجج بعد بعد سے میلان
 اپریل 2012ء

میں سب رو رہے کہ اس کے اپتال بچپانہ لایا گیا جہاں وہ چھ ماہ ڈیڑھ ملا رہا تھا۔
ہاں، اس کے جرأت معزز اقدام کو سراہتے ہوئے اٹالوی حکومت کی جانب سے اسے تحفہ دے کر بھاری سے ضرور نوازا گیا تاہم یہ طور ایسیو ٹیلس ڈرائیڈر اس کا کیریر ہمیشہ ایس کے کچھ تک گیا۔

جب دشمنوں سے شکست کے بعد اس نے اپنے باپ کو یہ اطلاع دی تو اس نے کہا: ”یہ شکست تمہیں ایک تحفہ ہے، یہ تمہاری بات ہے لیکن تمہیں ایک ذمہ کی فاطمہ ہے جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔“

ارنٹ اپنے باپ کی رائے سے متفق تھا۔ اس حادثے کے باعث اسے ایک ایسے تجربے سے گزرنا پڑا، جس نے اس کے ذہن پر ایسا بڑا نقش چھوڑا کہ اسے 18 برس کی عمر میں زندگی کی سختیوں سے روکنا شروع کر دیا۔

بڑی عمر کے بعد اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا: ”جب آپ ایک جوان کی حیثیت سے جنگ میں شرکت کرتے ہیں تو آپ اس خوفناک کھانا کھا رہے ہیں کہ آپ لاقی ہیں۔“ جنگ میں شریک ہر شخص کو ذاتی تحفہ ملتا ہے۔ اگر آپ نہیں لیتے، لیکن جب پہلی بار آپ شدید زخمی ہوتے ہیں، تکلیف محسوس کرتے ہیں، جب آپ کو پہلی بار یہ احساس ہوتا ہے کہ آپ لاقی نہیں۔ اسے بھی اوروں کی طرح مر سکتا تھا۔

☆☆☆

اپتال میں ذہنی علاج رہنے کا انتظامی دورانیہ بیزاری اور کالابٹ سے بھر پور تھا۔ وہ نوجوان تھا اور ذاتی اس میں کوئی شک نہ ہوئی تھی لیکن اسے وہ ایک ایسے بڑے مرد اور تھا اور اس کے پاس کوئی ایسی سرگرمی نہیں تھی جو اس کی تحرک طبیعت کو برقرار رکھنے میں معاون ہوتی یا اسے مطالعے

میلے، اپتال کے ستر پر دراز محنت پائی کے انتظار کی اذیت برداشت کرتے ہوئے ہوئے اسے شراب نوشی کی بات پڑی جو اسے والی زندگی میں اس کے ساتھ رہی۔

اور وہیں یہ سہانہ کہ اپتال میں پہلی بار اس نے محبت کا لانا لکھ چکا، جو خاصا سہاگ تھا۔

قدیم کچھ یوں ہے کہ اپتال میں اس کی فاطمہ ایک گینت کر سکتی تھی ایک شخص سے کہتی تھی جو اس سے سات برس بڑی تھی لیکن محبت تمہارا نہیں ہے!

ارنٹ اس خوبصورت عورت کے عشق میں گرفتار

ماہنامہ سرگودھا

ہو گیا۔ اپتال کی تائیک سرور اور ادب میں جو بارہا ہر والی خیر بڑی کے اثرات سے پاک تھے، ان کا نقش پر واضح رہا۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ قہقہے دے دے گئے۔

جنوری 1919ء میں ارنٹ مکمل صحت یاب ہو کر اس فوٹے کی تیاریوں میں گیا اور وہ خاصا مطمئن تھا کہ اگلی صبح اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کسی اور پیشہ پر فرائض مکمل کرتے ہی اس کے پیچھے پیچھے امریکا چلا جائے جہاں وہ دونوں شادی کے رشتے میں بندھ جائیں گے۔ وہ خوش غرض امریکا پہنچا۔ اہل خانہ نے گرم خوشی اس کا استقبال کیا لیکن جب اس نے انہیں مطلع کیا کہ وہ ہونے والی بھینس بچھوڑ میں پہاں پہنچنے والی ہے، ان دونوں میں دوسری آنکھیں خصوصاً اس کے والد نے فیصلہ کوئی ہانپ دیا۔

”کلیئر فٹس نے اپنے بیٹے سے کہا: ”کیس؟“ ارنٹ نے سوال کیا۔ ”آپ نے تم

محبت کی شادی کی تھی۔“
”وہ دوسرا معاملہ تھا ارنٹ!“ اس کی ماں کرکس کہا: ”مجھے کچھ دیکھو، مجھے تمہارا فیصلہ قطعی پسند نہیں آیا۔“
”اے! اپنی ماں کا کچھ اچھا نہیں لگا لیکن وہ خاموش کرکے اس وقت وہ اپنی محبت کا شعلہ تھا اور لیکن رکھتا تھا جلدی تمام کی ختم ہو جائے گی لیکن وہ غلط تھا، یہ تو ختم تھلا ڈالنا تھا۔“

چھوڑ دیا انتظار کرنے کے بعد اس کے نام کا ایک نوجوان خط آیا، جس میں اس نے ارنٹ کو مطلع کیا کہ وہ اسے ملا لیا ہے اور ایک اٹالوی فوجی کی محبت میں گرفتار ہے۔

”تم جیسی چھوڑی ہو، لیکن بجز ہرے ارنٹ کی آخری سطر جس نے اسے تم دے گئے ہے بھرا دیا ہے جو وقت گزار رہا، اس عورت کے خلاف حسرت جو جس نے صرف اس کا دل توڑا، لکھا اس کی آنے والی اس کی اذیت کے سچ ہوئے۔“

اس روز ایک کیتھر کا خط پڑھنے کے بعد پہلی بار خود کو خواہش اس کے اس کی سرگرمی کی ”تم جیسی نہیں“ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ لیکن سرگرمی بہت دیکھی ہو نہیں سکا کیونکہ وہ دھیسے سے کانپ رہا تھا۔

”آجندہ میں کسی عورت کی توقع نہیں دوں گا۔“ ارنٹ اس کا فیصلہ تھا، جو جتنی بھی اس

اپریل 2012

اور وہ ایک زندگی کے عذاب بن گیا۔
راج ریسے کہ 1925ء میں شائع ہونے والی ارنٹ کی پہلی کہانی A very Short story ایک نایاب محبت کے کرکھو کی تھی۔

☆☆☆

اب ارنٹ اپنے آپ کی فاطمہ لوک پارک میں تھا جہاں کی کسانیت اس کی آنکھیں میں اضافے کا سبب بن رہی تھی۔ اس کی عمر ایک تیسری تھی، فقط 20 برس! اور اس کم عمری میں وہ صرف جنگ کی ہولناکی کا مشاہدہ کر چکا تھا، کم عمری کا سامنا کرنے کے تجربے سے بھی بڑھ چکا تھا۔

میں میں ناکامی کا کچھ ڈھنگ بھی تھا۔ اس پر ستر ادواب وہ بے روزگار تھا۔

جب تو یہ دیکھی تھا لیکن انا تھک کر کسی سے ہانٹ نہیں سکتا تھا۔ وہ اگلی گھنٹہ میں بیوی چھوڑ کر دیا تھا کہ کوئی اس کا بچہ نہیں سکتا۔

کسانیت سے اس کا ایک روز وہ اٹالوی چھلی کے خلاف لڑنے لگا۔ وہ پھر دیکھ کر اسے اس سے بڑے عمر سے ادب بہت کی حقیقت سے روک دیا کہ اس نے بڑے عمر سے اپنے دلوں میں اس نے اپنے اپنے چھوڑوں کے ساتھ قرب و بھائی علاقوں کا بھی سفر کیا جہاں انہوں نے بھی محاکات میں اور کسی پہاڑوں کے دامن میں کھپ گئے اور گھنٹوں لڑاؤ کے گرد چھوڑ کر شرب نوشی کر گئے۔ اس سرگرمیوں کے فطری وہ دیر سے دیر سے زندگی کی طرف لوٹ گیا۔

پھر ایک روز جب وہ چھلی کے خلاف کی غرض سے گھر سے اٹل رہا تھا، اس کا سامنا تھا کہ وہ ہو گیا۔ جنرل اس کے اگلی کے زمانے کا دوست تھا اور جس کی دور میں اس کی کاغذی محنت تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہوا۔

اس روز پہلی بار ارنٹ نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھا اور اسے اس کے دل اور گھنٹوں کے درمیان اسے اپنی کہانی سنائی۔ ”میں کسی اپنے والدین کو نہیں بتاتا تھا کہ اگر میں جب میں نے اپنے خون سے تھکے گئے دیکھے تو کیا محسوس کیا۔ اس وقت جب ایک ایسا سر میں میرے ذہن کا طالع رہا تھا جس کی زبان میں مجھے سے تھکا تھا، میں کرب کی کیفیت سے نروا، میں کتنا خوف زدہ تھا اور جب وہ بڑی عمر بنے مجھے چھوڑ دیا میں نے تاریکی کی اذیت کا کیسا تجربہ کیا۔ میں یہ سب انہیں بھی نہیں بتا سکتا۔“ لیکن میں اس کی جہاں ایک ایسے دوست کی طرح خاموشی سے اس کی

111

ماہنامہ سرگودھا

کہانی سن رہا تھا۔ پھر اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگا۔
”تم ایک بہادر انسان ہو ارنٹ۔ میں تمہیں کچھ سکھانے دوں، لیکن تمہیں کسی کچھ سکھانے دوں گا کہ وہ سارے والدین ہیں، وہ تم سے شکس ہیں، میں انہیں ناکھانا بناؤں گا۔“

اس رات جب مکمل ارنٹ گھر لوٹا، اس کا باپ کلیئر فٹس باہر باغ میں بیٹھا تھا۔ اس نے آواز دے کر اسے اپنے پاس بلایا۔ ارنٹ خاموشی سے ساتھ لایا، اس کی پیٹ گیا۔ اس کا باپ جب دعا مت کچھ سوچتا رہا، اس دوران خاموش قائم رہی۔ پھر اس نے ایک گھبراہٹ لایا اور اپنے بیٹے سے آج کے دن کے تجربات کے بارے میں پوچھنے لگا۔ ارنٹ اس سے ارنٹ نے مختصر جوابات دیے لیکن دیر سے دیر سے مومنو پچھل گیا۔ اب اس کا باپ اس کے بچپن کے بارے میں بات کر رہا تھا، جب وہ دونوں ساتھ ساتھ بڑھ چکے تھے۔ ارنٹ کی بھی یادیں پانی کی تازہ ہوئیں۔ رات گہری ہوئی جا رہی تھی، لیکن اس کے باپ کو اس کی یادیں تھیں۔

”تم مجھے جنگ کی کہانی کیوں سناتے؟“ پلاڑیا اس نے

”اوه ہاں، کیوں نہیں؟“ ارنٹ نے جواب دیا اور اب وہ اٹل بیٹھا تھا، اس کی گھنٹہ کی اس، لاشوں کی باقیات تلاش کرتے ہوئے، زمین کو اپتال پہنچتے ہوئے۔ وہ اس سامنے کی کہانی کا راز تھا جس میں وہ بھی ہوا، اس کے دل کے قتلے کو الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کر رہا تھا جس نے اسے توڑ دیا۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ اس نے نہ لکھا، اس کے باپ کی آنکھوں میں بھی کی تھی۔ اس کی خود کو بہت بگاڑا محسوس کیا اور اسے بڑھ کر اپنے باپ کے سینے سے لگ گیا۔ اس رات وہ ایک طویل عرصے بعد کو سکون میں سو رہا جس پر بشارت بشارت بیدار ہوا۔

☆☆☆

”نوجوان تمہارے ایک فاطمہ ہے، فورٹو میں۔ کرو گے؟“ ایک روز اس کے والد کے ایک دوست جھڑ پڑے اسے ایک ایسی نوکری کی پیشکش کی جو اس کے حراسے فطری مطابقت نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ وہ بڑا تھا، اس لیے اس نے وہ پیشکش قبول کر لی۔ جھڑ پڑے، فورٹو میں تھا جہاں کے سنے احوال سے خود کو ہم آہنگ کرنے کی اسے خاصی دقت پیش آ رہی تھی۔

اپریل 2012

اس بیٹے کو پانے کا فیصلہ کیا اور گینڈا کے احکامات سے متاثر ہوا۔
 "ڈنٹ ٹکڑا کر لے گا کہ یہ کچا ہے۔" اس نے خود سے
 کہا اور اپنے فارغ وقت کو کچھ طور صحافی سرگرمیوں کے لیے
 وقف کر دیا۔
 اس زمانے میں ارشد کے لیے کبھی تک پریشانی مشکل
 تھا۔ جب زندگی بہت سی ہوتی اس کی جانب آئی تو کھوئے
 پھر نے کی خواہش نے پھر اٹھائی لی۔ وہ ٹورٹو سے جلدی
 لوٹ آیا۔ چھوٹے مشین کی میں صرف ایک، بھر چکا گولا گیا،
 جہاں اس نے اپنے دوستوں کے قریب کیا اس میں سے
 بھی دو ٹورٹو اسرار کے لیے لکھتا رہا۔
 "خاکو کو میں قیام کے زمانے میں وہ ایک اہانتا
 "کو گریڈ کا سن دیکھ" کا ایسوی ایٹ اینڈ پری ہا۔ وہ ہیں
 اس کی محرومی ناول نگار شریو ڈاڈا پٹن سے ملاقات ہوئی۔
 جلدی وہ دونوں میں دوست ہو گئی۔
 محبت ایک بار پھر دل کے دروازے پر دستک دے دی
 تھی۔ ایک نڈور اکیلی سرخ بالوں والی خوب رو بیڑی
 راج ڈن سے ملاقات ہوئی جو کچھ کوشش مٹم ارشد کی بہن کی
 دوست تھی۔ ارشد پہلی ہی نظر میں اسے دل دے بیٹھا۔
 بالکل اندک وہ میں اس سے پی پی گئی۔
 "تو نے اپنی بہن کے ساتھ" اسے دیکھتے ہی میرا دل ہی
 پکار اٹھا کہ یہی وہ لڑکی ہے جس سے میں شادی کرنا چاہتا
 ہوں۔"
 "کیا واقعی ایسا ہے؟" بہن کی آنکھوں میں جھرت تھی،
 جس کا سبب واضح تھا۔ شریو ڈاڈا پٹن سے وہ کچھ نہیں کہی
 جس کی عام طور پر اس کی عمر کی عورتیں ہوتی ہیں۔
 "وہ اتنی پیچور نہیں ہے۔ وہ اینٹر تھیں نہیں سے جس
 تم ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔" بہن نے اسے متنبہ کیا،
 لیکن وہ ایک لمحہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔
 "وہ میری سڑل ہے۔ اور بار بار دھوکا دینے کو پہلا چلا گیا
 ہوں۔" ارشد نے کہا اور اس کی بہن کا منہ سے اچکا کر دہ
 گئی۔
 چند روز بعد وہ سرخ گلاب ہاتھ میں لیے اپنے کھٹے پر
 بیٹھا بیڑی کو کوشا کی پیشکش کر رہا تھا۔
 "میں ہاں کر دی اور وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔
 "ہمارا ارادہ شادی کے بعد یورپ کو ہونے کا ہے۔" اس
 نے فون پر اپنے کر والوں کو مطلع کیا "میں ہم دور دیکھنا چاہتے
 ہیں۔"

وہ اور بیڑی دوم جانے کا پروگرام ترتیب دے رہے
 تھے لیکن پھر ارشد کے دوست اینڈرن نے مشورہ دیا کہ اگر
 وہ اپنی تیار کیا جاتا ہے تو بیڑی کا کراچ کرے۔
 ارشد تیار نہیں تھا کیونکہ وہ جنگ عظیم اول کے زمانے
 میں چھوٹے ہزار لڑ چکا تھا اور وہ یوں زیادہ خوش کوار
 نہیں تھا لیکن اینڈرن نے اپنے چادولی اسلوب میں تحریر
 کر دھکھکھک سے اسے قائل کر لیا کہ کر دنیا میں دیکھنے لائق
 اگر کوئی شہر ہے، تو وہ یہی ہے۔
 اس نے لکھا "اپنا ہنگامہ نہیں، جتنا تم خیال کر سکتے
 ہو۔ پھر ادب سے ادب تمام بڑے لوگ پہنچتے ہیں۔ میرا
 یقین رکھو، تم جیسے نوجوان نگاری کے لیے یہ بہترین مقام
 ہے۔"
 3 ستمبر 1921ء کو جب ارشد اور بیڑی کی شادی
 ہوئی، وہ یہیں جانے کے منصوبہ پر کچھ فیصلہ کر چکے تھے۔
 شادی اس کے لیے خوش چلتی لائی۔ جلدی "ٹورٹو
 اسرار" نے اسے فریگی بنا دیا۔ کھوئے کے طور پر بلازم کر لیا۔
 اس نے آنکھوں میں پٹے بنائے ہیں کے لیے رخت پیوڑ
 بانو اٹھا، اپنی بیوی اپنی بچہ کے ساتھ، جو ارشد کے ساتھ
 پرم خوشی کی۔ اسے گھبراہٹ ہوئی کہ شادی کے بعد
 وہ جن ایڈرٹس میں رہے تھے، وہ خانا کھلتے اور تاریک
 تھا کیوں کہ یہیں جانے کا منصوبہ تھی۔ وہ اپنی اس
 جگہ کرتی چھوڑ دی۔
 اب وہ خوشیوں کے شہر کی جانب بڑھ رہے تھے، ایک
 دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے، جہاں شہرت اور کامیابی کی
 شہرہ تھی۔ اور اس وقت ارشد واقعی اپنی پہلی نوجوان بیوی کو
 چکا تھا۔

☆ ☆ ☆
 اینڈرن تھا۔ جس وقت وہ اپنی اس زمانے میں اتنا بہتر
 نہیں تھا۔ شہر میں ارشد کی بیوی جو اسے ایڈرٹس اور
 گھڑوں کی ملاقات ہوئی، جنہوں نے اس کے ادبی
 کیریئر کو آگے بڑھانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔
 چونکہ وہ ایک خوب لیاقت، مہموری آنکھوں والا وجہ
 نوجوان تھا، اس پر متنازعہ جنگ کا تجربہ بھی رکھتا تھا۔ اس لیے
 ادبی حلقوں میں اسے کوشش کوئی نہ تھی۔ وہ اپنی بیوی کے
 ساتھ ایک چھوٹے سے ایڈرٹس میں رہ کر تھا۔ اس نے
 ساتھ ادبی بیڈنگ میں ایک کر کے اپنے لیے تیار تھا جس
 کو دھکا کرتا تھا۔
 "میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے بڑے لوگوں کی رفاقت
 حاصل ہے۔" وہ اکثر سوچا کرتا تھا۔ اور وہ درست تھا، اسے کئی
 قدر لوگوں کی قوت حاصل تھی۔ یورپ میں جدیدیت کی تحریر
 چھاپنے والے کوئی کرڈو انجین تو اس پر خصوصی طور پر
 مہربان تھی۔
 دوسرے دوسرے اس کے خیالات گھڑوں انجین کے
 نظریات سے ہم آہنگ ہو گئے۔ اس نے ارشد کو کھلے دل
 "اکاروں اور لکھنویوں کے ایک گروہ سے متعارف کروایا،
 "میں گھڑوں" کہا کرتی تھی۔
 بعد میں اس نے ناول کی طرز پر فلم بندی جانے والی
 "The Sun Also Rises" میں اس ترکیب
 "گھڑوں" کو بیڑی کو پی سے برتا۔
 اس میں اس نے وہ پاکو سمیت یہیں میں تھیں کی قدر اور
 دوسرے بھی ملا۔
 ☆ ☆ ☆
 جب قسمت آپ کے ساتھ ہو تو آپ کے پسندیدہ افراد
 ان لوگوں آپ کی جانب کھینچے چلے آتے ہیں۔ اور میرا ایسا ہی
 ارشد کے ساتھ تھا۔
 یہ 1922ء کا ذکر ہے۔ ایک روز اٹھارہ طور پر اس کی
 ملاقات معروف امریکی شاعر ایڈرٹس ڈاڈا سے ہوئی، جو انجین
 کے نظریے کا کافی تصور کیا جاتا تھا۔ جلدی ان میں کا ڈی
 گئی کی۔ انجین نے ساتھ ساتھ کافی کامیاب دور کیا۔ ان کے
 گھر بھی قریب قریب تھے۔
 ایڈرٹس انجین ارشد کی ملاقات کا معترف تھا۔ اسی
 اس کی ملاقات معروف آئرش ادیب، مہمور جو اس سے
 لڑا۔
 ان ہی دنوں جیمز کاشرہ آفاق ناول Ulysses شائع
 ہوا تھا جس میں اس نے اپنی عائد کردہ کی گئی تھی، جس کا
 فلسفہ کو بہت قریب تھا۔ اس نے ٹورٹو میں تھا اپنے دوستوں
 "ہمارے ایڈرٹس اور غیرت کا فونو پر اس ناول کو کامیاب بنانے کا
 "اکارہ کر دیا۔
 جب ارشد نے جیمز کو اپنے کارنامے سے آگاہ کیا،
 اس کی آنکھیں خوشی سے دھک اٹھیں۔ اس دن اپنے کے بعد ان
 دنوں میں گھر کی دوستی ہو گئی۔ بعد میں ارشد نے اپنی
 "ایڈرٹس" میں جیمز جیمز جو اس سے ہونے والی یادگار
 "نول" کا پسندیدہ ذکر کیا۔
 ادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ وہ سماجی سرگرمیوں میں
 بھی غاصا فعال رہا۔ یہیں میں قیام کے ابتدائی 20 دنوں میں
 "ٹورٹو اسرار" کے لیے 188 اسطورہ لکھیں۔ کئی اہم

واقعات کی رچ رچنگ کی جس سے یہ طور صحافی اس کی شہرت
 میں اضافہ ہوا۔
 اس نے انجین کا بھی دورہ کیا جہاں اس نے پہلی بار اٹل
 ٹانگ کا قلابہ دیکھا جس نے اسے بہت کر دیا اور اس نے
 فیصلہ کر لیا کہ وہ ایک دن ان میں موضوع ضرور لکھے گا۔
 اپنی بیوی کی بیٹی سے اس کے تعلقات مثالی تھے۔ اس
 عرصے میں اس کے درمیان صرف ایک بار جھگڑا ہوا جب
 دوران سفر بیڑی ایک ایسا سوٹ کیم کمر لکھتی جس میں
 ارشد کے سوسد تھے۔
 "مہمور میں ارشد نے ایک بار پھر ٹورٹو جانے کا سوچا
 کہ وہ دوسرے دوسرے میں اسے سوٹ بڑھاتا۔
 ☆ ☆ ☆
 ٹورٹو منتقل ہونے کے بعد اکتوبر 1923ء و قدرت نے
 ارشد کا دامن خوشیوں سے بھر دیا۔ اس کے گھر میں پیدا ہوا
 تھا جس کا نام اس نے بیڈر لکھا۔
 وہ اپنے باپ کی مانند یہی کی بیڑی پر بگڑ جانے کا
 خواہش مند تھا لیکن اس کا آہنی شراوک پارک تو نہیں تھا
 ٹورٹو تھا وہاں ارادہ ہلتی کر دیا۔
 اس کے باپ بیٹے کی خوشی ہی نہیں سنبھال پار ہوا تھا کہ
 اسے ایک اور خوش خبری ملی تھی کہ فریمو جو کئی میں یہیں سے
 اس کی پہلی کتاب Ten and Three Stories and Poems
 شائع ہو گئی اور اسے بہت کامیاب ملا تھا۔ یہ
 کتاب اتنی پسند کی کہ جلدی پبلشرز کو اس کا دوسرا ایڈیشن
 لانے پڑا۔
 جب بیڈر میں مہمور تو ٹورٹو میں مہمور ارشد کو
 خوشیوں کا شہرہ دے گا۔
 اس نے خود سے کہا۔ "میرے دوست اینڈرن تم
 درست تھے، یہیں ہی رہنے کے لیے انکلیتا شہر ہے۔"
 چونکہ وہ ایک مہمور شخص تھا اس لیے اس کے حراج
 میں بھی نہ ہر کی گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں اس کے اور اخبار
 کے ایڈیٹر کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ اسے اخبار
 نامی میں ہو کر اپنی جگہ سے دیا گیا، لیکن اسے قبول نہیں کیا
 گیا، کیونکہ اخبار کی انتظامیہ ایک انجینر سے ہونے ادیب کو
 اپنے اخبار سے وابستہ رکھنے میں خصوصی دیکھی رہتی۔ نتیجتاً
 اسے اختلافات کے باوجود وہ 1924ء تک "ٹورٹو اسرار" کے
 لیے لکھتا رہا۔ اس کی تحریر "ڈنٹ لائن ٹورٹو" کے عنوان سے
 شائع ہوئی تھی۔
 اسکے برس اس کا انسانی وجود In Our Time

منظر عام پر آیا۔ یہ امریکا میں شائع ہونے والی اس کی پہلی کتاب تھی۔ وہ اس شخص میں تذبذب کا شکار تھا جس کا اظہار کھلیے جگہوں اور دوستوں سے رنجشوں کی صورت بھی ہوا۔ دراصل اس کا خیال تھا کہ اس نے داس کے کام کو پسند نہیں کریں گے لیکن اس کے اندیشوں کے برعکس اس مجوسے میں شامل کتابوں کو بہت سراہا گیا۔ خصوصاً اسے اسلوب کی بہت تعریف ہوئی۔

اس مجوسے میں اس کی شہرہ آفاق کہانی *Indian Camp* بھی شامل تھی۔ ایک کہانی *Two-Hearted River* کو بھی بہت پسند کیا گیا۔ انفرض وہ تیزی سے کامیابی کی میزبیاں چڑھا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆ وہ ایک صحافی تھا، افسانہ نگار تھا اور خوش خرم زندگی گزار رہا تھا، لیکن جیتنا اس نے تاحال خود کو دریافت نہیں کیا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا اسل میڈان تو بڑا بڑا ٹکڑی ہے، تاہم قدرت نے یہ پتا اس تک پہنچانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ اپنے افسانے کو جسے اس کی اشاعت سے چند ماہ پہلے اس کی معروف ادیب ایف اسکاٹ فوئر لڈ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور یہ اسکاٹ ہی قاصد کے توسط قدرت نے اُسے ناول نگار بننے کا پتہ دیا۔

The Great Gatsby کا ناول اسکاٹ کا شائع ہوا تھا جسے پڑھنا ارث کے لیے ناقابل یقین تجربہ ثابت ہوا۔ ایک بار جب اس نے کتاب اٹھائی تو ختم کرنے کے بعد ہی گئی۔

”اب میں بھی ناول لکھوں گا؟“ اس کے الفاظ تھے، اس کا جواب تھا، جس نے اُسے کے مستقبل کی راہ روشن کر دی۔ اس زمانے میں وہ *The Sun Also Rises* کا کام کر رہا تھا جو بنیادی طور پر اس کی یادداشتیں ہیں جنہیں ناول کے طرز پر بیان کرنے کا فیصلہ اس نے اسکاٹ سے مشورے پر لکھا تھا۔ یہ ناول اس کی آخری شے تھی جو اس نے شائع کی تھی۔ وہ اپنے پلانے کے دوران طویل مہینے کے طور پر مسودوں کا مطالعہ کرتے۔

اس عرصے میں وہ خوب گھبرا ہوا۔ اس نے دوستوں کے ساتھ جی ٹی امک کا دورہ کیا۔ ان کی سابی اور ادبی سرگرمیوں کے طفل اس کی 1925ء میں پائین فیر سے ملاقات ہوئی جو چیلڈر اس کے ملتے میں شامل ہوئی۔ پائین ایک فیشن پرور زندگی جس نے ابتدائی ملاقاتوں ہی میں اسے اپنا کردار دیکھنا چاہا تھا۔

جن دونوں وہ اپنی اپنی کتاب کی اشاعت کے لیے بھاگ دوڑ کر رہا تھا، اسے شرت سے یہ محسوس ہونے لگا کہ اس صورت سے محبت کرنے لگے۔

بالآخر اکتوبر 1926ء میں اس کا ناول *The Sun Also Rises* شائع ہو گیا جس کا موضوع اسپین اور ہیرس میں پیٹم امریکیوں کے کردہ تھے۔ یہ بھی شرت کے کردار تھے جن کے کشیدہ پیرسوں میں اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ وہی ”مگر شدہ نسل“ جن کے خیالات نے اس پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

تاقین نے پہلی جنگ عظیم کے بعد حقیقت کے جانے والے عالم میں اس ناول کو کھلی تر ادبی اور بیرونی ارث کا ایک کامیاب ناول کہہ دینے کا پتہ چانچا ہو گیا۔

☆ ☆ ☆ جب وہ اس ناول کی شرت سے لطف اندوز ہو رہا تھا، پائین اس کی تجویز اس کے پہلو میں تھی۔ وہ دیر سے چھپنے چلائے محبت کے مراحل طے کر رہے تھے لیکن وہ یقیناً تین ماہ، اس کا دلکھ چھپانے میں بیٹھا تھا۔ بالآخر اس کی بیوی ہینری کو اس کے کاموں کا پتا چل گیا تھا۔

اُسے شک تو تھا جس کا وہ کئی بار وہ دے دینے لفظوں میں اظہار بھی کر چکا تھا، ایک آدھ بار دونوں کے درمیان شرت بھڑا بھی ہوئی۔

یوں دونوں کے رشتے میں سرد مہری درآئی جس نے حساس طبیعت ارث کو گہرے غم سے دوچار کر دیا لیکن وہ اس معاملے میں بھوکھم کو نہیں ملتا تھا۔ وہ محبت کے باوجود مجبور تھا۔

ہینری ایک شریف عورت تھی، اس لیے اس نے کوئی انتہائی قدم اٹھانے کے بجائے ارث سے درخواست کی کہ وہ اسے طلاق دے دے۔

”جسے بے رحم اچھی یادوں کے ساتھ اگک ہو جائیں۔“ اس نے کہا۔ جب ارث نے ہینری کے یہ الفاظ سنے وہ کہنے میں آگیا۔ ”تو کب وہ دے دے گا؟“ اس کا مرکب ہوا تھا اور اس کی توجہ کارمکر پائین کی تھی لیکن وہ تاحال ہینری سے محبت کرتا تھا، وہ مجبوراً انہیں چاہتا تھا۔

بہت سوچ بچار کے بعد ارث نے اپنی بیوی سے درخواست کی کہ وہ ناول کی تصویر کے مراحل طے ہونے تک انتظار کرے۔ ہینری نے یہ درخواست قبول کر لی۔ بالآخر

1927ء میں اُن میں طلاق ہو گئی۔

اس دانستنے سے اسے رنجیدہ کر دیا تھا کیونکہ ہینری اور اس نے خاصاً خاص محبت ساتھ کر رہا تھا۔ ادبی اور ادبی دنیا کے لیے اس نے نورانی اپنی محبوب پائین سے شادی کر لی۔

اس کی دوسری بیوی پائین ایک امیر کیتھک خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے عہد کدراج تھے۔ اُس نے کچھ اپنی محبت اور کچھ اپنے دلالے سے ارث کو کبھی اپنے نظریات میں رنگ دیا تھا۔ شادی سے قبل وہ ہی طرح کیٹھک ازم قبول کر چکا تھا۔

زندگی اپنی دیگر برائیوں جیسی وہ بیوی کے ساتھ بہت خوش تھا اور اپنے نئے افسانوں کو جسے اس کی تیاری میں جانا ہوا تھا۔ بالآخر اکتوبر 1927ء میں یہ مجموعہ *Men Without Women* شائع ہو گیا۔ تو خ کے تین کتابچے

اسے بہت پسند کیا گیا۔ خصوصاً مجوسے میں شامل کہانی *The Killers* کو بہت سراہا گیا۔

”مبارک ہو جان، ہم تیزی سے کامیابی کی میزبیاں چڑھا رہے ہو۔“ ایک روز پائین نے اُس سے کہا۔

ارث مسکرا دیا۔ ”بے شک تمہاری اپنی وجہ سے ممکن ہوا ہے، تم میری لیے خوش بختی سے کر آئی ہو۔“ اُس نے کہا۔

ارث اس لیے اس کی روح میں بیوست خوشی کی خواہش طرز پر مکرانی کیونکہ وہ مستقبل سے واقف تھی، جانتی تھی کہ جلد ہی اس کی تجویز پائین سے وہ خوش بختی کی علامت سمجھ رہا ہے، اُس کے لیے دکھ کا باعث بنے والی ہے۔

☆ ☆ ☆ پائین ماحولی اور خواہش مند تھی کہ وہ دونوں امریکا میں اُس کے بانی خصوصاً رہیں۔ ”میں چاہتی ہوں کہ کبیرہ ایچ پیرامی میں پیدا ہوں۔“ اس نے کہا۔

اپنی بیوی کی خوشی کے لیے ارث باہل خواہش 1928ء میں ہیرس سے فلوریڈا منتقل ہو گیا لیکن وہ اپنے ساتھ ایک ذہنی اہلکار لایا، اُن کا نام؟

جس میں ہیرس میں اپنے مکان کے باہر دم میں اُس نے گہری دریاں بنائی تھیں جس نے اس کے ہاتھ پر آفت ٹپانے لگا۔ اس ذہنی اس کا رویہ بھی تبدیل کر دیا۔ اور وہ ساری زندگی مختلف افراد کی جانب سے اس ذہنی کی بات ماننے والے سوالات پر بڑے ہی بھڑکے دھک سے نظر انداز کر رہی تھی لفظ نگاہ سے دیکھا جائے تو خیال

غالب ہے کہ اس چٹ نے اس کے ذہن پر سختی اثرات مرتب کیے تھے جس کی وجہ سے اس کا سوچ میں بگاڑ آ گیا۔ تجربہ کار کچھ پھوڑنے پر وہ بہت غمخوار تھا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ بارہ مئی کی شہر میں نہیں رہے گا۔

☆ ☆ ☆ 1928ء نے ارث کی زندگی پر عجیب نقش چھوڑا۔ اس برس کے وسط میں اُسے ایک بڑی خوشخبری ملی۔ 28 جنوری کو روز جب یہ جڑواں کسان میں پیٹم تھا، پائین نے ایک بچے کو جنم دیا جس کا نام میٹرک رکھا گیا۔ بچے کی پیدائش بہت ہی مختصر مدت میں ہوئی تھی۔ ایک وقت تو ایسا آیا، جب ارث کو لگنے لگا کہ وہ اپنے بیٹے اور بیوی کو دونوں کو گھوڑے گا۔ تاہم جب یہ مرحلے طے ہو گیا، اُس نے سکون کا سانس لیا۔

”ایک روز میں اس بچہ کی صورت حال کو، اس صلح تجزیے کو اپنی تحریروں کا حصہ بناؤں گا۔“ اس نے خود سے کہا۔ اور ایسا ہی ہوا۔

صفحات میں اس نے ان کرب ناک لمحات کو تفصیل سے بیان کیا۔

بچے کی پیدائش کے بعد یہ جڑواں بچہ چلا گیا۔ ارث بہت صبر بردار تھا لیکن جانتا تھا کہ اس کی روح میں بیوست بدبختی نے اپنی ابتدائی علامات کے اظہار کا فیصلہ کر لیا ہے۔

مبارک کے موسم میں اُس نے اطلاع ملی کہ اس کے باپ نے خودکشی کر لی ہے۔

”اس نے خود کو گولی مار کر زندگی کے بندھن سے آزادی حاصل کر لی۔“ موصول ہونے والے ناسی اس سطر نے اُسے غم کے دریا میں ڈھکیلا دیا۔

”دعا کیا؟“ اُس کے منہ سے نکلا۔

دراصل اس وقت پائین کے مرض میں جھلا ارث کا باپ شہرہ آلی مشکلات کا شکار تھا۔

اُس نے چند روز قبل اپنے باپ کو امیر ایک کھلا تھا جس میں اسے صحافی حوالے سے پریشان نہ ہونے کا پیغام دینے سے یقین دلایا تھا کہ جلد ہی مسائل حل ہو جائیں گے۔ ”تو میری گے کا قائل ہے؟“ یہ ارث کے تحریر کردہ خوشخبری آخری سطحی اور اسے یقین تھا کہ یہ خط لے کے بعد اس کے باپ کا دکھ کچھ کم ہو جائے گا لیکن خوش قسمت، وہ خط اس کے باپ کی خوشی

نے کہا "میں سمجھ سکتی ہوں اور یاد رکھوں، تم تمہارے ساتھ ہوں، زندگی سے ہر سڑ پر ہر سڑ پر، خود کو کام میں صرف کر دو، یوں تم اس کرب سے نکل آؤ گے۔"

ارنلڈ نے ایسا ہی کیا۔ وہ کلہا تھا کہ سیز پر بیٹھ گیا۔ 1940ء میں انجین کی خانہ دہی کے منصوبہ پر پھر کر وہ اس کا نول *For the bells tolls* For what the bells tolls بنایا۔ ہوا۔ یہ ناول حقیقی واقعات کے تاثر میں لکھا گیا تھا جس کا مرکزی کردار ایک امریکی فوجی وارنٹ جرنل تھا جو جری جنگ کی جانب سے ہسپانوی فوجوں سے لڑا ہوا تھا۔ چونکہ ارنلڈ ان گئے تھے امریکیوں میں سے تھا جو خاندانی کے اقتاد تک انجین میں موجود رہے، اس لیے اس نے اسے ناول میں اپنے مشاہدات و تجربات کا ایسا استخراج پیش کیا جسے شاید یاد کرنا آگیا۔ اس کتاب کے لیے وہ پانچ ہزار کے لیے نامزد بھی ہوا۔

"یہ ناول جنگ و س کی بہترین کاوش ہے!" ایک اخبار میں ترجمہ شائع ہوا۔ "جنگ و س نے جو نیا ت نگاری کا میدان مار لیا۔" ایک معروف نقاد نے خیال ظاہر کیا۔ اس قسم کے حوصلہ افزاء خراجوں نے اسے پہلے کا سوچ دیا لیکن یہ حاشیہ معاملہ تھا کیونکہ جلد دنیا ایک مغربی کی لیٹ میں آئی وہاں تھا، جلد دوسری جنگ عظیم شروع ہونے کو تھی۔

☆ ☆ ☆
ستمبر 1939ء میں نازی فوج نے پولینڈ پر حملہ کر دیا جس کے بعد دنیا دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ ایک پہلی جنگ عظیم کے ختم نہیں ہونے کے بعد اس حقیقت ارنلڈ کے سامنے ایک بار پھر اس قسم کی تھی۔

دسمبر 1941ء میں امریکانے اس جنگ میں شمولیت کا اعلان کر دیا اور اس اطلاع نے ارنلڈ میں سوئے سماں کو کچھ بگاڑ دیا۔ "مجھے یوں بات ہوگا۔" ایک روز اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ ہمارا جہاز خود بخود ایک ایبار سماں میں، ارنلڈ کی طبیعت سے اذیت تھی۔ گوکہ اسے خطرات کا اندازہ تھا لیکن اس نے اس فیصلے کی اکتاہٹ سے سب پرہیز۔ ان برسوں میں وہ ایک میگزین کے لیے یورپ میں جنگ کی رپورٹنگ کرتا رہا۔ اس بار بھی اس نے گوڈن کی بارش اور دھماکوں کی گونج میں زندگی کو کھٹے ہوئے، تڑپے ہوئے دیکھا۔ اس تجربے نے ایک طرح سے اسے زندگی

سے متفرک کر دیا۔ ان برسوں میں وہ لکھنے لکھانے سے بھی دور رہا۔ لیکن دوری کا یہ معاملہ نقاد اب اور زندگی ہی سے نہیں تھا، وہ دوسرے دوسرے اپنی بیوی مار تھا سے بھی دور ہوا تھا۔ اس کے درمیان دور دھری کی پیداوار شروع ہو گئی۔

مارتا کا خیال تھا کہ ارنلڈ کی صورت کے مشتق میں جیسا ہو گیا ہے اور یہ جنگ ہو گیا تھا۔ لیکن یہ تھا کہ اس کے زمانے کے زمانے میں ارنلڈ کی میری تھی اس کا سماں سے ملاقات ہوئی تھی۔ جلد ہی ان میں دوستی ہوئی، جس میں انیسیت کا رنگ ڈھانے میں زیادہ وقت بھی نہیں لگا۔

جب ہمارا کہی اطلاع ملی کہ اس کے شوہر اور میری کے درمیان جیسا ہی تعلقات ہو گئے ہیں، وہ ہنسے سے لال چلی ہوئی لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ یہ سب تو اسی کا کیا دھرا ہے۔

"نہ میں ارنلڈ کی زندگی میں آئی، نہ پالین کی شادی شدہ زندگی پر، دوستی۔ اب میں اپنی غلطیوں کا خزانہ بھگت رہی ہوں، میری غلطیوں کے ساتھ رہنا آسان نہیں۔" وہ جیجھی، وہ اپنی ارنلڈ کے ساتھ رہنا آسان نہیں تھا کیونکہ وہ اب بہت زیادہ وقتی خیال میں رہنے لگا تھا۔ زیادہ تر اب خاموش اور مضطرب رہتا تھا۔ وہ اکثر ماتھے پر آنے کے بعد گونجے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ ایک بار پھر عشق میں ناکام رہا۔ ایک بار پھر اسے کرب کا مذاق سہتا ڈرا۔ اور ایک بار پھر کرب سے نجات کے لیے اس نے وہی طریقہ اپنایا، جو باقی میں اپنایا تھا۔ اس نے 1946ء میں میری سے شادی کر لی۔ چوٹی شادی!

لیکن زندگی ڈگر پر آنے سے انکاری ہو گئی تھی۔ ان برسوں میں اسے سخت اور معاشی مسائل نے شدید پریشان رکھا۔

اور پھر... وہ ایک ہیماک کا کار حادثے میں اپنا گھنا کر ڈاڑھا۔ اس کے سر پر شدید جھٹ آئی۔ اس حادثے میں مارتا بھی شدید زخمی ہوئی۔ وہ کئی دنوں تک ناگ پر پلٹر چرمانے ہسپتال میں رہا اور وہ وہاں اسے سب پرہیز۔ ان اداس دنوں میں اسے اپنے کانوں میں عجیب و غریب سرگوشیاں سنائی دیتی رہیں جنہیں وہ سمجھنے سے قاصر رہا۔

وہ اپنے جیروں پر کڑا اور کیا تھم لکھ بھی دو بارہ سنبھال لیا تھا، میری کی سخت بات ہو گئی کہ لیکن غصے سے نہ تھا! اس کا پیچھا نہیں چڑھا تھا۔

1947ء میں اس کا بیٹا جیک ایک کار حادثے میں شدید زخمی ہو گیا... اس کے سر پر جھٹ آئی، میری جھٹ! باقی القدرت واقعات کے یقین رکھنے والے چند حلقوں کا دھڑکی ہے کہ جیک کے سر پر ٹھک اسی مقام پر جھٹ آئی تھی جہاں چند برس قبل ارنلڈ کے زخم آئے تھے۔ ان دنوں ایسا یہ غور نہ کر سکتے تھے۔ وہ کہیں بیٹھا نہیں ہو کر رہتا تھا، اسے اب اپنے دور دوستی میں یاد آتے جو ایک ایک کر کے کھانے کے دھڑکی سے دھمت ہو رہے تھے۔

اپنے دوستوں کی چھائی کے غم میں اس نے کثرت سے شراب پی کر شروع کر دی۔ وہ جام تھا سے غریب ہوتے سورج نکلنا کر رہتا تھا۔ یہ پیٹا مورتا کو طرح ایک ایک کر کے اس کے دوست دنیا سے چلے گئے، وہ بھی چلا جائے گا۔

حکلات کی طور کہ ہونے کو تار نہیں تھیں، وہ اصل میں وہ وقت تھا، جب بدلتی کے مغرب نے جو پیدائش سے اس کے ساتھ تھا، غروب پر آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے سر میں مستقل درد رہنے لگا تھا۔ جب دو کی شدت بڑھ جاتی، وہ ماتھے پر آنے سے زخمی کر دینے لگتا۔ وہ بلڈ پریشر کے کمر میں بھی جیسا تھا۔ اس کا سامنا اسے ذیابیطس کی بیماری بھی لاحق ہو گئی جس نے اسے توڑ دیا۔

"چوٹی شادی میرے لیے بدلتی کا پیٹا لائی۔" وہ اکثر سوچتا تھا۔

اولیٰ حوالے سے وہ شدید بے رحمی کا شکار تھا! 1946ء میں اس نے *The Garden of Eden* کتاب پر کام شروع کیا تھا جو ایک طویل منصوبہ تھا۔ اس نے اس کے کئی سوالات کو لکھ دیا۔ تھے۔ اس کے علاوہ جنگ کے بعد وہ ایک *Trilogy* (تثلیات) پر بھی کام کر رہا تھا جنہیں *The Sea Book* نامی ایک ناول کے طور پر شائع کروانا چاہتا تھا، تاہم بد قسمتی سے یہ ناول بھی ناکام ہو گیا۔ "اب میں جبر کشیں لکھتا۔" ایک روز اس نے رزمی ہوئی آواز میں خود کو کتاب کیا۔ 1948ء میں بائیں کا ہاتھ دردنا، جب اس نے اپنی دائیں کے ساتھ یورپ کا دورہ کیا اور وہاں میں قیام کیا۔ وہاں مقنن لڑنے کی قصداں سے دوستی سے پھر اس پر حملہ

کر دیا اور وہ ایک 19 سالہ لڑکی انگریزی کی محبت میں جیلا ہو گیا۔

یہ رشتہ بڑا ثابت نہیں ہوا۔ آخر خیر حینا نے باپ کی کمر کے فیصلے سے شغل لڑنے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتی تھی اور وہ ارنلڈ کو چھوڑ کر گئی۔ اس کی بہن سٹائی نے اسے بہت دکھ دیا لیکن ایک مٹی میں یہ سب وہاں اسے مسودہ ثابت ہوا تھی کہ اس نے ارنلڈ کو لکھنے کی تحریک سے بھرپور۔

اس ناکام محبت کو اس نے اپنے ناول *Across the River and Into the Trees* کا موضوع بنایا جو اس نے کیا بائیں قیام کے زمانے میں مکمل کیا تھا۔ یہ ناول بہت پسند کیا گیا جس کے بعد اس نے اپنے ناول *The Old Man and the Sea* پر کام شروع کیا۔

ناول مکمل کر کے جب اس نے مسودہ پیش کر کے حوالے کیا تو کہا "یہ میری ایک کتاب کی بہترین کاوش ہے!" وہ درست تھا، یہ مسودہ درست اس ناول نے باغی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے اور اسے ایک بین الاقوامی ادب تسلیم کر لیا گیا۔ 1952ء میں اسی ناول کے لیے اسے پانچ ہزار تھو بھی ملا۔

☆ ☆ ☆

اب وہ افریقا میں تھا، ایک ہمسایہ خٹلے میں جو اسے زخمی اور کٹے جھکات اور عجیب و غریب تھا تو اس کی وجہ سے دنیا بھر کی توجہ کا مرکز بنایا تھا۔

ارنلڈ کا خیال تھا کہ وہ جنگ عظیم دوم کے بعد جس آگاہ بہت اور جراتی کی لیٹ میں آ گیا تھا، اب اس سے نکل چکا ہے، جو محبت چھپا چھوڑ گئی ہے لیکن وہ غلط تھا۔ بد قسمتی تو اس کی جان کے لیے تھی۔

1954ء میں بد قسمتی نے دوبار اس وقت ارنلڈ پر حملہ کیا جب وہ اسی مطلق تھا۔ قصہ کچھ یوں کہ ارنلڈ نے جب اپنی بیوی کو کمرس کا قندروے کا فیصلہ کیا تو سوچا کہ کچھ ایسا کیا جائے جس سے ان کی درمیان سو جو سر دھری دم توڑ دے۔ سو اس نے ایک جہاز کی کمرس کر لیا جس میں وہ دونوں سوار ہو گئے۔ ان کی منزل سیکلین کوک کا خطہ تھا اور دوران سفر وہاں ان کے بارگرس انتہائی کی تصاویر انارنے کا پروگرام بارگرا تھا لیکن یہ سفر کی طور پر خیر آئیں رہا۔

ناطولم و جہا ت کی وجہ سے ایک دریان، جھاڑیوں سے بھرے علاقے میں جہاز کو کیش لینڈنگ کر پڑی۔ اس

حادثے میں مہیاں بیوی بچی طرح ڈچی ہو گئے اور کرس کا ٹھیکہ لایا۔ بین گیا۔
 ایک دو جب وہ پتھر پٹی بھلیات حاصل کرنے کے غرض سے لنگڑا کھر پٹھیں جانے کے لیے جہاز میں سوار ہوئے تو بڑے ہی آخر اسرار انداز میں جہاز میں دھا کا ہو گیا! دور کی جانب انھیں میں جواز ادرارست کے منتظر تھے، ان میں سے پتھر پٹھیں کی کراس حادثے میں اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر سے پوری دنیا شوش کاشک ہونے لگی۔ کسی جگہ سوگ منایا گیا۔

جب وہ چند روز بعد روضوں سے چورہ چھلدا ہوا ہاں پہنچا تو اسے بڑی مشکل سے سمجھا کر اور سحر...! کہنا پڑا کہ وہ دنیا کو طویل آباد دین کا کردہ زعمہ ہے۔
 ”میں ابھی زندہ ہوں، مجھے مارنے کی اتنی جلدی کیا ہے؟“ اس نے سسکراتے ہوئے سناٹوں سے کہا تھا، حالانکہ اس وقت وہ شدید کرب میں تھا۔

☆ ☆ ☆
 ہاں وہ زعمہ تھا اور گیسے کی کوششوں میں لگا تھا، لیکن حقیقت وہ اندر سے ٹوٹ گیا تھا۔ خوب اس کی پوری قوت سے جملہ کر جکی تھا، وہ روضوں سے چورہ چھلدا کر مسملانے کے لیے کثرت سے شراب نوشی کر رہا تھا جس کی وجہ سے ایک جانب جہاں اس کا جسم کھٹکا جا رہا تھا، وہیں اس کا ذہن بھی بڑی طرح متاثر ہوا تھا۔

حالات اسے بگڑ گئے کہ جب 1954ء میں اسے ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا، وہ یہ اعلیٰ ترین ایوارڈ وصول کرنے نہیں چاہا۔
 اس نے ایک بیان جاری کیا، جس میں کہا کہ اس وقت دینے ادب میں کئی ایسی شخصیات ہیں جن انعام کی اس سے زیادہ قدر دار ہیں، اس نے انھیں سے تعلق رکھنے والے پیوہر جاکا خصوصی طور پر ذکر کیا جو اس وقت بستر مرگ پر تھا۔
 ”البتہ میں اس اعزاز کے ساتھ دلہن والی رقم میں خاص دلچسپی رکھتا ہوں کیونکہ میرے حالات زیادہ اچھے نہیں۔“ اس نے سسکاتے ہوئے سناٹوں کو بتایا تھا۔

بعد میں کئی دوستوں نے یہ سوال کیا کہ وہ نوبل انعام وصول کرنے کے معاملے میں کیوں ہنس دیتے ہیں سے کام لے رہا ہے۔
 ”مجھے کبھی نہیں سکتا۔“ اس نے آسمان کو گودھرتے ہوئے جواب دیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور جام اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ دراصل کل جوغنائی کا عادت پٹیل آئے تھے، سناں کی

وجہ سے دنیا بھر میں میرے لیے ہمدردی پائی جاتی تھی۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمیشہ ہی ہمدردی کی وجہ سے دیا گیا ہے۔“ ایک خیالی ہے ایسی ہی کہ لغنائی کا حادثے میں اس کے ذہن میں یہ خوف تھا کہ شاید اس کا کردہ بھر ہوا کی جہاز میں سوار ہوا تو اس اہل برقا پائے گی۔

☆ ☆ ☆
 اگلے برک شراب نوشی کی وجہ سے اس کے گردے جواب دینے لگے۔ محفلین نے اسے سمجھ کر کیا کہ اگر وہ شراب پیتا رہا تو وقت سے پہلے ہی قبر میں آتے جاتے گا لیکن اس نے ان کی رائے کو بہت پسند کر لیا۔
 بالآخر صحت یقین کر کے ایک بار پھر اس نے 1956ء میں یورپ سے لیے رخصت فرما دیا۔

جب خبر پھیلے ہوئے تھے کھانے کی کوشش کی، اس نے جواب دیا ”میں ویسے ہی موت کے قریب ہوں، اس خوف سے کہ اپنی خواہش ترک نہیں کر سکتا۔“

اسی نے انھیں کا دورہ کیا جس کا مقصد پیوہر جاکا ملاقات کی، ان کی ملاقات کے چند ہی روز بعد چورہ زدن کی کی بازی ہار گیا۔ جب ارست کو یہ اطلاع ملی، وہ گھر سے کرب میں چلا گیا۔
 ”مردجا، اچھے دوست تم مجھے گئے، ان دوستوں کے مانند جو مجھے پہرے پٹے ہیں۔“

اس سفر میں بھی وہ خامسا بار رہا۔ 1957ء میں وہ یکوا پہنچا، جہاں ادب و ادبیاتی قیام کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے کئی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ چونکہ انھیں کی خاندانی کے زمانے میں اس کے تعلقات اور بیوہ کا رشتے والے افراد سے استوار ہو گئے تھے، اس لیے وہ ایف بی آئی کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ امریکی حکومت کا خیال تھا کہ وہ یکوا یاں موجودگی روضوں سے رابطے میں ہے۔
 1959ء میں فیڈل کاسٹرو نے یکوا یاں انقلاب برپا کر دیا اور یگھائی حکومت قائم ہوئی۔

”فور اگامر کولٹ آؤ!“ اسے تار کے ذریعے دوستوں کا پیغام ملا جسے اس نے درخوار خاندانہ جاننا اور وہ سب میرے لیے کجبران کن اعلان کر دیا۔ اس فیڈل نے ایف بی آئی کو چلوایا اور انھیں یقین ہو گیا کہ انھیں اس سے اس کے روبرو ایک حقیقت ہے۔
 گودھرو امریکی تھا، تاہم انھائی نے اسے کوئی تکلف نہیں پہنچائی۔ دراصل وہ کسی زمانے میں فیڈل کاسٹرو کے حق میں بیانات دے چکا تھا جس کی وجہ سے اسے انقلاب کا حامی

تصور کیا جا رہا تھا۔

1960ء میں اس نے یکوا یاں چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا جس کا سبب یہ تھا کہ فیڈل کی گرفتار اور دیگر ملک سے تعلق رکھنے والے افراد کی ملکیت کو قزما لے پالیسی کا اعلان کرنے والا ہے۔
 یہ ایک طرز کی ہجرت تھی جس میں اس کے کسی دوستے ضابط ہو گئے جس کا اسے آنے والے برسوں میں شدید تعلق رہا۔

☆ ☆ ☆
 اس کی بے ریاست ایڈیو کے علاقے تک کچھ کم کرنا ممکن بنایا۔ جب وہ مقام تھا جہاں اس کے سڑک بھر پور زندگی کا بڑے ہی محو سے ڈھکے سے اختتام ہو رہا تھا۔
 اس نے کل فائننگ کے متعلق ایک ناول لکھا تھا جسے وہ اپنا ماسٹر پیس خیال کرتا تھا۔

یہ میرا سب سے کامیاب ناول ثابت ہو گیا۔“ وہ اکثر اپنی بیوی سے کہتا تھا کہ میں بیوی سے کہی کوئی بلیش اسے چماپنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ دراصل یکوا یاں قیام کے کیلئے اس نے اس کی ہجرت کو خاصا نقصان پہنچایا تھا۔
 ناول کی اشاعت کے لیے اسے اپنی بیوی کے دوست ول ٹانگ کی منت ساجت کرنا پڑی جو لائف میگزین کا چیور چیف تھا۔

وہ عجیب و غریب حال تھا کہ نوبل انعام یافتہ، دنیا بھر میں معروف ادیب ارست ٹینگ وے اپنی آخری اشاعت کے لیے ایک بلیش سے کچھ پیچھے کے سامنے کوڑا کر رہا تھا۔ خبر، اس کا کہانی کا پہلا حصہ میگزین میں شائع ہوا لیکن اس طرز پر اسے چھاپا گیا تھا، اس سے ارست خیر نہیں تھا۔ اس نے ول ٹانگ سے خامسا ٹنگا لیا۔ جب میری نے اسے کھانے کی کوشش کی وہ اسے بھی اچھ پڑا۔

”اس کی حلیات میں گورہ، مجھے پتے تھے تمہارے اس سے کس قسم کے تعلقات ہیں۔“ اس نے ٹنگ آڑتے ہوئے کہا۔

جس حیران رونگھی وہ سورج بھی نہیں سکتی تھی کہ ارست کی دلی حالت ابھی کتنی ہی ہے، وہ دراصل دو دروزج ہو گیا تھا۔ بلوہر پتھر اور میری کی بیوی نے ان سے عروہ پڑائی تھی۔
 ایسے میں اس نے الیٹروکولن سورفرائی (ECT) کروانے کا ارادہ کر لیا، جسے اس نے فول کیا اور پھر رومی کے آخر دن تک وہ ان شخص کو سوتا رہا۔
 وہ ناخوش کیا کا کھار ہو گیا تھا، یادداشت بھی ساتھ چھوڑ

دیتی تھی، وزن کھٹ رہا تھا، وہ قزما لے پالیسی کو اس کا سبب قرار دیتا تھا۔ وہ چڑچڑا ہوا ہو گیا۔ ہر شخص سے لباس لوٹ پڑنے کی عادت اور انھیں کربا رہا تھا اور مادی بھلیات کے لیے دوسروں ہوتے گئے۔

اس کے اور میری کے اہم لافات بھی عروہ پڑتی گئے تھے، پھر اسے مالی پریشانیوں نے کسی گھبر کا تھا۔ وہ وقت پر عادت اور انھیں کربا رہا تھا اور مادی بھلیات کے لیے دوسروں کا کٹنا ہو گیا تھا۔

ایسے میں، جب وہ جام ہاتھ میں لیے اپنے کمرے کی کڑی میں بیٹھا ہوتا، کوئی اس کے کان میں سرشاراں کرنا، ایک پیغام دیتا، اپنا بیاضا مجھے اس کا وہ طور پر بگڑھٹا تھا!! ☆ ☆ ☆

یہ 1961ء کا ذکر ہے! ایک جج ججٹے کی تیاری کے ارادے سے میری کچن میں داخل ہوئی، وہاں ایک ایسا سطر اس کا ششورہ تھا جس اس کے منہ بڑا دینے۔
 اس نے دیکھا، اس کا خدشہ حال شرارت من ہاتھ میں لیے کمرے سے۔

اس کا چہرہ بے تاثر تھا اور میری کے لیے بے سمجھ پاتا مشکل تھا کہ اس کے ارادے کیا ہیں۔ آیا وہ خود کو ہلاک کرنا چاہتا ہے یا اپنی بیوی کو دھسے وہ علی الاعلان اپنی مقصدوں سے سبب قرار دینے لگا تھا۔

وہ چند ساعت کڑی اسے کچلی رہی۔ پھر اسے بیوی بڑی جوت سے ارست کا شہرہ شروع کیا، بلی ڈی۔ اس کی کوشش کامیاب رہی۔ اس نے شربت میں شربت میں ایک جانب رکھ دی لیکن اس کا چہرہ اسے تاریخی رہا۔ وہ دماغی زندگی سے اوج چکا تھا۔

اسے اسپتال میں داخل کر دیا گیا جہاں اس کی شک فریڈنٹن کی گئی۔ 30 روز کو اسے اسپتال سے پھینک دیا۔ طبی ادارے نے اسے دوران علاج اس کی برکھری نظر دی گئی۔ اس کا اندازہ تھا کہ اس کا وہ دوبارہ اس قسم کی حرکت نہیں کرے گا، لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ سموت تاحال اس کے کان میں سرگرمیاں کر رہی تھیں۔

اس وقت وہ 61 برس کا تھا اور اپنی سالگرہ سے چند ہفتوں کی دوری پر تھا۔ احباب اس کے لیے شان دار تقریب کا اہتمام کرنے کا فیصلہ کیا، تا کہ اسے ریاست سے اپارلے میں اسے مدد کیل لیکن اس کی منصوبہ بھی پانچ بجھل نہیں کچھ کچھ۔

زوراندی

مریم کے خاتم

انسان اگر تہذیب سے عاری بنے تو حیوان کہلاتا ہے، حیوانیت اس پر سوار ہو جاتی ہے، وہ ظلم و جبر کی آخری حدود پر پہنچ جاتا ہے، یہی کچھ ان کے ساتھ بھی ہوا۔ وہ چرواہے تھے، بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ گلہ بانی کرتے کرتے ان کے سر میں جہاں بانی کا سودا سمایا اور وہ چیپٹ جھاگتے قہر بن کر دیگر اقوام پر نوث پڑے۔ گرم لڑہ کی طرح دنیا کو جلاتے، جہابی پھیلاتے آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔ ان کی خون انشامی کے قہقے آج بھی لڑا دینے کو کافی ہیں۔



ایک جہلم شہر کی تاریخی سرگشت و گشت و گشت

ان کے لیے آسمان ہی چھت تھی۔ ان کے کزور جنموں کی زمینیں موسم کی کئی کوئیں سہا رنگ تھیں۔ اس کے باوجود وہ زندہ تھے اور طاقت ور تھے۔ اسے وہ آسمان کی مہربانی سمجھتے تھے اس لیے وہ آسمان کو خدا کے روپ میں دیکھتے تھے اور اپنے اور پھر ان کی چھت کو بظا جادوانی آسمان کہتے تھے۔ حوالہ کوئی کے آس پاس بسنے والے جو دہائے قریب کا مذہب غیر رواج تھا۔ وہ آسمان کو اپنا خدا تو سمجھتے لیکن ان میں مذہبی رسومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ان کی طرح ان کا مذہب بھی غیر متقدم اور سادہ تھا۔ وہ وسیع درمیں جا گہاں میں اپنے جادوروں کے ساتھ رہتے تھے اور جنموں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ ان میں پیدا ہوتے اور ان میں ہی مر جاتے تھے۔ وہ

جادوئی قرار دے دیا جائے، لیکن عام لوگوں میں یہ خیال رائج تھا کہ اس نے خود ہی مٹی کی ہے۔

ایک جانب جہاں ارشد کی موت کا سبب اور بدو ماسے جڑا جاتا ہے، دوسری جانب مٹی میں ہرین کا خیال مختلف تھا۔ ان کے مطابق آخری دنوں میں ارشد میں وہی علامات ظاہر ہونے لگی تھیں جو خود کسی سے ملے اس کے باپ میں ظاہر ہوئی تھیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا باپ گہرے سرخ ہیمک و س hemochromatosis نامی مرض میں مبتلا تھا اور یہ بیماری ارشد کو وراثت میں ملی تھی۔ یہ بیماری ایک طرح کا "سورن" ہے جس کی وجہ سے کم میں آئرن کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

لیکن بعد 1991ء میں سامنے آنے والی حقیقت سے یہ رائج ہو گیا کہ ارشد واقعی اس مرض کا شکار تھا۔ یاد ہے کہ اس کی بین املا اور اس کے بھائی لہجہ نے بھی خود کسی کی مٹی میں کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہی مرض وراثت میں انھیں مل گیا تھا۔ ارشد ہیمک و س کی موت کی ایک بات بحث جاری ہے لیکن ایک بات ملے۔ یہ کہ وہ دنیا کا بدبخت ترین خوش قسمت تھا۔

ایک جانب جہاں اس نے عزت و شہرت اور دولت حاصل کی، دوسری جانب اس کی موت کا کیا، سماجی برائیوں میں گہرا مارا۔ چار شاہیاں تھیں، چاروں ناکام رہیں، شقیں کیا، جہر کا کرب سہا، بار بار خود کو موت کے حوالے کر دیا۔

کوہ اس کی موت متاثر ہے، تاہم پوری دنیا اس بات پر متفق ہے کہ وہ بین مریض کا تھم ترین شہر کا تھم تھا جس کے اسلوب نے ایک عہد کو متاثر کیا۔ اس نے ساحت کے میدان میں بھی نئی تاریخ رقم کی۔ تو بنی انعام حاصل کرنے والے اس ادیب کی زندگی میں اس کے سات شاہکار ناول اور افسانوں کے چند مجموعے پھر عام پڑے۔ موت کے بعد شائع ہونے والے ناول کی تعداد میں گہرے

افسانوی مجموعوں کی تعداد چار ہے۔ "نات عشق" کتابوں کی تعداد پانچ ہے جن میں ہیمک و س کے اچھوتے اسلوب کی وجہ سے ادبی حیثیت حاصل ہوئی۔ یوں تو اس کے ناول The Old Man and the Sea کو گہرے ہی ادیب میں سلاسیک کا درجہ حاصل ہے، جس کی وجہ سے اسے ادبی دنیا کا یادگار بنا دیا۔

☆☆☆

(اختلاف: دو پڑا بی بی کی پیدائش کی خبر پر)

آخر کار 2 جولائی کی صبح طلوع ہوئی۔ یہ وہی صبح جس میں عالمی ادب کا سب سے بڑی ٹریڈ کی ختم کیا اور کہانیاں منٹے والا اپنے پیچھے ایک تیز دستان چھوڑ گیا۔

☆☆☆

ارشد ہیمک و س، اگر بڑی زبان کا مایہ ناز ادیب مگر تھا اور اس کے چاہنے والوں میں، لیکن ماہرین میں یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ اس نے خود کسی کی مٹی کی ایک خیال میں یہ تھا کہ گہرے سرخ و س اور سماجی برائیوں نے اسے تو دنیا کا تھم سے جان چھڑانے کے لیے اس نے خود کو موت کے حوالے کر دیا۔

تاہم پراسرار قوتوں پر یقین رکھنے والے عقلمندوں جو نظریہ قبول ہوا، وہ خود سے تھا کہ ظاہر یہ تھا۔ آئیپ اور بدو ماسے پر یقین رکھنے والوں نے ارشد ہیمک و س کے مسئلے میں یہ خیال پیش کیا کہ یہ صرف اس کا باپ، بلکہ اس کے اجداد میں بھی کسی لوگ آئیپ اور بدو ماسے کے زیر اثر رہے تھے اور انہوں نے زندگی کے مختلف حصوں میں خود کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ سب سے بڑی مثال ارشد کا باپ تھا جس نے ایک شہر کے کے دوسرے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا جس کی بوجہ ہارنے سے تھکی گئی۔

باقی القدر قوتوں پر یقین رکھنے والے اس ضمن میں ارشد کی اولاد کی مثال بھی پیش کرتے ہیں جن کی زندگی میں ادب جانے، انکا جانے کی علامات ظاہر ہوئیں لیکن انہوں نے کسی نہ کسی طرح اس پر قابو پایا۔ واضح رہے کہ ارشد کی پوری تاریخ ہیمک و س سے بھی جڑا ہوا آکا رہ اور ناول بھی، ایک اثر و پس یہ تھا "میرے کانوں میں عجیب و غریب سرگشتیں ہوتی ہیں اور چند تو میں مجھے موت قبول کرنے کے چہنماں دیتی ہیں۔"

ایسی مسئلے سے نبرد آزما ہونے کے لیے اس نے یوگا شروع کر دیا۔

مارکیٹ ہیمک و س کی کہانی پراسرار قوتوں پر یقین رکھنے والوں کے نظریات کو کھانا سہارا دیتی ہے۔ یاد ہے کہ ارشد نے 2 جولائی کو خود کسی کی مٹی اور 1996ء میں یکم جولائی کو بھی اپنے دادا کی مری والے دن سے ایک روز قبل مارکیٹ پراسرار حالات میں مردہ پائی گئی۔ بعد میں پوسٹ مارٹم سے پتا چلا کہ اس کے جسم میں تشدد اور وہی بڑی مقدار میں موجود تھیں۔

ہیمک و س خاندان سے بھرپور کوشش کی کہ اس موت کو

کھال، پوتین اور اون سے بنے لباس پہننے سے اور ان کی زندگی کا بیشتر حصہ کھوٹی کے پشت پر گزر رہا تھا۔ وہ بہت سادہ خوراک کھاتے تھے۔ گوشت اور دودھ ان کی مرغوب غذا تھی۔ کھوٹی کے دودھ کو مڑا کر وہ اس سے ایک خاص مشروب تیار کرتے تھے۔ البتہ شراب نوشی میں وہ کسی طرح باقی متحمل نہ بناسے کہ نہیں تھے۔

بعد دو بڑے کام تھے۔ اس میں ایک چین یا وسط ایشیا کا مسافر
 کبھی ناکام ہے۔ چین کے صوبے کینگ کا (مابقی
 ترکستان) سے شروع ہونے والا سفر ازراہ ریل سے زیادہ
 پیچیدہ ہے اور اس کی چوڑائی چار سو میل سے کم نہیں ہے۔ اس
 سفر میں صحرا کا ایک پاکستان سے گزرنے والا سفر ہے۔
 چین کے مغرب میں گزرنے والے درجے سے چھوٹے کوئی
 کہلاتا ہے۔ یہ دنیا کا واحد صحرا ہے جو بیضی مقامات سے ترہ
 چاروں طرف سے بند ہو جاتا ہے اور یہاں سرسوں میں درجہ
 حرارت گر کر تھیں سی ڈگری سیلزیس کی گریڈ تک چلا جاتا ہے۔ یہی
 صحرا وسط ایشیا کے مسافر دو جان، دو گوبانوں والے اونٹ کا گھر
 ہے۔ کیونکہ عام اونٹ کے ساتھ ساتھ یہ دو گوبانوں والے اونٹ
 بھی (بڑے زار اور بڑے کشتے) ہیں۔

یہاں مستقل آباد ہوئے تب بھی انہوں نے اپنے خانہ بدوش
زندگی کی کوئیں چھوڑا تھا۔ وہ جنموں میں رہتے تھے اور سارا
دنوی بسر کرتے تھے۔ یہاں زرعی آسان نہیں کیونکہ سال
بھر کا پھنسے کے لیے زمین برف سے ڈھک جاتی تھی
اور ان کے کھانے کے لیے ہیز کا ایک بڑا ذخیرہ بھی نہیں
ہوا تھا۔ ان میں تجارت کا کوئی دوسرا ذریعہ تھا۔ اس وجہ سے
تو قریب بہت بڑی تعداد میں اپنے خانہ بدوش پر مجبور ہو
جاتے تھے۔ ان دنوں کا گوشت کسکا کر چھوڑ لیتے تھے۔ ان
کے چربی سے اپنے جماروں کو کرتے تھے اور ان کی کھال
مختلف قسم میں استعمال کرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ
یہاں خوش تھے۔

حدیث پاک

”جب لوگوں کا حال اچانک بد ہو جائے تو وہ پرانی دیکھیں اور اسے روکنے کی کوشش نہ کریں، خاص کر قلم کرنے والے ہوں۔ پائیں اور اس کا ہاتھ نہ ہلان۔ تو خیر ہے کہ اللہ اپنے غضب میں سب کو پھینکے۔ خدا کی قسم تم کو لازم ہے کہ بھلائی کا کام دو اور پرانی سے روکنا نہ اندھ کر پرائے لوگوں کو مسلط کروے گا جو تم میں سب سے ہتر ہے اور تم کو ختم و خفایت تکلیف دیں گے۔ ہر آدمی کو لوگ خدا سے دعا ہیں اچھیں سے مگر وہ قبول نہ ہوں گی۔“

پوری بے جگری کے مقابلہ کرتے تھے مگر جب بیانی بدلتی چلا وہ یہ نہیں منتقل کیا ہوا تو نے ان کی جنگجوئی ابھر کر سامنے کی۔ انہوں نے اپنی مستقل جہانداری میں انصار اور ان کی حفاظت کے لیے آگے نہیں گئے۔ مگر ان کی آبادیاں پھیلنے اور ان کو اپنے خاص حصوں کے لیے حریف زمینوں کی ضرورت پڑی تو یہ اپنی حدود سے نکلے۔ انہیں جو لڑائیاں ہوئیں۔ جو جکڑو تھے وہ مخلوق ہو گئے اور جو طاقت ور تھے وہ آگے آئے۔ انہوں نے دوسروں سے صرف جتنیں نہیں کھینچیں بلکہ انہیں کھانا پالیا۔ ان کے سرود کو رادیا اور ان کی کوریوں کو اپنی اسلحہ بڑھانے کا ذریعہ بنا لیا۔ ہر ایک ایک مسئلہ سے گزر کر نئی سوانہ بدلتی باقی مسد کر چھوڑ دینے باقی سے بدل گئے۔

بابوہی مدنی بیوس کے آغاز میں دکنے پر تھے صرف وہ بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک مسلمان اور دوسرے عیسائی۔ پانچ صدیوں کی مسلسل حفاظت آری کے بعد پلاٹر صیاحوں نے بارہان کریشیا سے دست برداری اختیار کر دی۔ صلاح الدین ایلانی نے انھیں قلعین سے بھی دھکیل کر صحنی اور سرائے سے موجود ترکی کے کچے حصے کے پاس ایشیا میں گریوے کی طاقت ڈال دی تھی رہا تھا۔ ایشیا کے دھلائے جو ایک زمانے میں ایران کے خلاف یورپ کے مضبوط گڑھ سمجھے جاتے تھے آج ریشیا اور آذربائیجان وغیرہ اب ان کے مسلمانوں کا قلعہ تھا۔ مسلمانوں میں عربوں کا بھی غمناک شمار ہوا تو اللہ نے ترکوں کی صورت میں مسلمانوں کو ایک اور حفاظت عطا کیا۔ پورا وسط ایشیا طاقت ور مسلم طاقتوں میں ٹٹا ہوا۔ قتلوں ترکوں کے بعد خوارزمی آئے۔ انہوں نے وسط ایشیا کی بہت بڑی طاقت بن کر ابھری رہا تھا۔

مگر دنیا والے بے خبر تھے کہ مہذب دیغاے ہزاروں سال دور گوئی کے صحرائوں میں ایک فتان خیمے تلے والا ہے اور وہ طوفان ملے انشیا اور یورپ کا رخ کرے گا جنگجو لیا کی دست و پاز میں رہنے والے درجنوں طاقت ور جنگجو قتل آگے میں صدیوں سے اٹھ اٹھ رہے تھے کہ لڑائی کے تمام حربے سیکھ چکے تھے۔ دوسری طرف ان میں مشرق قوسیت کی روح پھار ہو رہی تھی مختلف قبیلوں میں بے ہونے کے باوجود انہیں احساس تھا کہ وہ ایک ہی نسل کے لوگ ہیں اور انہیں میں مراد کا لوگ ہزار فرشتے کی گزرو کر ہے کہ انہوں نے جو نسل کے لوگ جو صدیوں سے ان کے خلاف تھے ان پر غالب آ سکتے تھے۔ کچھ بے وقافتگی بڑا کیوں ہو اس کا آغاز بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔ منگول قبیلے طاقت ور اور اس

قابل ہو چکے تھے کہ کسی بھی سلطنت کو روک کر رکھ دیں لیکن ابھی اس کا چھوٹا سا آغاز نہیں ہوا تھا۔ یہ چھوٹا سا آغاز ایک بے نیکی پیدا کر چکی تھی۔ اس کی ماں کے اس کا نام تھیں رکھا تھا جو بڑا ہوا ہے۔ چنگیز خان کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا قبیلہ بڑا ہوا تھا۔ چھوٹا اور اس پاس کے طاقت ور قبائل سے جدا کر رکھتے تھے۔ کی جنگی ہمیش اس کے قبیلے سے سیاسی بے جا تھے تھے ایشیا کی مجال میں اس کی لڑاکا ترس اس طرح تھیں کہ لڑائی میں ان کا خون بہتا تھا اور ان کو کوئی مسلح نہیں تھا۔ چنگیز خان یہ سب دیکھتے ہوئے جوان ہوا اور اس نے فیصلہ کیا کہ اسے قبیلے اور قوم کی حالت بدل کر رہے گا۔ جوانی میں اس کا پسندیدہ مشغلہ شکار تھا۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بہتوں شکاریوں کی پرہیزگاری اور لڑائی ہوتا کشتار کے تعاقب میں اسے کئی کئی گھوڑے کی پشت سے اترنے کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے نام لگا کر لیا تھا۔

کہتے ہیں چنگیز خان نے اپنی ان شکاری مہمات کے دوران ہی کوراج کر کے کا مشہور بنا تھا۔ وہ کوراج کوراج شکار کے طور پر نہیں لکھا تھا بلکہ اسے اپنے والے دلوں کی ریسرچ سمجھتا تھا۔ اس نے بہت ساری جنگی جہاز شکار کے دوران سیکھی تھیں۔ یہی وجہ تھی جب وہ قازق اٹھ گیا تو اس نے اپنی فوج کے لیے شکار کا طریقہ لڑنے پر ادریہ یا سب عمری میں اس کا تجربہ کیا۔ وہ ایک نوز بنا تھا جو اس کا لوٹ اس کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ دوسروں کے موٹے اور جوتھیں جھٹ لاتے تھے۔ ہلچلے دلوں نے دیر نہ کچھو محسوس خان سے اپنے قبیلے کے بڑے جاؤں کی تربیت کیا اور انہیں بہترین جنگجو بنا دیا۔ اسے معلوم تھا کہ اپنے والے دلوں میں یہ جوان اس کے دست و بازو دلوں کے۔

مختلف حالات سے گزرتا ہوا چنگیز خان بادشاہی محضہ گویں میں ایک منگول قبائل کو اپنے پرچم لے لائے میں کامیاب ہوا۔ مہمیا کہ پہلے کی تیار کر خود ان قبائل میں قوسیت کا احساس بیدار ہوا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ پرچم ان ہونے کے خیال سے بلکہ وہ اپنی خوشخبری دوسری قوموں پر آنا چاہتے تھے اور اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ ایک بہتر سے گزرتا ہوا اور ان کا کوئی ایک سرور ہو۔ منگول بہت مادہ تھے اور ان میں غمناکی اور معاشرتی قوانین نہ ہونے کے برابر تھے۔ چالاک چنگیز خان نے اسی چیز کا فائدہ اٹھایا اور ایک

آئین بنا کر اس نے تمام منگولوں کو ایک پرچم جمع کر لیا۔ اس کے حرب کے قوانین کا مجموعہ باہا سلطان نے اور اس وقت ہر منگول کے لیے لازم تھا کہ وہ یا ساس کے قوانین کی پاسداری کرے۔ اس کے کیم کی خلاف ورزی کی ایک ہی سزا تھی۔ وہ ناک موت۔ چنگیز خان نے ان کو قوی فخر دیا۔ پورے ایک آسمان اور زمین پر ایک خان۔ اس نے تمام منگول قبیلوں کو سوا دی قرار دیا اور انصاف کے معاملے اس کوئی کام نہ تھا۔ اگر چنگیز خان کا نزدیک رہتے اور کسی بھی قانون کی خلاف ورزی کرتا تو اسے بھی وہی سزا دی جاتی جو کسی عام منگول کو دی جاتی تھی۔ اس سادات نے منگولوں میں یک جہتی کی روح بھونک دی اور پھر دینا نے دیکھا انہوں نے اس طرح انشیا اور یورپ کی عظیم ممالک منگولوں کو اپنا تسلیم کر دیا۔

چنگیز خان نے صحرائے گوبی کے قبائل کو جمع کر کے ایک مضبوط حکومت قائم کی۔ اس نے بہت بڑی فوج بنائی اور اسے کڑی تربیت دلوائی۔ وہ اپنے لوگوں سے کہتا تھا کہ میں ہلدا جانے کے لیے نہ ہوئی۔ منگول وہ بھی سخت جان ہوتے تھے۔ چنگیز خان نے ان کی وحشت کو کوئی دھنیں میں بدل کر انہیں دنیا کی خوفناک ترین فوج بنا دیا۔ منگول سپاہی انتھک لڑنے میں اپنا جانا نہیں دیتے تھے۔ بڑی مہمات سے پہلے چنگیز خان نے اپنی فوج کو چھوٹی چھوٹی جڑوں میں استعمال کیا اور اپنے آس پاس تمام حریفوں کا خاتمہ کر کے ان کو منگول کر پانا تھا اور باہا پالیا۔ اسے جس قبیلے یا گروہ پر مشرہ ہوتا کہ وہ اس کا قاتل تھا نہیں ہے۔ وہ بے دریغ اس پر ہر دور ہوتا تھا۔ لیکن اس پر چالیں دنوں عام لوگوں کو نقصان پہنچانے سے گریز کیا تھا۔ پھر سرداروں اور قبیلے کے بڑے بڑے سرداروں کی حکمت عملی سے اس نے فورے ملائے پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ بابوہی مدنی کے آخری چھوٹی چھوٹی میں وسط ایشیا کے لوگ بے خبر تھے کہ شمال مشرق سے ایک بڑی قوتیں کے ملائے گئے تھے کہ ان کے لیے وہاں سے کی حکمت عملی تھی کہ اس نے نزدیکی کو درستی سلطنت چھوڑ کر اور اور وسط ایشیا کی طاقت ور مسلم طاقتوں کو نشانہ بنانے کا اہم کیا۔ جسکے جہاں تک رسائی کے لیے اسے دینا کے دو ذرائع تھے۔ پہلی سرائی جو گزرتے پڑتے۔ اس میں خاص طور سے اس کا کام تھا۔ چنگیز خان اور پھر انہما جانے جی کی اس کے حکارے کیے والے لوگ بھی اس میں سخر کرتے ہوئے مارے تھے۔ یہاں کیوں تو بیانی کا نام نہ تھا انہیں تھا اور اسے دیا تھا کہ شنگ تر تری حیرا سمجھا جاتا ہے جہاں کی وقت بھی

ہندوستان میں انگریزی فلموں کی نمائش 14 فروری 1896ء سے شروع ہوئی۔ یہاں دوسری جالے والی تین ابتدائی انگریزی فلمیں تھیں۔

1) London Girl Dancers.
2) The Arrival of the Train.
3) Parade of the Gaurd.

مکمل ہلا تین فلموں کے ذریعے پہلی بار ہندوستانی اسکرین پر عمل کیے گئے۔ سامان فراہم ہوا۔ ایک ہندوستانی فلمساز موہن بیھائی (پیدائش 1903ء) نے ایک چمکدار آف ٹیکنالوجی انکلیپٹ حاصل کرنے کے بعد U.F.A. سٹوڈیوز جرمنی اور آئسٹر (Eclair) کے سٹوڈیوز فرانس کے تجربے کے ساتھ 1925ء میں ہندوستان آ کر امرہرلی فلم بنی۔ اس کے لیے "The Village Girl The Magic" "Wild Cat of Bombay" "Flute" نامی فلمیں بنائیں۔ اس کی فلم "Vasantasena" کو زمانے میں Metro Goldwyn Mayer برطانیہ جیسے نمایاں ادارے نے ریلیز کر دیا۔ ریلیز کرنے کے اختتام کے لیے اور فلم کے ریلیز کار ہندوستان میں خاص اہتمام کیا گیا۔ راج برہم کوہلی ہی کی ایک فلم "The Mili" "کولت برطانیہ کے ایما پر ہندوستان میں ضروری کی صورت حال" کے موضوع پر بنائی گئی تھی۔ اس میں موہن بیھائی ہندوستان کا پہلا فلمساز تھا جس نے تمام اور کولت برطانیہ کے درمیان ایک رابطہ کا کام کیا۔

ڈاکٹر ذوالحادیق کے مضمون سے اقتباس: مرسلہ: خوب امتیاز لاشاری، ڈی وی خان

کے بڑے بڑے عملے مراکز پر پارک کر دیے اور جب منگول افواج کسی شہر سے رخصت ہوئیں تو ان کے پیچھے سوانے لاشوں کے ڈھیر اور بے ہوشے ٹکڑے کچھ پانی بھیجتے رہتا تھا۔ خوارزم سے منگول فوجوں کا مقابلہ کیا مگر اس سبب سے پناہ کا بہادری سے منگول فوجوں کا مقابلہ کرتا ہوا دیا ہے سندھ کے کنارے تک آباد ہوا جلال الدین نے اس سے بچنے کے لیے اپنا گھوڑا دیا۔ اسے اتار دیا اس کے بعد اس کا چمچہ نہیں چلا۔

چنگیز خان نے اپنے دور فتوحات میں ایک کروڑ سے زیادہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے جیسے مسلمان تھے۔ اگرچہ اس نے کچھ بیہوشی اور بدھ مت کے ماننے والے علاقوں پر بھی چڑھا لی لیکن اس کا زیادہ تر مسلمان ہی تھے۔ خوارزم کی سلطنت کو برباد کرنے کے بعد وہ افغانستان میں داخل ہوا جو اس زمانے میں ایک سرسبز و آباد ملک تھا۔ یہاں چہرڈوں سال کی محنت سے ایک نیا فتح کرنے کا کام کیا۔ چنگیز خان کا بیٹا کوجا ریخ کھانا ہے۔ آج بھی بلوچستان میں کہیں کہیں یہ نظام موجود ہے۔ چنگیز خان نے آپاچی کا نظام اس طرح برباد کیا کہ آج سندھ میں ان کے جانے کے بعد بھی اسے بحال نہیں کیا جا سکا اور افغانستان کے ایک خشک مٹی کی صورت اختیار کر گیا۔ افغانستان سے وہ ہندوستان میں داخل ہوا۔ لیکن اس نے دریائے سندھ پر کر کے دلی پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگرچہ منگول فوج کے بعض حصے ملتان تک پہنچ گئے تھے مگر انہوں نے ہندوستان پر فتح کی کوشش نہیں کی۔

اس کی وجہ اس میں منگول افواج کی بہت کم تعداد تھی۔ اس دور میں اور چنگیز خان کی بی بی انسانی کی وہ بڑی خواہش ہے کہ تمام اور اب اس میں کیلئے کسی خاص حالت میں رہی گی۔ پھر اسے اپنے وطن کی یاد میں تادیبی تھی۔ بس سے اہم بات قدرت نے اس کے جو کام کیا تھا وہ لیا تھا۔ اب اس کے بیٹے میدان میں مل گئے تھے۔ اس لیے چنگیز خان واپس قراقرم چلا گیا اور وہاں سے منگول فوجوں کی بھڑائی کرنے کے قراقرم کے بڑے بیٹے میں وضاحت کر دی جائے گی وہ قراقرم پر ہزاروں سالوں سے جو پاکستان کے شمال میں آباد کے ساتھ پایا جاتا ہے اور دنیا کی دوسری بڑی چوٹی کے قراقرم کے سلسلے میں ہے۔ جس کے چنگیز خان قراقرم حرا نے کوئی کے بار منگولوں کی پھاڑوں میں واقع ایک شہر ہے۔ اب اس شہر کے صرف کچھ آثار رہے ہیں۔ مگر چنگیز خان

اور اس کے بعد آنے والے خانوں کے دور میں اس شہر نے بے ہوشی کی یہاں عمارتیں ہیں اور ساری دنیا سے لوگ یہاں چلتے آتے۔

چنگیز خان کے دور میں اس کی فوجوں نے جو علاقہ فتح کیا اور اس پر قابض ہو گئے اس کا قریباً سا کھلا کر عمل میں سے زیادہ قسائے بڑے علاقے کا اختتام کرنا آسان کام نہیں تھا اس لیے چنگیز خان نے اپنی زندگی میں یہ علاقے مختلف قبائل اور ان کے قبیلوں میں بانٹ دیے اور ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے طور پر مزید کئی مہمات کا اہتمام کریں۔ وہیں اس کے لیے انہیں براہ راست قراقرم سے ہدایت لینے کی ضرورت نہیں۔ وسط ایشیا کا علاقہ برتائی خان کے حصے میں آیا جو چنگیز خان کا ایک پوتا تھا جس کا مشرق وسطیٰ اور ایران و دھماکان کا علاقہ ملاؤ خان کے حصے میں آیا۔ چنگیز خان کا ایک پوتا تھا۔ مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان ملاؤ خان کے ہاتھوں اٹھانا پڑا۔ بغداد اور دمشق جیسے بڑے شہروں کی تباہی اسی کے لشکر نے کی۔

چنگیز خان کا سب سے پوتا اوغدائی اس کے ساتھ قراقرم میں تھا اور جب چنگیز خان دیا سے رخصت ہونے لگا تو اس نے اوغدائی کو اپنا نائب مقرر کر دیا۔ 1227ء میں چنگیز خان دیا سے رخصت ہوا۔ اس وقت منگول دیا پر چمچاے ہوئے تھے اور قراقرم میں چنگیز خان کے سپہ سالار کوخ ہوا کہ اس کی موت کی خبر عام ہو گئی تو چمچاے خاؤں نے پڑنے والی منگول فوج کے حوصلے بہت تیز کر دیے۔ یہی اسی وقت تک چنگیز خان ایک بار دہائی ہستی ہو چکا ہے۔ اس لیے اس کی موت کی خبر کو بہت پرچمپانے کا شعلہ کیا گیا۔ اسے قراقرم شہر کے لیے اپنے بڑے ہونے کے جنگل میں دفن کرنے کا فیصلہ ہوا اور اس کی قبر بھی ہمیں کر پائی گئی۔ جب اسے دفن کرنے کے لیے لے جا رہے تھے تو اسے اس کا چناؤ وہ کیچے والے شخص کو مل کر دیا گیا۔ وہ اس کو دفن ہوتے ہوئے بھی انسانی جانوں کا راج لیتا رہا تھا۔

اوغدائی دوسرا منگول خان تھا اور وہ پہلا شخص تھا جس نے قاقان کا لقب اختیار کیا۔ خان کے معنی شہنشاہوں کا تھے۔ اس کے خیال میں دنیا میں جتنے بھی بادشاہ تھے وہ سب اس کے تحت تھے اور اس کا کوئی نائب نہ تھا۔ اس لیے تخت پر بیٹھے ہی دنیا کے مختلف حصوں میں لشکر کی حکم دیا۔ وہ ایشیا اور مشرق وسطیٰ تک منگولوں کے قدم چنگیز خان کی رو کی شکل میں پہنچ گئے تھے اور اس سے آگے صرف عراق اور

بارود لائٹ کے علاوہ انکلیپٹ سے تھ جائے تھیں۔ جسے تجربے کرنے دیے ہیں۔ ساری آواز سن سہرگاس۔ کچھ جاننے کی چیز ہے، دوسری مقرر کرنے کی اور تیسرے کھانے کی۔ یہاں میری دیکھی ساری لوگوں میں ہے۔

انکلیپٹ نے دنیا کے یہ قدم ہای ایک ہی ایسی آواز تھیں کہ اس کے تھانے کے لیے فخر کا باعث تھیں جس میں اس لیے ان کی تہذیب کے زبان اور روایات کو نذر رکھنے کا شیعہ حکومت نے لے رکھا ہے۔ امریکا کے ریڈیو میں ہوں، کینیڈا کے فرسٹ نیٹیل یا آسٹریلیا کے ایب اور نیجن، زمین کے اصل باسیوں کو ہر جگہ فخر قائم آباد کاروں کے علم سے بڑے شروع کا آباد کاروں نے ان کی زمین اور زمین پر قبضہ کرنے کے لیے انہیں مل گیا، گورے باسیوں نے ان کا غصب دینے کے لیے ان کی اولاد چھین کر چھوٹے منگولوں میں بند کر دی اور برقی دینے والوں نے ان کی تہذیب کو گھٹت خودہ اور مردہ افراد کے انہیں جہدیت کے سبق پڑھائے۔

پھر جب ایک خاص قائم ہو گئے اور پچھلے اصل باسیوں کو چھوڑ دے اور ان کی نیلویں میں تیسرا کھانے کے عمارت کے مہاروں نے ان کی چہرہوں میں ان کی جہاں دوسری سے کشیدگی کی ماضی مندی کو ماننا شروع کیا۔ قدرتی حصار کے ساتھ ان کے سخت متعلق کو چھوڑ دیا۔ ان کی لاشیں کی اساس بنائیں اور ان کے متروک روایات کو اپنا تاریخی ورثہ بن کر اس کی فوجیں شروع کر دیے۔

اقتباس: "پچھلے آسٹروید عالم مرسلہ: فتح خان درانی، ڈی وی خان

مصر کی سلطنت میں رہا تھی جس کو منگولوں کی بڑی رفتار چپن قدری کے سامنے پس چھوڑ دی بارگ، یہی میں مگر حوالہ بدل رہا تھا۔ چنگیز خان کی تیسری سل میدان جنگ میں بھی جس نے بہت تیزی سے حضرت میں پرورش پائی اگرچہ ان میں جہاں ان کی صلاحیتیں تھیں ان میں چنگیز خان جیسا حوصلہ اور جلال کی ایک حد تک سب سے بڑھ کر وہ جتان وہ رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے بڑے جنگی علاقوں میں عالی شان نکلتا اور شہر بنا کر ماضی کو بحال بنایا تھا۔ اس سے بھی زیادہ تہذیب ایک عالم منگول کی زندگی میں آ رہی تھی۔

مغول اپنی صفائی اور خوشنوازی کے باوجود بھی غلط
 سے ایک سادہ قوم تھے۔ درحقیقت عام آدمی کی زندگی میں
 مذہب عام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ مغول آئین یا سنی مذہب
 کے حوالے سے کوئی باندھن رکھتا تھا۔ یہ تھے مغلوں نے
 مسلم علاقوں کو فتح کر لیا تو عام مغلوں کا مسلمانوں سے میل
 جول ہوا اور ان میں بہت سارے مسلمان ہو گئے۔ یہ مسلمان
 ہونے والے مغلوں دوسروں کو بھی اسلام کی طرف راغب
 کرنے لگے اور ان کی مدد سے انہوں نے اپنی شناخت گھوڑ
 سے مسلط قومیت کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ یہ لگ بھگ چھتر خان کی
 زندگی میں شروع ہو گیا تھا کہ نیکو خان کے بغداد پر حملے
 کے بعد اس میں بے باغی تازی آل اور جس وقت میں جاکت
 کے میدان میں رکن الدین بھروس نے مغلوں کو اس جنگ
 جال کے ذریعے بہت ناکستہ کیا تو اس دن سے مغلوں
 اقتدار میں غالب ہونے لگے تھے جو صوبہ میں برف ہل
 جاتی ہے اور وسط ایشیا میں چھتر خان کا بیٹا تھا قلی خان
 مسلمان ہو گیا اور اس وقت مغلوں اقتدار کے لیے سب
 سے زیادہ کچا پتہ ہوا کہ نیکو خان کے علاوہ نیکو خان کی زیر
 قیادت اسلامی حکومت کو باطل ختم کرنے کا منصوبہ بنا رہا
 تھے۔۔۔۔۔ مسلمانوں کی خوشی سچ کر جس وقت ہلاکو خان
 بغداد کو چارہ آگے آگے بڑھنے کا منصوبہ بنا رہا تھا کہ قراقم
 میں چڑھ کر قلی خان مغلوں کی طرف سے قراقم کو ہلاک کر دیا
 چلا گیا جس کے بعد اسے دوبارہ یہاں آنا نصیب نہیں ہوا۔
 صرف ہلاکو خان ہی نہیں بلکہ اس علاقے سے قراقم کی طرف
 سے مغلوں دستوں کی آمد بھی رک گئی کیونکہ سارے میں برکاتی
 خان شیخا بادشاہ اور اس نے مغلوں کو اپنے علاقے سے
 گزرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔
 لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چھتر خان کے بعد
 مغلوں کو زور نہ ہو گئے تھے۔ بلکہ مغلوں کی فوجی تحریک دست
 آگئی تھی۔ اب وہ پہلے سے زیادہ تعداد میں تھے اور اس دور
 کے بہترین سپہ سالار و شہسوار تھے۔ اگرچہ مسلم دنیا میں
 ان کی جیتوریہ رنگ کی تھی لیکن ان کا دنیا کے لیے وہ بدترقبہ
 یہ ہوتے تھے۔ اور ان کے خاقان بننے میں وسط ایشیا کی
 طرف دوبارہ فوجیں روانہ نہیں گئیں اس بار ان کا رخ مسلم
 علاقوں کے بجائے کاسپیا اور ترکی کی طرف تھا اس وقت سے
 علاقے غیر مسلم تھے۔ یہ برکاتی خان نے اپنے علاقے
 سے مغلوں فوجوں کے گزرنے پر اعتراض نہیں کیا۔ برکاتی
 خان قراقم سے اپنا رشتہ دوڑ کر خوشی مسروران میں کیا تھا اور
 اس نے بھی کسی ٹورنل (خاقان) بننے کے لیے ہونے والی

تقریب (بہت شکر نہیں کی۔ وہ اتنا طاقت ور تھا کہ کسی
 مغلوں خاقان نے بھی اسے چیلنے کی ہمت نہیں کی تھی ان
 کے لیے اتنا کیا تھا کہ قلی خان ان کے معاملات میں
 مداخلت نہیں کر رہا تھا۔ مغلوں لشکروں نے کاسپیا، ترکی،
 آرمینیا اور آذربائیجان کے علاقوں کو برباد کر رکھا تھا۔ اگر
 اچانک بغداد کا انتقال نہ ہوتا تو یہ لشکر بخیرہ اسوہ کے
 کنارے تک چلا جاتا اور شاید موجودہ یوکرین تک پہنچ جاتا۔
 مغلوں میں چھتر خان کا نظام نہ ہونے کی وجہ سے اس کی
 قوتات بہت اثر انداز تھا۔ کم سے کم تین صوبے ایسے آئے
 جب مغلوں کی خطے کے خلاف فیصلہ کن حملے کرنے والے
 تھے اور اچانک خاقان کی موت کی خبر آنے پر لشکر کے سرکردہ
 لوگ واپس قراقم فرار ہو گئے اور اس سے چھتر خان تک
 کی۔ واپس میں اور ان کے بیانات خود اسے گہرے سوچوں
 کے ساتھ مل کر اور یمن میں کافی اندر تک چاہی چاندی کی اس
 وقت ایشیا میں چھتر خان کی حکومت تھی۔ لیکن
 دارالحکومت کا ایک ٹکڑے پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور ان کے چھتر خان
 کی تہذیب سے بہت متاثر ہو کر ان کے خاندان سے ان کا جھگڑا
 اور لڑائی کا بیانیہ قلی خان چھتر خان سے متاثر ہوا تھا اور حقیقت
 یہ قلی خان قاجا تھے۔ لیکن وہ مغلوں کے انہوں تیار ہونے
 سے بجا تھا۔ وہ دینی اور لائبرل چت سالی سے بہت متاثر تھا
 اور اس کے منصوبے سے اور ان کی اور قلی خان نے ان کی شکست اور
 شکست کو دوسرے شروع کو چارہ کرنے کے بجائے اپنی مکت میں
 شاہنشاہ کر لیا تھا۔ بعد میں سید اسحاق قلی خان کو لڑائی میں ہاروں
 سے بہت طویل عرصے یہاں حکومت کی۔ شہزادہ سیاح کو پلو
 اسی کے بعد بھی چھتر خان اور اس نے قلی خان کے حکومت
 کا جو ختم کیا ہے اس سے پتا چلتا ہے چھتر خان نے اس کے دور
 میں بے باغی تازی کی۔
 اور ان کا حملہ آکر کامیاب رہا کہ موجودہ چین کا ایک
 چوتھی علاقہ اس وقت مغلوں سلطنت کا حصہ بن گیا تھا۔
 قلی خان کے بعد دوبارہ چینی شاہوں نے واپس مسل
 کر لیا۔ قلی خان نے موجودہ چین کی جگہ کی جگہ انہیں تسلیم
 اور حکومت خیر کر دیا۔ اس کی شان و شوکت کا اعزاز اس
 بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شہر کے اندر کی گلیاں ریت پر
 قلی خان قلی خان قلی خان اور دوسری عمارت جس کی
 تھیں۔ اس میں ایک چوٹی پر معنوی پہاڑی بھی تھی جسے
 قراقم سے پہاڑوں کے اعزاز میں بنایا گیا تھا اور اس پر
 وہی درخت اور پودے لگائے گئے تھے جو قراقم میں تھے
 جاتے تھے۔ جب قلی خان کو اپنے وطن کی یاد دہانی تو

اس پہاڑی پر چلا آتا تھا۔ دوسرے مغلوں حکمرانوں کی طرح
 اسے بھی کسی اپنے وطن کا نائب بننا ہوتا ہے۔ قلی خان
 چھتر خان اور ان کے خاندان کے معاملات میں
 نے لگن تھک کرنے کا اتنا موثر نظام بنایا تھا کہ اس کی مکت
 میں کوئی بھی صاحب حیثیت فرد بغیر کسی ادا کے نہیں رہ سکا
 تھا۔ اس کا عملہ نہایت مستعد تھا۔ ہر سال میں بیس لاکھ دالا
 لگن قلی خان اور دوسرے مغلوں سرداروں کی عیاشی پوری
 کرنے کے ساتھ قراقم بھی بھیجا جاتا تھا۔ بعد میں جب
 خاقان کی مرکزی اہمیت ختم ہو گئی اور دنیا بھر میں چھتر خان
 کو تین خوشی ہو گئی تو قلی خان نے بھی یہی طریقہ اختیار کر
 دیا کی مگر وہ مغلوں نے چین میں بھی اپنی وہی خصوصیات
 کرنے کے ساتھ قراقم بھی بھیجا جاتا تھا۔ بعد میں جب
 قلی خان اور دوسرے رکن وہ اس میں شرم ہونے لگے تھے مگر قوم
 پرست تھی انہیں اپنے اندر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے
 اور ان کے دربار سے تھے کہ کہ مغلوں حکمران عیاشیوں میں پڑ کر
 مارا گئے تھے۔ اس لیے اس وقت وہ ایک ایک مغلوں کی طرف
 سے لگائیں کے اور بعد میں انہوں نے ایسا کیا۔
 مغلوں خاندان میں قلی خان اس سب سے متاثر سردار
 الخراج پیدا تھا۔ اس کا بیوت اس نے چین پر حکومت
 دوران کیا تھا۔ اس نے حکومت میں بہت سارے تبدیلیاں
 کیں اور اس کی تعلیم ان کے جرات کیں جو ایک وقت چھتر
 اور مغلوں کے خیر و خیر کا مودہ تھیں۔ اس نے ہر ایک میں
 الصاف اور اس کا تکرار کے معاشرتی رتی کا راستہ کو دل
 اور حقیقت سے چین کے اس کے بعد جو جرتی دیا
 کے بعد ذکر کیا۔ کہ قلی خان نصف صدی تک چین پر
 حکومت کرنے کے باوجود فرنگی بار قاقا اور اس کے چھتر
 سرداروں نے بھی اسے دل سے نہیں کیا تھا۔ اس کے
 بعد وہ مغلوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں
 نے انتقام لینے کے لیے مغلوں پر حملہ کر دیا۔
 تقریباً ایک صدی بعد 1388ء میں چھتر خان نے
 قراقم پر قبضہ کر کے اس کی اہل سے اپنے باجی اور
 اسے شہر کوڑوں کے برابر کر دیا۔ یہ انتقام کا انتقام
 تھا۔ وہ مغلوں کے ان کے نقصان میں پہنچا تھا
 انہیں مذہب چھتر خان نے مغلوں شروع کو اس طرح تیار ہوا
 کہ کہ وہ اس کے بعد دوبارہ بھی آجائیں گے۔ مغلوں کا
 سب سے پانے سے تھک گیا کہ بہت سارے مغلوں قبیلے
 مرے گئے یا پورے ہو گئے اور ان کا ایک فرد بھی ان میں رہا۔

شاہ جی واہ

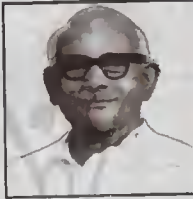
شہنشاہ خلیفہ حضرت سولانا سید عطاء اللہ شاہ
 صاحب بخاری کے بارے میں مشہور ہے۔ ۱۵۰۰ء
 بعد کے ہوتے تھے۔ قریب قریب ۱۵۰۰ء
 چھتر خان کے دور میں۔ چھتر خان بعد میں
 لوٹ پوٹ کر دیے۔ ایک بار بادشاہی سیدھا اور
 دوران خطاب فرمایا، شرقی سے مغرب، ہمال
 جنوب تا جہانگاہ لوگوں کا تھا اس بار سید شاہ
 میری تقریر سنئے آئے ہیں۔ جب میں اس سے
 دہشت ہوا تھا تو وہ دہشت نہیں دیتے۔ مسلم ایک
 دیتے ہیں۔ یہ سب لوگ ہم لوگوں کو کبھی شہر
 روٹی طوطا کھانے والا سمجھتے ہیں، ہمال کے خلاف میں
 نے ڈٹ کر قریب قریب ۱۵۰۰ء لوگوں نے فوج لگائے کہ وہ
 میں داوا دی تھی حکومت نے کفر کا رکنہ میں
 ڈال دیا لوگوں چلائے آئے اور ہم بچا گئے۔
 مرسل: جامعہ قادیان، چکری مارہ پٹنہ

غلامی کا انتظام کیا کہ انتقام شاہی کی قوم نے لیا ہو گیا کہ
 چھتر خان نے مغلوں سے لیا تھا۔ اس کے بعد قراقم کے عظیم
 الشان حکومت ماسی کی بھولی بری یاد رہی۔
 اس کے قاتلے میں مغلوں کا مسلمانوں سے سلوک
 نہایت بھارتیہ تھا اور ان کے ہاتھ دینی یا باغی
 چھتر خان کے خلاف اس کے ہاتھ نہ لڑا۔ اس کی مراد کو اس طرح
 براد کیے کہ وہ پھر دوبارہ آباد نہ ہو سکے۔ انہوں نے
 مسلمانوں کے سیاسی مرکز بغداد کو اس طرح تیار کیا کہ آج تک
 کسی بڑے شہر کی تباہی کی ایسی مثال نہیں ملے۔۔۔۔۔ صرف
 چھتر خان کے سیاسی سوانح اور کتب میں اور مسلمان دارے
 گئے۔ ایک مغلوں ماسی کے لیے مسلمانوں کا قاتل ہونا عام
 کی بات نہیں جانتی تھی۔ کیونکہ سچ کے بعد ہونے والے کئی عام
 تھے۔ بارے ماسی کے حصے میں اس سے زیادہ یہ مسلمان آئے
 کواریہ کہ پڑ جائیں۔ مغلوں کے ہاتھ سے مسلمانوں
 سے زیادہ کسی قوم نے نقصان نہیں اٹھایا۔ لیکن جب یہی
 مغلوں مسلمان ہونے اور اسلام کا ایک حصہ بن گئے تو
 چشم دوزخ میں ختم ہو گئی۔ اسلام کی کئی خوبی دنیا کی دوسری
 قومن کو پیشہ توجہ کرتی ہے۔ عربوں نے ایرانیوں، پھر

جنگوں کی شکاری

مسموع کھلڑ پوش
ترجمہ: ابراہیم جمالی

دور اور آخری حصہ



شکار کرنا دوپہر گشتہ کا محبوب مشغلہ تھا۔ راجہ مہاراجہ، نوابین اور اعلیٰ عہدے دار شکار کھیلنا شان کی بات سمجھتے تھے کیونکہ اس کھیل میں سفسٹی بھی ہے، شعلہ اونچا رکھنے کا بہانہ بھی ہوا اور شان کا مظاہرہ بھی، انگریزوں کے دور اقتدار میں اعلیٰ منصب یافتہ سرکاری عہدے داروں میں مسموع کھلڑ پوش کا اپنا ایک الگ مقام تھا۔ انہوں نے شکار بھٹی بہان کرتے ہوئے ہر قسم کی معلومات قانونین تک پہنچانے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ ان کے قلم کی جادوگری آپ بھی ملاحظہ کریں۔

غرض ذوق قارئین کے لیے ایک بہت ہی منفرد انداز کی شکار گستاخ

اس کے آدھے خوف زدہ ہونے کا سبب مجھے بعد میں ہوا۔ وہ جیل نو جوان کچن میں بھی بیٹھے کے لیے دھڑکی ہو گیا تھا۔ جب سے اس حقیقت کا علم ہوا تو اس نے اپنے ساتھ ہرگز نہ لانا۔ پیتا باگی چال چلا ہوا جیل کی طرف جا رہا تھا۔ جیل



بغداد پر چنے کے لیے ایک عظیم الشان فکرمثلین دیا۔ کہنے میں مگلوں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی ایسا فکرمثلین بنایا تھا۔ اس میں ڈیڑھ لاکھ سپاہی اور گڑھ سوار اور ایک ہزار پادشہیں تھیں۔ مگلوں کے ساتھ ارمینیا، چاربا اور مشرقی یورپ سے آئے عیسائی دستے بھی اس فکرمثلین میں شامل تھے اور مسلمانوں کے کئی عام میں وہ پیش پیش تھے۔

ایران اور عراق کے علاقوں کو روندنے سے پہلے مگلوں کا آخر بغداد تک پہنچ گئے۔ عظیم بغداد مسلمانوں کی تاریخ کا ایک دل گماڑ باب ہے جو انہوں کی فساد کی اور غصہ کی ساقی سے رقم کیا گیا۔ اس کی نزدیکی حالت میں بھی ظیفہ بغداد کی فوج کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ مگلوں اپنی زبردست قوت سے غلہ دور ہونے کے باوجود شہر میدان میں اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے بجائے چالوں اور غداروں کی مدد سے بغداد پر قابض ہوئے۔ مسلم فوج کو ظیفہ کے غداروں نے عظیم کے منتشر کر دیا اور ان کو غلط جگہوں میں بھیج دیا گیا۔ یہیں جنگ کے دوران ان کیسے بچاؤ لینے کے لیے قہر وزارت دیا گیا۔ بادشاہی ایک سپاہ گور یا کے ساتھ کشتیاں لیا جہاں مگلوں نے بند توڑ کر اس دستے کو خراب کر دیا۔ جب مگلوں کو اطمینان ہو گیا کہ ان کا راستہ روکنے والا کوئی نہیں ہے تو وہ بغداد میں داخل ہوئے۔ کئی دن تک کئی عام ہتیار، عفت، سپر خاشا، تین کی سر عام بے رحمی کی چائی رہی کتب خانوں اور درسوں کو آگ لگا دی گئی۔ دجلہ پہلے تین دن سرخ پیتا رہا کیونکہ اس میں مسلمانوں کا خون شامل ہو گیا تھا اور اس کے آنے سے والے کئی مہینے تک اس کا پانی ان کتاویں کی سیاہی سے سیاہ رہا جو اس میں جھپکی لگی تھیں۔ آخری مہاسی ظیفہ معتمد باللہ مگلوں نے تالین میں لپیٹ کر کھڑوں کی ٹاپوں سے ہلاک کر دیا۔ بغداد آج بھی اور پھر بھی اس طرح آباد نہیں ہو سکا۔

حسب معمول مگلوں کی جانب سے غداروں کو کچھ نہیں ملا اور ان میں سے بہت سارے دستے بھی کر دیے گئے۔ ان کے بجائے ہلاک خان نے جس الدین نامی ایک مسلمان کو یہاں اپنی حکومت کا وزیر مقرر کر دیا۔ یہ ایک شخص ہلاک خان کے ساتھ رہا اور مسلمانوں کو اس سے بجائے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا البتہ بعد میں اس نے مسلم حکومت کی بحالی اور خاص طور سے مگلوں کو مسلمان کرنے کی کامیاب کوشش کی اور اس کا عمر یہ ہلاک چند مشرکوں بعد مسلمان دوبارہ اس علاقے کے حکمران بن گئے تھے۔ اس طرف تو ہلاک خان بغداد اور اس کے آس پاس کے

میں ایک روز دو بار گرد بار تھا کچھ کچھ خالی لڑکی کا ایک خط ملا۔ یہ خلیں میں ہی اور میرے ساتھ مشوہ کی گئی تھی۔ خط میں لکھا کہ میں نے اپنے آپ کو کشت و مات کی کربا میں ہوں۔ اس بات جب میں نے سنے کے لیے لینا تو بہت رونا اور اپنے خدا کی دعا کا میں نہایت عاجزی اور افسانہ سے دو ماہ کی اور اداوار میری آنکھ کی لڑکی اور میں نے ایک بڑے بڑے خواب میں دیکھا۔ ایسے ایسے معلوم ہوا کہ وہ بزرگ میرے سر پہ لے کر ہے ہر کفر سے جس "محمد اکرم" اور "لکھ" میں چمک پڑا اور کسی کو نہ کچھ بھروسہ کیا۔ وہی بزرگ پھر شریف لائے اور فرمایا کہ اس میں میرے سوا تو اس صفا سے تیرا میرے چہرے کی گردن کا۔ "میں نہیں خوف کے مارے کا بھڑکا ہوا اور پھر نہ سوا۔ خام کو بیکار کا بھڑکا ہوا اور کتب میں جو حرف لکھا تھا میں اس کو سونے لگا۔ خدا کی قدرت کہ تمام حرف کی شکل میری آنکھوں کے سامنے پھر نہ گئی۔ میرے ہاتھ نے عدد کی اور جو کچھ میں پڑھا تھا یاد آئے کہ ایک ایک کتب لکھ کر کے کاغذ پر لکھا۔ اس طرح طوطی آقا کتب میں سے ساتھ سفر نہیں گئیں۔ بعض حرف ابھی طرح نہ لکھا اور بعض درست بھی نہ تھے لیکن جب میں نے ان پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ سب پر درست لکھا ہوا اور غلطیاں بھی معلوم نہیں جو کچھ میں گئی۔

میرے: محمد اکرم میں خالی کی سرگزشت سے احتساب

کے قریب موجود آقا کا نام اور اسے دیکھ کر تیزی سے غائب ہوئے گئے۔ اب چاہیے کہ راہ میں کوئی نہ خائیں وہ کسی کو دیکھنے پہنچاں میں سے قدم اٹھاتا آگے بڑھتا رہا۔ اب ایک اس نے رک کر بائیں طرف دیکھا اور پھر جمیل کی جانب جانے کی بجائے دھیرے دھیرے چلے ہوا اس درخت کے نیچے آگیا جہاں کچھ رات کے نیکی اڑھری ہوئی لاش پڑی ہوئی تھی۔

وہ کھنے کے لیے جان و جد کے قریب گیا اور اس کی چری ہوئی گردن پر زبان بھیرنے لگا۔ چاندنی میں یہ خوفناک

مختصر میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جب چہتے نے اپنا ایک پتھر کی مڑوی ہوئی گردن پر رکھ کر وہاں کے گوشت پر چڑھ کر رکھا تو میں نے اسے قریب پیٹے ہوئے جمیل کو لکھوا کر مارا کہ تیرے دھن کے لئے ہے تیرا ہوا جائے۔ رات کے لیے میں نے اپنی آنکھوں پر دونوں ہاتھ دے کر ایک طرف پڑا اور کپڑا تھا۔

اس دن میرے پاس بیٹوں ایم اے رائل تھی۔ اس ہتھیار کے ساتھ وہ میرا پہلا ہتھیار تھا۔ اسے اڑھری کے سر کاٹنا نہ لیا اور پھر پتھر کا داؤ یا بھڑکا ہوا جمیل قاتی نے طاقتور تاج کی روٹی چیتے پڑوائی اور میں نے نشان دہی کر کے کوئی چلائی۔

قاتر کے صا کے اور چیتے کی دہشت ناک دہانے ساتھ ہی جان پر مجھے زلزلہ سا آگیا۔ خوف زدہ جمیل کی طرح پڑھا تھا اور دوسرے جمیل نے ایک ہاتھ سے اسے دھکیں میں دیکھے کی جدوجہد کی اس دوران میں اس کے ہاتھ تاج کی پتھر کی پتھر کی پتھوں میں دھکیں تھے شریں شریں ہو کر یہ آقا کا ہاتھ تھا۔ ایک لمبے کے لیے میری قوتی کی اور میں نے تاج کا ٹکڑا کر مڑی ڈالی اور میرا دل ٹھک رہا تھا۔ وہاں کئی اڑھری ہوئی لاش تو موجود تھی لیکن وہیں نظر نہ آیا۔ البتہ اس کی دور دور ہوئی پتھیاں صاف تھیں۔ میرے دل میں یہ خیال آیا۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ جی میں آگ آگ کھینچ کر کھانے کے چمک دوں جس کی مداخلت میں وقت میرے اندر خطا کر دیا تھا۔

اب پوری رات میں نے چٹان پر کڑی اور جھوٹے کپڑے کھینچے تھے۔ بخود ہی دیر کے بعد چڑھ کر آئے تھے۔ کھانے کے آگے تھے۔ انہوں نے جو بائیں ساتھ اپنی رات کے اور دہشت ناک جمیل۔ انہوں نے تار کھینچ کر اسے آخری پتھر چھین کر دھکیں میں دھکیں ہو کر اس نے کی بیٹھوں گائے اور بکریوں کو چرنا ہوا کر کے باقی مارے سے دھڑک رہا اس کے خوف سے کوئی کے ڈھکڑا جھنگ کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ اب پوری سستی ہو کر اس نے پڑی ہے۔ وہ پھر دھکیل جھانوں نے دلیری کا کام کرتے ہوئے اپنے بیٹوں اور تیزوں سے حملہ کر کے بھاگنے کی کوشش کی۔ اس کے پیچھے میں وہ پڑے اس کی پھر اس سویت کی خوشخبری کا کٹھا ہو گئے تھے۔

اپنی وقت میں کیا تھا اور باقی دوشت دیکھی تھی تھے اسے باہر کا کچھ آسانوں سے انتقام لےا ہوا ہے۔

یہ دہشت ناک تجربہ سب کی ہنر کا تمام ہتھیار پر گریں۔ سب کے چہرے پر بھڑکے۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ کھانا کھا جائے، پھر میں اس خطرناک درمے کو کھانا کرنے کے لیے فوراً جنگل میں جاؤں گا۔ اس لیے میں نے کھڑے ہو کر بلڈے والا میں اعلان کیا۔

"جمیل جانو! میں چیتے کو مارنے کے لیے جنگل میں جا رہا ہوں۔ اگر کوئی بہادر جوان اپنی جان بھڑک کر پھر کر میرے ساتھ چلنا چاہے تو یہاں آ جائے۔"

پاکل پین کی حد تک تھکی ہوئی میری اس دلیری کو دیکھ کر مجھے ہنس پڑی۔ کئی کئی گھنٹے کے بعد میرے قریب آ گئے۔ اس دن میں نے صرف میں بیٹوں کو چھوڑا اور کچھ جنگل کی طرف چل گیا۔ دن کے وقت اپنے بیٹوں پر چل کر خطرناک جنگل میں ہی رہی چیتے کا کھانا کھا اپنی موت کا وار دینے کے مترادف ہے لیکن میں کوئی خوف اور شرم کی حالت میں مصروف ہو گیا تھا اور دل کے بارے میں سوچ رہا تھا جتنا کہ مجھے اپنے یہ درمہ بہت ناخوش میں لگتا تھا۔ اس لیے میں جلد سے جلد اس کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔

میں نے ہر طرح کے حالات سے بچنے کی تیاری کی ہوئی تھی۔ جب جمیل کے کھانے کی اس مقام پر پہنچے جہاں چیتا لگا ہوا تھا تو میں نے راتوں پروری طرح کوئی۔ اب صرف درمے کو دیکھتے ہی غرا ٹیکر دے کی دیتی۔ میرے ہاتھ آگے والے تھیں کی کاٹنا تھا۔ وہ میرے سامنے ناخوش غائب نہیں کر رہے تھے لیکن میرے قریب رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بخود ہی دیر کے بعد میں نے چیتے کے کھانے کی جگہ لکھ کر دھوئی۔ پھر ہم اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ لیکن خون کی بکیر کا قاتل ہو جاتی تو میں چیتے کا کھانا کھانے میں غصہ ختم دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک جگہ میں ہاتھ میں خون کی لاش دیکھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا کہ اس مقام پر چیتے نے کچھ دیر آرام کیا ہوگا۔ پھر اس نے وہاں سے اپنی جگہ پر تاج کر لیا تھا۔

وہاں پر چیتے کا کھنڈ قدم جاس کا نشان شکل میں تھا۔ اس مقصد کے لیے میں نے پوری سستی کا ایک جگہ غرض سستی سے ایک جگہ میں چل رہا تھا۔ میرے دھبے لگائی آگے چھین خون کے قطرے کھا جاسکا تھا۔ شاید آٹھ گھنٹے کی بھاگ۔ روز کے بعد چیتے کا خون بہتا نظر پڑا۔ آٹھ گھنٹے کا خاتمہ میرے اعزاز سے چلے ہوئے جنگل میں بہت اندر

میں حیرت کیا ایسا ہے۔ میں سب کی خشک میں تیز چلنا چاہتا ہوا جا رہا ہوں اور میرے کالوں میں خیرات کی آواز آتی ہے۔ اوپر دیکھا ہوں اور پھر وہاں کھڑے ہو کر نشان مرگ کے میں درمیان میں پارلیمنٹ ہاؤس کے میں سامنے اوپر دیکھا ہوں اور ان کلمات جانے والا خیرات ہے تو میں میں میں کچھ کر پڑا ہوا ہوں اور دل کی بھڑک لگتا ہوں۔ "اوسے گنگت چاہے ہوں کی شرم نہیں آتی۔"

میری آواز بلند ہوئی ہے۔ "اوسے۔" میں کہہ رہا ہوں، ابھی گنگت ان پورٹ پر تھر تھر ہوا میں سانس لوگے۔ اوسے۔ میری میلہ دجا کے ہوتا ہے یہاں چھوڑ کر جا رہا ہے، شرم نہیں آتی۔"

ایک دفعہ میں اسی طرح ہاتھ ہلا کر بلڈے والا وار سے گلت جانے والے خیرات سے "مخولام" تھا اور جب میں ڈرا زار دہ جوں میں آیا تو احساس ہوا کہ مجھ سے کچھ کالے ہو کوئی صاحب بے حد حیرت سے ہنس کھولے ہوئے دیکھ رہے ہیں کہ میں کہا ہوں کہ ہے؟ یہ صاحب ایک مختصر بیرو کر رہے تھے جو تقریباً روزانہ میرے گھر سے مل جاتے اور ان سے سلام دیا ہوتا۔ جس روز انہوں نے مجھے ہجاز سے بائیں سے سنا اس کے بعد وہ مجھ سے درخواست کالے پر ہو کر گزرتے گئے کہ اس سلام کا تو جلدی سے ویکم السلام کہ کر کرنا چاہیگا۔

مستشرقین تارو کی کتاب "کے نو کی کہانی" سے اقتاب: قہم، قہم، شورش

نیک جائے۔

کچھ گھر کے گھر کم اس مقام پر پہنچے جہاں دور دور تک انسانی قد سے بھی بلند، پر کڑے آگے ہوئے تھے۔ اور گرد جا جا خوار و جھانیاں تھیں۔ ان کے درمیان ایک چھوٹی سی گنگڑی دکھائی دی اور اس پر چلے گئے۔ میں اس علاقے میں چلے ہی آچکا تھا۔ یہ گنگڑی ایک جمیل کی طرف جاری تھی جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ کسی اس خشک سالی کا شکار ہو کر سوکھ چکی ہوگی۔ اس جمیل سے آگے چٹانوں اور پھاڑوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ میرے خیال کے مطابق ان پر چیتے نے اڑھری کا رخ کیا ہے تو

اسے انہی چٹانوں یا کسی پہاڑی کا غار میں موجود ہونا چاہیے۔
 میں اس سوچ میں غلطان آ کے ہوتا ہوں اور یہ بات
 میرے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی کیونکہ میں اگر در سے
 باہر نکلے گا تو میرا ہونا ایک جگہ تک ہے پوروں کے لئے اور
 نہیںوں کے لئے کسی آواز دلائی نہ دی۔
 میرے چھلنے سے پہلے ہی کوئی وزنی چیز مجھ پر آن
 گئی۔ مجھے اس وقت ہوش آیا جب محسوس ہوا کہ میرا ایک
 ہاتھ کسی دندانہ لے کر آ رہی تھی جسے میں جھٹکا اور
 جیتے سے ایسی ہی برق رفتاری سے مجھ پر حملہ کیا کہ مجھے
 لوڑیہ راسٹل استعمال کرنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ آخر
 پہلی ہی ہمتی کے راسٹل میرے ہاتھ سے چھوٹ کر مار گئی۔
 چیتا، بونے کی طرح میرا ہاتھ چاٹتا اور جڑوں میں دبا کر
 اس طرح اسے مرکوب جھک رہا تھا جسے وہ اسے میرے بازو
 سے الگ کرنا چاہتا ہو۔ اس کی کھینچ سے وہ دران میں نے
 اڑھ آؤر دیکھا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا
 چھایا۔ تینوں قبائلی گروہر ہاتھوں میں گرفتار چھوڑ کر جنگل میں
 غائب ہو گئے تھے۔

خونخوار دروندہ اس طرح اپنے چچے چاہتا تھا جس سے
 میرا بیٹا اور دروندہ سے بڑھان ہو گئے تھے، میں اپنے ہی ابو میں
 نہ گیا تھا۔ یہ سارا خوف خرابا ایک دو کیڑوں میں ہو گیا تھا۔
 میں اپنی جوانی میں ہو گیا تھا کہ میں نے کبھی گروہر کو نہ
 کاغذ لاہور اور اس کسٹورڈ پیوڈر کی لندن جا کر بالک کے
 مقابلے میں لڑے۔ اس کسٹورڈ کی جانب سے مجھے بالک بیو
 بھی ملتا تھا۔ اس کی اپنی طاقت آزمانے کا وقت آ گیا تھا۔
 اس وقت دروندہ میرے پاس راسٹل کے اور تین اپنا کھلا
 جو کوئل سٹکا تھا جس کیسے میں نے کیڑے کے ہزاروں میں
 میں ایک فیصلہ کیا اور اپنا دایاں منکا مٹا کر اسے بتا دیجے
 جا سکتا تھا۔ لے کر آیا اور اپنی اپنی ٹانگ پر جسم کوئل کے اپنا
 پروازوں کا ایک پر ڈال کر پروری قوت سے چیتے کے منہ
 پر دے مارا۔

خوف اور جوش میں مارا ہوا وہ مکاس قدر کارگر ثابت
 ہوا کہ چیتے کا منہ کوئل کا اور وہ چیتے کی جانب الٹ گیا۔ پھر
 مجھے اس کی ایسی آواز دلائی کہ مجھے اس کے قتل میں کوئی چیز
 محسوس ہو نہ ہو۔ وہ شہید ہو گیا جسے باغ میں بھی لڑا کر
 پٹ کے بل کر گیا تھا۔ چینی دروہ میں چیتا جیتا ریل پر حملہ
 کرنے کے لیے آ کرے ہوا۔ اس دوران میں راسٹل
 اٹھا کر کھڑا ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ لطف کی بات یہ کہ
 راسٹل کی ہرل میرا ہاتھ چڑا اور میں نے جلدی سے اٹھایا

تھا۔ اسے سہا کرنے کا وقت بالکل نہیں تھا۔ راسٹل لوڈی
 اور لکے سے واڑے سے اس کی کوئی جگہ تک نہ گئی تھی، لیکن
 ہر لمحہ خطر مریں لے رہے تھے۔
 اس کا ہر لمحہ میرے لئے اہم تھا۔ ہر حملہ کیا تو میں نے
 دائرے میں گھما کر پوری طاقت سے راسٹل کا ہت اس کی
 کھوپڑی پر دے مارا۔ یہ وارمی خاصا کارگر ثابت ہوا لیکن
 دھکی دھکی دھکی سے پہلے کیا اور آ کے بڑھ بڑھ کر اپنے
 بچوں سے دھکی دھکی کرنے کی کوشش کرنا مار لیکن اسے مارا
 دکھائی دے رہا تھا کہ اس میں پہلے ہی پھرتی نہیں رہی۔ اس
 کے جڑے پر لگے میرے داہنے کے اور کھوپڑی پر چڑنے
 والے راسٹل کے ہت نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ اس نے
 وہ جھک جھک کر مجھ پر حملہ کرنا تھا۔ اس کے لیے میری ہمت
 بے ہمت فائدہ نہ دیتا ہوئی۔ ایک لمبے کی ہمت ملنے ہی
 میں نے راسٹل کو کسی طرف سے پکڑ لیا۔ اب مجھے ہی پتہ
 میرے قریب آیا۔ میں نے نشانہ لے بغیر ہی فائر کر دیا۔ وہ
 فلک کھٹک دیا۔ ایک ساتھ پکڑ کر زمین پر ڈھکے پڑ گیا۔ وہ
 اس کے سر میں گئی اور دوبارہ وہ آخر فرجی آواز میں نکال رہا
 تھا۔

میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے دوسری کوئل ہرل میں
 چڑھائی اور اس مرتبہ نشانہ لے کر کوئل چلائی۔ دوسری کوئل
 میں نے اپنے اپنے جگہ پر ہو گیا۔ جب میں نے اسے آپ
 نظر ڈالی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میں تیری طرح مجرما
 تھا اور دم سے خون بہہ بہہ کر میرے پٹوں میں بہ رہا تھا۔
 میں نے اپنے کوئل کی کوشش کی تو اسے ہی ابو کی ہر محسوس
 ہوئی کہ میرے پاس راسٹل کے ہت نے جڑوں سے ڈھکنا کر سامان
 طرف دیکھا تو آنکھوں کے سامنے تاری سی چھائی۔ شہ
 غش کھارسی چکر گیا۔

جب ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ چیتے کے منہ سے
 ہر کام جانے والے تینوں جھیل میرے قریب بیٹھے
 اور ان کے چروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ
 ایک کوئل فرسٹ الیج کا سامان اٹھانے کے لیے اپنے سار
 جنگل میں لایا تھا۔ اس نے میری ہدایت پر اپنی سیڑھی چلائی
 کیس اور کوئل کو اٹھا دیا وہ اسے صاف کیا۔ میں نے ایک
 کوئل کو ساری کارکردگی کے لئے بھی لے کر لے کر لے کر لے کر
 دوڑایا۔ ہائی دونوں نوجوان سہارا دے کر مجھے چا
 رہے۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ قبائلی ایک ہینڈل دھڑا
 میرے پاس آیا۔ اس کے پیچھے بے شمار قبائلی تھے،

روایتی انداز میں ناچے گا۔ بے آواز ہے۔ سب کو اس
 فطرت کا دروس لے بلک ہونے کی خبر مل چکی تھی۔
 اس دن ان کے شہنشاہ نے وہی حالت میں کھڑے ہو کر
 ہمیں ہر سوار ہو کے لے گیا۔ چونکہ قاتلوں کے پاس کوئی
 گھوڑا اور خیر نہیں تھا۔ اس لیے وہ ہمارے ہمیشہ ہی لے
 آئے تھے۔ ہمیشہ لے آئے والے تھے ہاتھ تھا کہ کرات
 کر چیتے کے منہ سے کڑے سے ہمارا جانے والے جانور ہستی
 میں باہر آیا۔ ان شروع ہو گئے ہیں۔ یہ ہمیشہ اس سے
 ایک کی۔

میں اس علاقے کی انوکھی ڈھنڑی پہنچا جہاں موجود
 اور پھر انگریز ڈاکٹر نے بڑی توجہ سے میری سرام پی کی اور
 میں چار یا پانچ کے بعد کسی سہارے کے بغیر کھڑے کا دل
 ہو گیا کیونکہ صرف گوشت میں دانت کڑے تھے۔ بڑی بائیں
 کھوپڑی کی جس دن میں اپنے نکلے میں دانتوں آئے، اس دن
 آئی بارش ہوئی کہ ہر جانب بھل چل ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا
 کہ دروندہ اپنے محسوسات قاتلوں پر تڑپا گیا ہے۔

چیتے کے ساتھ وہ دو پڑائی کے دانتے سے پورے جنگل
 میں بے انتہا تھرتھارت پڑی تھی۔ ایک دن جب ایک جھیل کھاری
 میں نے اسے اپنے کی حال اور دیکھا تو یہ دیکھ کر میں حیران
 رہ گیا کہ چیتے کے بائیں جھیل سے ایک دانت ٹوٹا ہوا تھا۔
 ہر جگہ چیتے کا تھکا ہوا اور تھکا ہوا تھا۔ اس کی گھاس
 کے گھنے سے دروندہ کے منہ میں پھنسا ہوا میرا ہاتھ آزاد
 ہو گیا تھا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ میرا دانت آزاد اور دانت ہوا تھا
 کہ چیتے نے اسے آزاد کر دیا اور کھانے کے لئے اٹھ گیا۔
 میں نے اسے اپنے کی حال کو تھیک لگو کر ہمیشہ کے لیے اپنے
 اپنی گھاس کر لیا۔

میرے ہاتھوں چیتے کی ہلاکت اور اس سے میری لڑائی
 والے دن کے بعد وہ دن بڑے یادگار ہیں جس نے ہمیں
 "گروہر کا روپا" سمجھنے کا ان کا قصور پاش پاش ہو گیا تھا
 ان گروہر کی پیرو ہوئی کہ انہوں نے مجھے کوئی آکا ش سے
 ہوئی تھی۔ کچھ شروع کر دیا تھا۔ ایک دن ایک انہی
 کوئل کو جان میرے پاس آیا۔ آخر خیریت بد فائیت کرنے
 کے بعد اس نے میرے قاتی انداز میں میری طرف میں بچھ
 لگا دیا۔ میں نے نہیں بھرتی نہیں شاعری بھی کہہ سکتے ہیں۔

بعد میں وہ چل قاتلوں میں اسے مقبول ہونے کے کردہ
 مشہور ہوئی لوگ گیت میں گیا۔ ہمیں لوگ کہے کہ لوگ کہے
 میں کی دھارک دعا میں تھیں، اور کبھی کی غنیمت کیوں اور

اپنی طرف سے کھڑے ہوئے قاتلوں میں میرا ڈاکٹر شامل کر کے
 ہمیں لے کر چلتا ہوا بھگوان کی بنا رہا تھا۔ چیتے کے شکار
 کے بعد تمام قاتلوں نے مجھے "مسعود بھگوان" کے نام سے شروع
 کر دیا تھا۔ وہ بچے کی دھنک پر "احرام" کے گھنے۔
 کسی ہندی یا سرکاری اخبار کو بھی 7 تین تین ہوں کی کر
 دیں۔ لے میری بوجھ دی کوئی کچی ہاتھ بلت محاسب
 کے بعد۔ لیکن انگریز پریس نے میرے کاموں کو کافی گورن
 دی۔ اپنی تھوڑی پر فائز اور دور اور دیگر ناگوں کے
 میرے بارے میں آڑھیں لگے۔ انہی دنوں چکر انگریز
 صحافیوں نے غارت گیل کا دور کیا تھا۔ انہوں نے ہمیں لے
 بات چیت کی اور ان کے لوگ گیت سے کہہ نہیں ہمیں
 کے لیے کہے میرے کام کا زبردست احساس ہوا۔ انہوں
 نے دانتوں جا کر اس کے دلے کی دلچسپی پر رنگ کی اور "ایک
 آئی کی ایٹس اس فرکا حیرت انگیز کارنامہ" کے عنوان سے
 آڑھیں لگھا۔ یہ "محمون شہنشاہ دروندہ انگریز کی رسالے
 "اسٹریٹو ویلیج آف اٹلی" کے 11 ستمبر 1945ء کے
 شمارے میں شائع ہوا۔

اس خبر کے ایک مختصر اقتباس:
 "یہ ایسا عجیب اور اقتصادی کارنامے کی تفصیل ہے
 جس سے چھل ہوئی اور اس خاص قسم کی کامیابی سے ہمیں کوئل کو
 ایک ہونے والا اور خود کام میں تبدیل کر دیا ہے۔ ہمیں آج
 اپنی ثقافت اور روایات پر ہرگز شرمندہ دکھائی نہیں دیتے۔
 اس بات میں زندگی کی ایک نئی پروردگی ہے۔ جس کی سہی نے یہ
 کارنامہ انجام دیا ہے، انہیں ہمیں "مسعود بھگوان" اور
 "مسعود راج" کے نام سے یاد کر رہے ہیں۔
 ایس افسر ہانہ اور ان کا کام کا دورہ کیا۔ یہ ان کا وہ تھی
 لاکھ بھیلوں کے گروہر میں کوئل بڑے اور وہ ان کے دلوں
 میں اس طرح بس گئے ہیں کہ قبائلی کیوں ان کا نہیں
 یہ نام چاہا پاتا ہے۔"

میرے بعد وہ دن بڑے یادگار ہیں جس نے ہمیں
 کے درمیان گزارا۔ میں نے ہمیں کی بھلائی کے لیے
 چینی چیتے کی، انہوں نے اس سے بڑھ کر مجھے عزت دی۔
 آج سے چند برس قبل میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔
 کوئل میں اس طرح سے کہہ دیتے تھے کہ وہ قبائلی میں گزرا
 ہوئے دن یاد آگئے۔ اس وقت میں اس سادہ لوح
 بھیلوں کو بہت سہل کیا۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ میں لندن گیا ہوا تھا۔ وہاں ایٹش کی
 لوگوں کے گفتگوں میں میری ملاقات ہمیشہ کے ایک پاری

2 ماهنامه سرگزشت

2012 年 12 月

فاهنامه سرگزشت

اپریل 2012ء

دانت اس جنگل میں فلاں ڈیٹھی کھنڈ اور پولیس چیف آئے
تھے۔ مسودے ان کے ساتھ رکھ دیئے گئے تھے۔ ساتھ
آئی زانی کی کر ایک لڑکی وہیں مری اور دوسری کی حالت
بہت ڈانگ ہے۔

کھنڈ کو پہلے میرے خلاف بہت بھڑکایا گیا تھا۔ اس
لے میرا خدایا پڑے تھے میں اسے آگیا اور میرے خلاف اعلیٰ
پانے کی حقیقت کرنے کے لیے ایک انکوائری کمیٹی قائم
کر دی۔ اعلیٰ انفرمیلوں سے اصل حقیقت دریافت کرنے
کے لیے آئے لیکن سخت سخت کرنے کے باوجود میرے خلاف
ایک انعام بھی ثابت نہ ہو سکا۔ ہر بات خبر کے سامنے آگئی
تھی کہ میرا دوست قومی کیمیل غور کے ساتھ ملوث تھا اور نہ
جس کا یہ خبر کسی کی کیمیل کا حرم بدل ہوا۔ بلکہ کچھ قومی
سرداروں نے میرے حق میں لیے جو دے بیان دیے جنہیں
سن کر سرکاری آفیسر کھل گئے۔

جب میرے بیان دینے کا موقع آیا تو میں نے بڑے
جذبے کے ساتھ بار بار زبانی اور برصوں کے کیمیل پر کیے
گئے مظالم کی تفصیل سامنے رکھی۔ اس کے ساتھ میں نے
انگریز کٹر کو اپنے خلاف ہونے والی سازش کے بارے میں بھی
آگاہ کیا۔ کھنڈ راسل صورت حال جان کر مجھ سے بہت خوش
ہوا۔ اس نے نہ صرف مجھ پر ہلکے گئے ہر الزام کو بے بنیاد قرار
دیا بلکہ اپنی رپورٹ میں میری کارکردگی کی بہت تعریف کی اور
ہندوؤں کی غلط فہمی کی زبردست مذمت کی۔

ان تمام باتوں کے باوجود دھندے بھوں کے رویتے سے
بدول ہو کر کھنڈ نے مجھ سے کہا۔
”میرے مسودہ اور جوتھائی سامنے آئے ہیں، انہیں دیکھ کر
مجھے خدا سے بے ساری حنا صبر آ کر پچھا نہیں چھوڑیں
گے۔ ان حالات میں یہ علاقہ آپ جیسے افسر کے لیے مناسب
نہیں ہے۔“

اس کی بات سن کر میں سمجھ گیا کہ میرا فرائض
ہو جائے گا لیکن اللہ نے میری عزت بحال کر دی تھی، یہ
میرے لیے سب سے بڑا انعام تھا۔
کھنڈ نے کہہ کر رپورٹ ارسال کر دی۔ گورنر ذاتی
طور پر میرے کردار سے واقف تھے اس لیے وہ بہت خوش
ہوئے۔ راسل گورنر جان کالوں سے جانتا تھا اس وقت اس
دور میں دل رکھنے والے افسر تھے۔ انہوں نے میرے حق میں
اپنے سچے ساتھ ایک برصی فوٹ کی مادی کا جو بکٹی کے
تمام اخبارات میں شائع ہوا۔ اس کی اشاعت کے ساتھ ہی
یہ ہوا کہ تمام میں میری عزت کھنڈ اور شرت بحال ہوئی اور

سب کا اصل حقیقت معلوم ہوئی۔
کیمیلوں کے لیے مجھے میرے کام نے اس حد تک
شہرت پائی کہ میرے یہ منصب افسر ”مسودہ کیمیل“ کہنے
گئے تھے۔ اس طرح ایک اور نام مجھ سے منسوب ہو گیا۔
☆☆☆

دوسری عالمی جنگ کے ختم ہونے کا وقت قریب آ گیا
تھا۔ ملک کی سیاسی صورت حال تیزی سے تبدیل ہو رہی تھی۔
ہندوستان میں انگریزوں کا اقتدار اڑنے کے عالم میں تھا۔ شاید
ہے انتظامی اور سیاسی مسائل کا ادارہ کرتے ہوئے سر جان
کا دل میں سوچا کہ سر دار کیمیل جیسے منصب لہڈوں کی
وجود میں میرے لیے کی گھر کی حکومت مسودہ حوام
دوست مسلمان افسروں کو رکھ کرے گی۔ اس لیے انہوں نے
بہت سوچ سمجھ کر میرا تبادلہ کیمیل سے صوبہ سندھ میں کر دیا۔
سر جان کا دل میری کارکردگی سے اتنے متاثر تھے کہ انہوں
نے سندھ کے گورنر فرائس موڈی کو لکھے گئے اپنے خط میں
میری انتظامی صلاحیتوں کی تعریف کی، انہوں نے اپنے خط

”اس قدر مسلمان افسر کا ہر طرح خیال رکھا جائے۔
ہندو برصیوں نے ان کے خلاف بے بنیاد روپیٹیلڈا کر کے
انہیں خزانہ شخصیت بنا دیا ہے۔ جس کے سبب اعلیٰ عہدوں کے
قائم رہنے والا انگریز برصیوں کی طرح کرتے رہے ہیں۔“
آخر کار میرا فرائض فر ہو گیا۔ ڈھولپا خاندانی سے میری
واپسی کا سفر بڑا دردناک تھا۔ اس دن جنگل کے چاروں
تک دھڑک جیمیل میرے ہنسنے کے اور گرجا ہو گئے۔ ان
میں سے کسی لوگ اپنے ذہنی طور پر برصیوں سے عجیب و غریب
رہیں اور اگر بے تھے۔ اس وقت قوم نے واقعی پھانسا دیا تھا
ان کی بات تھا۔ میری اس طرح کی جدائی ان کی برداشت سے
بارہو بی جا رہی تھی۔

میں نے انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی ہدایت کی اور پھر
میں نے ان کے سامنے ایک وعدہ پھر کر اور نئے حالات کے
مطابق کام کرنے کے آخری مشورے دیے۔ وہ اس طرح
برصیوں کو اپنے ایک سچے انہیں کوئی اہلی کام سنا ہوا۔
پھر میں نے ایک ایک کے پاس جا کر اسے ملی دی اور آخری
بار سب سے پیارے ملا وہ سب جذباتی ہو رہے تھے۔
جب میری سواری روانہ ہوئی تو کئی تانکوں نے بلند آواز
سے رونا شروع کر دیا۔ پچھانیا ہے کہ اس موقع پر
میں بھی جذباتی ہو گیا تھا۔



دوسری زندگی

ظفر سعید



ایک ایسا واقعہ جسے عقل کی سوئی پر پکن مشکل ہے

سینٹ پال ہوئی سائیل ڈیپارٹمنٹ کے پائیس
افران مارک بیکر اور راکل جگ کایک مسودہ دار داتا۔ پچھلے کو
کہا گیا۔ وہ فوری طور پر ہیڈ کوارٹر سے روانہ ہو گئے۔ مارک
تقریباً پچاس برس کا تجربے کا راجہ تھا اور اس کے بڑے
پر کی کامیاب نہیں تھے۔ اس کا ساری راکل جوان تھیں
اس کی عمر بھی تیس برس سے کم تھیں۔ راکل کم عمری میں ہی
طور سچائی آپا تھیں پھر اپنی ذات کی وجہ سے ترقی کرنا
یہاں تک پہنچ گیا تھا۔ کیمیل میں جائزہ لے مارک کو جانے
دار دات کے بارے میں بتایا تھا اس لیے راکل نے خبر تھا۔
اس نے راستے میں پوچھا۔ ”وہ درجہ پھر کیا تھا۔“

”جانا کہاں ہے؟“
”خبر سے باہر ایک چھوٹا قصبہ چارلس ویلی ہے وہاں
جاتا ہے۔“
”میں نے دیکھا ہے۔“ راکل نے سر ہلایا۔ ”بڑی
غریب صورت جگ ہے۔ وہاں زیادہ تر امیر گھر ہیں اور وہ
دور سے ہوتے ہیں۔ ایک بڑی عیاری کی عیال میں ہی ہے۔ لیکن
ہوا کیا ہے؟“

”دیکھیں ہوئی سائیل کا ہوتو کیا ہوتا ہے۔“ مارک نے
باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیونکہ ان کا کہا ہے ایک جھوٹا پکن ہے۔“

وہ اپنے بیٹھ سے بہت محبت کرتی تھی۔ جب وہ مرا تو اس نے
اس موت کو تسلیم نہ کیا اور اسے زندہ کرنے کے لیے مخفی
علوم کا سہارا لینے کی کوشش کی۔ وہ مردہ زندہ تو ہو گیا
مگر پوری دنیا کے لیے خطرہ بن گیا

شلی کا بڑا ایک خود میں کوئی رے والی اور خوف زدہ
کی لڑکی تھی لیکن اسے آزادی کا اسے چھکانے کے لیے کالے ہونے
کی۔ مال باپ کی ایک ہی اولاد تھی لیکن وہ اپنی زندگی میں
کھنڈ رہنے والے ہو گئے تھے اور شلی کو اس کے حالی پر چھوڑ
رکھا تھا۔ اسکول سے واپسی پر وہ گھر میں اکیلی ہوتی تھی۔ اس
کے مال باپ دونوں چاب کرتے تھے۔ شام کو کام سے آئے
کے بعد وہ اس طور سے تفریح کرتے تھے کہ لگ جاتے تھے۔ شلی کو
ڈرنگی اکیلے کرنا پڑتا تھا۔ انہیں شلی کی برداشت تھی۔ ایک دو
بار وہ صرف ان کو تنگ کرنے کے لیے دیر تک گھر سے غائب
رہی جب ہی انہوں نے کوئی رنگ لیا کہیں کیا تھا۔ نگ آکر
شلی نے بھی ان کی بردار کرنا چھوڑ دی۔

اسکول سے واپس آ کر شلی نے کہا کہ آج کے کوئل نہیں جاتا
تھا اس لیے وہ اکثر نزدیک جنگل میں چلی جاتی اور کیٹے
دھن کر لاتی تھی۔ یہاں اس کو سکون ملتا تھا ایسا سکون جہاں
اسے گھر میں نہیں ملتا تھا۔ اس کے ذہن میں عجیب عجیب سوچیں
آتی تھیں۔ اس کی ہوس تھی کہ اسے پانے مال باپ کو تنگ کر دے
جتنیں اس کی بالکل بری برداشتیں ہیں۔ اور وہ میں خود میں
رہنے میں پھر وہ اس سوچ پر کاب پائی۔ دل ہی دل میں
ایسا سوچے پھر خود کو ملامت کرتی تھی۔ کی اسے خیال آتا

”مکان کو شیشی کی دن سے دیر تھا۔ آج دودھ بچھانے والے نے پھس کو طالع دی کہ کئی دن سے دودھ

دیکھا۔

”یہاں کیا ہوا ہے؟“ مارک نے مکان کی طرف

پہنچ کر دیکھا۔ وہ سب کچھ دیکھ کر ہلکا ہوا۔

”یہاں کی پولیس کا یہ ہوا کہ ایک اور کئی دہائیوں

پہلے سے پہلے سے موجود تھے۔ اس دور میں گھرانے طرز

کے خوب صورت مکان کے سامنے والے حصے میں چلی

پہنچ گئی تھی جو اس بات کی علامت تھی کہ وہاں کئی دہائیوں

پہلے سے اور پولیس نے اس جگہ کو غیر متعلقہ کر دیا ہے۔

کر دیا ہے۔ سوچ پر سوچ دیکھ کر شریف انہیں کار

سے اتر کر دیکھ کر تیزی سے ان کے پاس آیا۔ مارک نے

اسے اپنا کڑا دھکا تو وہ دھوب ہو کر بلا۔ ”یہاں شریف

ماہیگر کڈوں ہوں۔“

”یہاں کیا ہوا ہے؟“ مارک نے مکان کی طرف

پہنچ کر دیکھا۔ وہ سب کچھ دیکھ کر ہلکا ہوا۔

”یہاں کی پولیس کا یہ ہوا کہ ایک اور کئی دہائیوں

پہلے سے اور پولیس نے اس جگہ کو غیر متعلقہ کر دیا ہے۔

کرنے لگا۔ اسے کسی جانور کے نشان کی تلاش کی گئی

تھی۔ ”لاشوں کی فرش اور دوسری چیزوں کا معائنہ

موقوف کیا گیا۔“

تھے۔ سوچ کر دھکا تو دے لاشیں بالکل خراب ہونے

لگ رہی تھیں۔

”یہاں کی پولیس نے اس جگہ کو غیر متعلقہ کر دیا ہے۔

کر دیا ہے۔ سوچ پر سوچ دیکھ کر شریف انہیں کار

سے اتر کر دیکھ کر تیزی سے ان کے پاس آیا۔ مارک نے

اسے اپنا کڑا دھکا تو وہ دھوب ہو کر بلا۔ ”یہاں شریف

ماہیگر کڈوں ہوں۔“

”یہاں کیا ہوا ہے؟“ مارک نے مکان کی طرف

پہنچ کر دیکھا۔ وہ سب کچھ دیکھ کر ہلکا ہوا۔

”یہاں کی پولیس کا یہ ہوا کہ ایک اور کئی دہائیوں

پہلے سے اور پولیس نے اس جگہ کو غیر متعلقہ کر دیا ہے۔

کر دیا ہے۔ سوچ پر سوچ دیکھ کر شریف انہیں کار

سے اتر کر دیکھ کر تیزی سے ان کے پاس آیا۔ مارک نے

اسے اپنا کڑا دھکا تو وہ دھوب ہو کر بلا۔ ”یہاں شریف

”یہاں کی پولیس نے اس جگہ کو غیر متعلقہ کر دیا ہے۔

کر دیا ہے۔ سوچ پر سوچ دیکھ کر شریف انہیں کار

سے اتر کر دیکھ کر تیزی سے ان کے پاس آیا۔ مارک نے

اسے اپنا کڑا دھکا تو وہ دھوب ہو کر بلا۔ ”یہاں شریف

ماہیگر کڈوں ہوں۔“

”یہاں کیا ہوا ہے؟“ مارک نے مکان کی طرف

پہنچ کر دیکھا۔ وہ سب کچھ دیکھ کر ہلکا ہوا۔

”یہاں کی پولیس کا یہ ہوا کہ ایک اور کئی دہائیوں

پہلے سے اور پولیس نے اس جگہ کو غیر متعلقہ کر دیا ہے۔

کر دیا ہے۔ سوچ پر سوچ دیکھ کر شریف انہیں کار

سے اتر کر دیکھ کر تیزی سے ان کے پاس آیا۔ مارک نے

اسے اپنا کڑا دھکا تو وہ دھوب ہو کر بلا۔ ”یہاں شریف

ماہیگر کڈوں ہوں۔“

”یہاں کیا ہوا ہے؟“ مارک نے مکان کی طرف

پہنچ کر دیکھا۔ وہ سب کچھ دیکھ کر ہلکا ہوا۔

”یہاں کی پولیس کا یہ ہوا کہ ایک اور کئی دہائیوں

پہلے سے اور پولیس نے اس جگہ کو غیر متعلقہ کر دیا ہے۔

”یہاں کی پولیس نے اس جگہ کو غیر متعلقہ کر دیا ہے۔

کر دیا ہے۔ سوچ پر سوچ دیکھ کر شریف انہیں کار

سے اتر کر دیکھ کر تیزی سے ان کے پاس آیا۔ مارک نے

اسے اپنا کڑا دھکا تو وہ دھوب ہو کر بلا۔ ”یہاں شریف

ماہیگر کڈوں ہوں۔“

”یہاں کیا ہوا ہے؟“ مارک نے مکان کی طرف

پہنچ کر دیکھا۔ وہ سب کچھ دیکھ کر ہلکا ہوا۔

”یہاں کی پولیس کا یہ ہوا کہ ایک اور کئی دہائیوں

پہلے سے اور پولیس نے اس جگہ کو غیر متعلقہ کر دیا ہے۔

کر دیا ہے۔ سوچ پر سوچ دیکھ کر شریف انہیں کار

سے اتر کر دیکھ کر تیزی سے ان کے پاس آیا۔ مارک نے

اسے اپنا کڑا دھکا تو وہ دھوب ہو کر بلا۔ ”یہاں شریف

ماہیگر کڈوں ہوں۔“

”یہاں کیا ہوا ہے؟“ مارک نے مکان کی طرف

پہنچ کر دیکھا۔ وہ سب کچھ دیکھ کر ہلکا ہوا۔

”یہاں کی پولیس کا یہ ہوا کہ ایک اور کئی دہائیوں

پہلے سے اور پولیس نے اس جگہ کو غیر متعلقہ کر دیا ہے۔

لے اسے پرکڑی بھی لگا لی ہوئی تھی۔

☆☆☆

مارک دابیں اندر آیا تو ڈاکٹر آچکا تھا اور لاٹھوں کا سامیہ گریبا تھا، مارک اس کے پاس چلا آیا۔ "کیا خیال ہے کتنی پرانی یہ ہے لاشیں؟" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "لیکن اسے اعزاز دے دوں گے۔"

مارک اور اس کا چھوڑ دیں۔ جسے کہ ڈاکٹر اور فارنک لیب کے سنبھلے ہے اپنا کام کر لیا اور دابیں چانگ میں ڈال دی جانے لگیں۔ ڈاکٹر سامیہ مکمل کر چکا تھا اس نے مارک کو بتایا۔ "جرت انجی ربات ہے اپنا ایک رہا ہے مجھے کسی انسان نے اس کو صرف دانتوں اور انگلیوں کی مدد سے چڑھا چاڑ دیا۔"

مارک اور اس کو چمک گئے۔ دابیں نے پچھا۔ "تو یہ کسی جانور کا کام نہیں ہے؟"

"جہیں پہلے نہیں کسی نے سمجھا تھا کہ کسی بڑے جانور نے اسے کھسکا ہے۔ لیکن ان کے جھسور پر افسانہ راتوں اور انگلیوں کے نشانات واضح ہیں۔ ان کے سینے اور پیٹ سے کچھ اعضا جیسے جیغی اور بلی جیغی غائب ہیں۔ سامنے سے گوشت بھی خالی ہوا ہے۔"

"میرے خدا! کیا ان پر کسی آدم خود نے حملہ کیا ہے؟" مارک بولا۔ "کیا ان کو گوشت کھایا گیا ہے؟"

"شاید۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "کیا میں لاشیں اٹھوا لوں؟"

مارک نے اجازت دی۔ کچھ دیر میں ملے لاٹھوں سمیت رخصت ہو گیا۔ کیونکہ سوائے لاؤنچ کے باقی کھر صاف تھرا تھا اس لیے اس پر تو جیسے دی گئی تھی لیکن مارک کا خیال تھا کہ کچھ اس کا کھر بھی ایک نر ڈال لینی چاہیے۔ اس کو پیش دالنے کے لیے اسے صرف دو یہاں رکے جسے جب تک ہوئی سائیڈ کی طرف سے کھر کھلی آتا مکان پر پولیس کا پہرہ لاڑی تھا۔ مکان کا پتلا حصہ ایک لاؤنچ کے اوپن فیسٹ گاہ اور ڈاننگ روم پر مشتمل تھا جس کے ساتھ ہی کچن تھا۔ بیلے مردا پر سے۔ وہ اوپر منزل کے آئے یہاں دو بیٹے روم تھے۔ اس کے علاوہ ایک بڑا سا ٹریس بھی تھا۔ مارک اور اس الگ الگ ایک بیلے دوسرے میں داخل ہوئے اس طرح اس کا چل دی منت جاتا۔

مارک مسز اور مرزینس کے بیڈ روم میں آیا تھا۔ اس

نے سب سے پہلے بیک کی سائیڈ روم کی تلاشی لی۔ اس میں دھن تھا جو عام طور سے سائیڈ رومز میں پایا جاتا ہے۔ پھر اس کی توجہ ایک طرف رہے۔ وہ بیک کی طرف گئی اس نے بیڈ بیک کھولا۔ یہ سرزمین کا عجیب ہوا۔ اس میں اس کا ڈیوٹی بک ایجنٹس اور سول کی سکورٹی کا ڈر تھا۔ بیٹھے تھے کچھ لڑکے۔ وہ کس کی سیٹل کس کی سیٹل کا کارڈیں تھا ان کے علاوہ کام کرتی۔ اس کا پورا نام آرینٹینس تھا۔ اس کے علاوہ بیک بیک میں کچھ نام اور ایک کرینٹ کارڈ تھا۔ اس نے پچس دابیں رکھ دیا۔ لٹاریوں میں سوائے کپڑوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ ایک طرف ریزائن اور بیک پر کچھ لٹاریاں تھیں۔ اس میں اوپر کتا نہیں تھیں اور نیچے دروازوں میں مختلف سامان بھرا ہوا تھا۔ مارک نے سب سے نیچے والے دروازہ کو کھلی تو اس میں اسے ایک درمیانی ڈائری نظر آئی تھی۔ مارک نے ڈائری کھلی اور اس کا پتلا کھولتے ہی اسے پتہ چل گیا کہ یہ آرینٹینس کی ڈائری تھی۔

"اے مارک۔" دابیں نے کمرے میں جھانکا۔ "درا

اگر آنا۔"

دابیں اسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ "یہ کسی نوجوان کا ہے۔ یہ دیکھو لٹاریں میں کپڑے اور دوسری چیزیں ہیں۔"

بیلے روم کی جوجان کے لحاظ سے تھا۔ لیکن وہاں سوائے کپڑوں کے اور کچھ چیزیں تھیں۔ یہ ڈیوٹی روموں پر تصویر تھیں۔ یہ ڈیوٹی روم کچھ قسم کا اور دوسری چیزیں میڈیا ایکٹر تھیں جن کے بغیر آج کل کے جوجان کی صورت گزارا نہیں کر سکتے تھے۔ سوائے سونے اور پینے کی چیزوں کے کھرا بائیں خالی تھا۔ حد یہ دابیں کوئی پرستے والی چیز بھی نہیں تھی۔ سوال یہ تھا کہ اگر یہ کمرہ کی جوجان کا تھا تو وہاں کچھ تھا؟ ڈیوٹی روم میں تھیں تو ان میں تھا کس کا مکان تھیں صرف ایک جواز تھا۔ یہ اور وہ مسز اور مرزینس تھیں پھر یہ جوجان کہاں سے آ گیا اور کہاں گیا؟

"میرا خیال ہے اس بارے میں مائیکل زیادہ بہتر بتا سکے گا۔" مارک نے کہا اور وہ بے آئے۔ مائیکل باہر اپنی گاڑی میں موجود تھا اور سردی سے ہنسنے کے لیے اس نے شیشے چڑھائے ہوئے تھے۔ مائیکل بچہ کر دیا تھا۔

"مائیکل اس کھر میں کوئی جوجان بلا کر کیا ہے؟"

"میری کہانی کے مطابق تو کوئی نہیں ہے۔"

مائیکل نے سوچ کر کہا۔ "میں مسٹر پریٹینس سے ذاتی طور پر

دافت ہوں وہ بہت اچھا بیٹا ہو جاتا ہے۔"

"اس کا نام کھلیج ہے۔" مارک نے سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا ان کی کوئی اولاد نہیں ہے۔"

مائیکل چنگا۔ "ہاں۔۔۔ میں بتانا بھول گیا۔ آرینٹا اور کھلیج کا ایک بیٹا بھی تھا لیکن پھر وہ غائب ہو گیا اور اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔"

"تو صرف وہاں غائب ہوئے اور اس وقت اس کی عمر کیا تھی؟"

"یہ شاید سات سال پرانی بات ہے اس وقت لڑکے کی عمر شاید بارہ سال کی۔" نام رہتا تھا۔ اس وقت میں نیا نیا شریف آکس میں آ گیا تھا۔

"پریس نے کس کو قتل کر دیا تھا؟"

مائیکل نے سر ہلایا۔ "ایسا ہی ہوا تھا جس بھی تفتیش کرنے والوں میں شامل تھا۔"

"میری تفتیش غائب ہوا تھا؟"

"ایک آواز کو وہ عمر سے لگلا اور دابیں نہیں آیا۔ اس کے باپ کا کوئی معلوم کر دہاں اور کیوں غائب ہوا؟"

"اور یہ ایک کمرہ ایک لڑکے کے لیے بالکل سیٹ ہے۔ اس میں مناسب فرنیچر اور کچھ اور دوسری چیزیں موجود ہیں اور سب استعمال میں ہیں۔ لیکن لڑکا نہیں ہے۔"

مائیکل اس اطلاع پر ہر آن ہوا تھا۔ مارک نے اسے برائیت کی کہ وہ اس بارے میں آس پاس معلوم کرے۔ مائیکل نے دور ہو کر دابیں نے مارک سے کہا۔ "اب کیا کرنا ہے؟"

"ابھی یہاں کام ہے۔" مارک نے کہا اور اسے لاڑی دکھائی۔ "اے۔۔۔ جھانکنا ہے اچھے اچھے اس کا کام کیا ہے؟"

مارک نے لیکن اس سے پہلے نہیں جھانکا۔ وہ غافل دیکھتا ہے۔

دابیں چنگا۔ "اس کی وجہ؟"

"جس طرح لاؤنچ۔۔۔ میں دروازے کا شیشہ تو ہے اس طرح جیسے تھانے کی کھڑکی کا شیشہ بھی ہونا ہے۔"

دابیں نے سر ہلایا۔ "لیکن تھانے کا دروازہ کس طرف ہے؟"

"شاید اوپر جانے والی میزیوں کے نیچے۔" مارک نے اندر کی اندر جانے ہوئے کہا۔ وہ اندر آئے اور دابہاری اسے آخر میں میزیوں کی طرف آئے۔ مارک کا

اعزاز درست لگلا۔ دروازہ اور اس کی طرف تھا۔ لیکن یہ بند تھا۔ کھلی کے علاوہ کھلی کی بجائے اس جیسے اس بہت مضبوطی سے بند کرنا مقصود ہو۔ دابیں نے کھلی بیٹائی اور پھر کھلی جھانکے۔ وہاں سے دابیں نے کھلی بیٹائی کی جگہ صرف خلا تھا۔

☆☆☆

عورت اسے کپڑے سے کھلی اور اسے ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھا۔ شکی کو نہیں تھیں آ رہا تھا کہ صورت سے اتنا خوف نظر آئے والا مرد اس طرح دوستی سے پیش آ سکا ہے۔ وہ اسے دروازے تک لائے۔ عورت نے پتلا کمرہ لے گیا۔ "کھولنا ہے۔ اس میں چیلر لگا چھٹکانا ہے۔"

"چھڑو دیکھئے۔" دابیں نے حراحت کرتے ہوئے کہا۔

مرد نے اس کا بازو چھڑ کر دروازے سے گلی بیٹائی اور پھر کھلی کی جگہ دروازہ کھول دیا اور فری عورت نے شکی کو دکھایا۔ اس کے کندھے سے بیچ گلی اور وہ تقریباً سٹ فٹ نیچے فرش پر جا کر گئی تھی۔ اوپر سے عورت نے نفرت سے کہا۔ "تسپا۔۔۔" اور دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔ شکی اٹھ کر بلی کی طرح اُٹھی اور بیٹے دروازہ بند ہو چکا تھا۔

سے بیٹے بیٹائی جا چکی تھی اور وہ کسی صورت دروازے تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ بیچ بیچ کر ان دونوں کو بڑا کھلا کہتے تھے۔ لیکن وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ شکی بول کر کھلی کی طرف تھی تو وہاں سے ایک کڑی گئی اس کی جھمک نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا کر دہاں دھندہ ہے۔ ان لوگوں نے اسے کیوں اٹھا کیا ہے اور پھر اس طرح سے کس لیے قید کر کے رکھا ہوا ہے اور اب تھانے میں لایا چھکا ہے اس کی میزیاں بھی نہیں لیں وہاں کیسے جانے گی؟

شکی صرف ڈری ہوئی تھی۔ یہاں تھانے میں روشنی نہیں تھی عورت کو کھلیوں کے کھر روشنی بچے آ رہی تھی۔ تھانے میں جا بجا کھانڈ اور پرانی چیزیں رکھی تھیں۔ ان پر پڑنے والی روشنی سے سایہ اور تاریکی کا ایسا احتجاج رہا تھا خوف زدہ کہ وہ والا تھا۔ اب ایک اسے کوئی آواز نہ تھی۔ لیکن مارک ہوئی اس نے سانس لیا تو روک لی گئی اور ساری قوت بااحت پر لڑ گئی اور اس کی تھانے سے آگئی اس کا مطلب تھا کہ کوئی اور بھی موجود تھا۔ آواز دوبارہ آگئی اور اب ایک جیسے کوئی غرار ہو گیا آواز میں خرخرا بھی شامل تھی۔ شکی لڑ گئی وہ بیٹائی تھا۔

ایک سخت حال کنوڑہ ملا اور ٹپکی اسی میں پانی پھر کر پینڈے کا لائی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ٹپکی نے سہارا دے کر اسے اوپر اٹھایا۔ "لو پانی پی لو۔"

وینڈے نے پانی پیا جو کئی قدر گرم تھا اس سے اس کے دیکھے گئے کوئی سکون ملا تھا اور اس نے پہلی بار ہنسنے کہا۔ "ہاں لائیں۔"

"کیا تم بھرا ہوئی۔" "کیا مطلب؟"

"ابھی جب تک پینک ریج تھی تو میں ایسا ہی رہا تھا۔" اس نے سرگرمی میں کہا۔ ابھی اس کی آواز بلند نہیں تھی۔

"ہاں ام ایسے ہی رہے تھے۔" ٹپکی بولی۔ "جہادری اس بات کا کیا مطلب ہے؟۔۔۔ جہاد سے ماں باپ نے نہیں یہاں کیوں بند کر رکھا ہے؟"

"تینکھ سن سال میں ایک بار چاندی آخری تاریخ کو صرف تین دن جا تا ہوا اور کسی انسان کا خون و گوشت طری مجھے دوسری زندگی دیتا ہے۔ گرا گیا۔ بدبو میں جا غلط ہو جاتا ہے۔ ہونے پر ذمہ نہیں رہوں گا۔" اس نے بے بسی سے کہا۔ "میں کیا کروں میں بدل نہیں سکتا۔"

"تو جہاد کب رہے ہو؟" ٹپکی کا منہ کھلی تھی۔

اس نے مضمر انداز میں سر ہلایا۔ "بے پیری زندگی کا سب سے سچ ہے۔ اکیلا دہرے میں سے خود کو کی کوشش کی۔"

ٹپکی ڈر رہی تھی لیکن ساتھ ہی اسے وینڈے سے بھوری بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے سامنے میں ایسا درد تھا کہ وہ فوراً سانس کی بات پر نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے سامنے ہی وہ چاہی کہ چندے میں ٹپکا تھا اور تھا وہ ٹپکی کچھ دور اسے نہ دیکھتی تو دور جاتا اور کچھ نہیں کہہ سکتا تھا تو اس نے خود کو کی کوشش کیوں کی؟ ٹپکی کچھ دور اسے دیکھتی رہی پھر اس نے آہستہ سے پوچھا۔ "تم ایسے کیوں ہو گئے؟"

وینڈی انکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

☆☆☆

مارک ڈائری کے ورق اٹھ رہا تھا کہ ایک صفحے پر لکھ گیا۔ تاریخ دو اگست 1995ء کی کبھی آرتھ نے لکھا تھا۔ "آج ہماری زندگی کا سب سے اہم دن ہے۔ ہمارا بار بار پتھر پھیلنے میں دوڑ کر مریا میں نہیں جاتی کہ یہ کیسی کیفیت تھی۔ وینڈہ کو پتہ تھا کہ میں آج تھا۔ ٹپکی نے آرتھ سے دو تو تھیں کہ کنارے پر بھی قہقہے نہیں کر سکتا تھا۔

ہماری توجہ کچھ دیر کے لیے مٹی اور پینڈے کشی کے چھیل میں چلا گیا۔ جھڑپیں اُڑ رہی تھیں اس کے چلانے کی آواز دہلی تو تھی اسے جانے کے لیے جہاں کی لین جب تک میں وینڈے پہنچ دوں وہ پچھا تھا ماریا دنیا تاریک ہو گئی۔۔۔ اس نے آگے دوڑنے میں ایک تھکے ہوئے جسم اس پر آکر گرے ہوں۔

مارک نے ایک طرف پلٹا جو چارٹ کا تھا۔ "ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ وینڈی کی موت کی اطلاع کسی کو نہیں دیں گے۔ اسے جہانے میں رکھ دیں گے جہاں ہم دوا دے دیں گے۔ پچیس میں وینڈی کی کم شہر کی رپورٹ لکھوا دی ہے۔ ہمارا نتیجہ۔۔۔ ہماری تو دنیا بچ رہی تھی۔"

اس سے کہ تاریخ چار جون 1996ء کی تھی۔ "ٹپکی کی خاندانی لائبریری دیکھتے ہوئے مجھے ایک بہت قدیم نسخہ دکھایا دیا ہے اس نے پھر اسرار دوم اور جادو کی حیرت انگیز کتابیں بھی کھلی تھیں۔ ٹپکی کا کہنا ہے کہ سب بھلاؤں میں ایک ایسی کتاب ہے جس کی حقیقت میں اس کی کتاب ایک جگہ بڑی عجیب کی بات تھی ہے۔ آپ اپنے سر ملے والے کی پیادے کو گوند کر کھاتے ہیں۔"

ساتھ فروری۔ "ٹپکی کچھ حد تک متفق ہو گیا ہے کہ میں کل کے دیکھنا چاہے۔ ممکن ہے ہمارا وینڈے میں وہاں مل جائے۔ میں صرف ایک مرکز لکھ رہی تھی۔ ٹپکی کبھی اس کتاب سے۔ میں اسے کرنے کے لیے تیار کر رہی ہوں۔"

بارہ فروری۔ "آج میرے لیے بہت اہم دن ہے۔ آج رات سوچ کر غروب ہونے کے بعد جب مکمل تاریکی چھا جائے گی تو ٹپکی کل کے گھر آئے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا زندگی بھر وہ ایک بار پھر ہمارے درمیان ہوگا۔"

تیرہ فروری۔ "میرے خدا میں کیا کروں میں ہلک رہا ہے میں خوشی سے مری جاؤں۔ ٹپکی کا کیا ہوا کل کا سیلاب پر وینڈہ جو باکل خشک ہو گیا تھا دوبارہ سے زندہ اور گوشت پوست و ہڈی بن گیا وہ ہمارا چاہے اب ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا۔"

اس کے بعد کئی مضمر معمول کے مطابق تھے ان میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ پھر دو فروری 1997ء کی تاریخ تھی جس کی ایک سال کی بھڑکی۔ "میرے خدا میں کیا کروں۔۔۔ مجھے یہی صورت حال غروب ہوا۔ وینڈی کی حالت خراب ہو گئی۔ کئی کی گرج چلک کے ساتھ وہ توجہ تھا اور پھر اس کی شکل صورت ہی بدل گئی۔ میں اور وینڈہ غروب سے اپنے کمرے میں بند ہو گئے اور وہ باہر نکل گیا۔ جب کوئی تو ہم نے وینڈہ

ان حال میں اپنے کمرے میں سوئے یا یا کس کا لباس نہ اور اتھارن آلودہ رہے تھے۔ جانے میں اس نے بتایا کہ اس نے خواب میں ایک بچہ کو کھینچنے میں لگا کر کل کر دیا اس کا گوشت کھایا۔ لیکن اس کی حالت تباہی میں اس نے کام خواب میں نہیں بچ کر کھتا تھا۔ اور وینڈہ خشک میں اسے جہاں اس بچے کی لاش مل گئی۔ ہم اسے جانتے تھے کہ گوند رو رہے ہیں والے ایک کسان کا بیٹا تھا اس سے پہلے کہ کوئی لاش کو دیکھتا ہے اسے اس کے ساتھ ایک جگہ دفن کر کے اس سے سارے نشانات مٹا دیے۔"

اس کے بعد ڈائری میں مزید کئی صفحے کا اضافہ بہت دیر بعد ہوا تھا۔ یہ اسی سال کی دسمبر کی جیسے تاریخ تھی۔ "میرا کمرہ خراب تھا۔ ہماری ٹپکی کی بلکیری کی ٹپکی کی تھم میں وینڈے کی صورت میں ایک حضرت کو گوند کر دیا۔ اسے مال میں زندہ رہنے کے لیے کسی ایک انسان کی ضرورت پڑتی ہے، وینڈہ کو دیکھ کر کہنے۔ اگر وہ انسان نہیں کر سکتا ہے اس کی حالت خراب ہونے لگتی ہے۔ اس بار میں اس کے لیے انسان کا سر کا ہوا تھا۔ یہ ایک لوجان کا ذمہ ہے ٹپکی کے دعوے سے گھر لے آیا اور ہم نے اسے خدا خانے میں وینڈے کے ساتھ بند کر دیا۔"

آخری قریب سال پہلے کی تھی۔ "ہم اس کے لیے انسان کا سر کرتے اور ان کی بچی کی لاشیں دفن ہوتے دیکھتے ہیں گھر کیا کریں وینڈہ ہماری اولاد ہے، خدا سے کہتے ہیں اور نہ اسے اکیلا چھوڑتے ہیں ہم کیا کریں۔۔۔"

مارک کو لگے وہ کوئی بار بار اسواری پر دھ رہا ہو۔ اس اڑتی میں جو کھٹا تھا اس پر نہیں کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس سے یہ سوال ضرور پیدا ہوا تھا کہ کیا یہاں اس کے قتل پر ان کے پاس سے قطع نظر اور کتنے بار وہ کوئی لڑکا تھا کہ ان پر بھریاں ان لایا جائے کہ کتنے جوڑے اسے اپنے لڑکے کو کس طرح زندہ کر لیا تھا وہ کہاں تھا؟ رائل وائس کا کیا تھا اور یہ خدا کا کیا کام تھا کہ وینڈہ اس نے مزید کئی مہینوں پر اسے خود کشت کے گھوڑوں کے پرنے نشانات تلاش کیے تھے۔ وہ مارک کے پاس آیا۔

"ابنا کنگ ہے جیسے ایک جگہ کوئی دعوہ رہتا تھا جو تکل ان کرنا تھا۔"

مارک نے ڈائری اس کی طرف بڑھائی۔ "وہ دیکھو اس سال سے نہیں اندازہ ہو گیا تھا ہوتا ہے۔"

رائل نے ڈائری دیکھی اور جن جن مضمون پر مارک نے نشان لگائے تھے ان کو جڑھا۔ ہاں اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ آخری صفحہ پر دھ کر اس نے مارک کی طرف دیکھا۔ "ابنا کنگ اس سے کیا تم نے اس پر نہیں کر لیا ہے؟"

مارک نے ٹپکی میں سر ہلایا۔ "میں اس قسم کی باتوں پر نہیں نہیں دیکھتا تھا اس سے میں بتا چکا ہے کہ کیا یہاں کم ایک لوجان آئی ہوگی تھا اور اس نے خدا خانے میں جا رہا ہے۔" اس نے وینڈہ کو لکھنے کے مضمون کا ذمہ داری ہے۔ اگر وہ لڑکا مل جائے تو شاید ان مایاں بیوی کے کئی کا سامنا بھی حل ہو جائے۔"

"تمہارا مطلب ہے قاتل وہی لڑکا ہے؟"

مارک نے سر ہلایا۔ "لاٹوں کی حالت تباہی سے کہ انہیں کسی انسان نے ہاتھوں اور دانتوں سے آدھ کر بلاک کر دیا ہے۔ ممکن ہے یہ وہی لڑکا ہو جو کسی وجہ سے آدم خور ہو گیا ہو۔" اسے بالآخر اس نے بال باپ کی ہلاکت کر دیا۔

"اگر یہ بات جواز دہی میں تھی ہے اس پر نہیں نہیں کیا جا سکتا ہے تو پھر لڑکے کے آدم خور بننے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

مارک نے سوچتے ہوئے کہا۔ "مکن ہے لڑکا کسی نفسیاتی وجہ سے آدم خور بنے ہو؟ یا اوہ اس کی ماں نے اس کی پرورش کی ہے کہ یہ کبھی لڑکی ہو جس نے اس کے کم مری کی تھی کوئی کچھ کر رہا ہو اور اس وجہ سے اس کی کم مری کی کبھی بنائی ہو ہو۔ لوگ اپنے جرائم چھپانے کے لیے کیا کیا کرتے ہیں۔ ایسا در وائس سے معلوم کر دو گھر میں کچھ عرصے میں یہاں تھی اس کی کم مری کی تھی جن میں غائب ہوئے وہ ان کا ایک تک کوئی سراغ نہ ہوا۔"

"میں معلوم کرتا ہوں۔" رائل نے کہا اور وائس وہ کیا۔ اس کے جانے کے بعد مارک اس کی پہلی کتاب کی طرف توجہ دیا جو یہ ظاہر اس سامنے فساد کی برکت تھی۔

☆☆☆

ٹپکی حیرت اور خوف سے وینڈی کی کبھی سن رہی تھی۔ وہ ٹپکی میں ایک بار اور اس کا کچھ عرصے بعد اس کے ماں باپ سے ایک جادوئی کل سے ذمہ کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ لیکن اب اسے ذمہ رہنے کے لیے سال میں ایک بار کسی انسان کے خون و گوشت کی ضرورت پڑتی تھی۔ اگر سچے سچے ٹپکی میں تو دوسرے لنگ تھا۔ اس کا جسم کھٹے لنگ۔ جب وہ خاموش ہوا تو کھٹے

کہا۔ ”جہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ ہو سکتا ہے تم نے نہیں ہو بلکہ کسی وجہ سے بے ہوش ہو گئے ہو اور پھر جہیں کسی بیماری لگ گئی ہو بس کی وجہ سے تم... ایسا لگ کر ہے۔“

ریڈ روڈ نے گٹھا چھڑا کر اس نے چلا کر کہا۔ ”نہیں...“

نہیں یہ بیماری نہیں ہے۔ ورنہ جب میں عفریت چلا تو جادو کیوں کر جیتے ہوں اور جین کیوں ہو سکتی ہے، میری جھلکی کیسے بدل چاتی ہے۔ اس وقت میں انسان نہیں رہتا، دو درجن جادو میں جاتی ہوں۔“

”ممکن ہے اس بیماری کا تعلق بالوں کی کرج چمک سے ہو۔“ شہلی نے اصرار کیا۔ ”ریٹنڈ تمہیں علاج کی ضرورت ہے لیکن ان لوگوں نے تمہارا علاج کرانے کے بجائے تمہیں آدم خور بنا دیا ہے۔“

نفرت ہے۔“
 ”اس لیے کہ انہوں نے تمہارا علاج نہیں کیا۔“
 ”نہیں بلکہ اس لیے کہ انہوں نے مجھے زندہ کیا اور پھر
 مرے نہیں۔“ میری خاموشی دوسروں کی جان کے لیے
 ہیں۔ کاش میں ان کو مار سکتا ہوں۔ آگ کیا ہوں۔ لیکن میں کیا
 کروں جب میں عفریت بن جاؤں تو میں خود بخود پراگندہ نہیں رہتا
 ہے اس وقت میرے سامنے جو انسان آئے میں اس پر ہچکچٹ
 پڑتا ہوں۔ چاہے وہ میرے ان باپ کیوں نہ ہوں۔“
 ”ادوہ وہ نہیں اسی وجہ سے ان دنوں یہاں بند کر
 دیتے ہیں۔“ میں بولا۔ ”پھر تمہارے لیے کسی کو کاڑ
 لائے ہیں۔“ میں جیسے بھولنے لگا۔

رہنے سے اس کا ہاتھ تمام لے۔ مجھے تم سے ہو رہی ہے لیکن جب میں صغیرت بنوں گا تو کبھی بارہا زلوں کا اس وقت مجھے اپنی ہوش دل ہوتا ہے کہ میں کس کا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ پہلے دور پہلے دور میں حالت ہو چکی تھی۔ اگرچہ اس کی صورت تھی کہ میں لیکن اس کی انھیں بالکل سفید ہو گئی تھی۔ چنانچہ کبھی چمکی اور بدل چمکے۔ رہنے کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اس نے کیا کر چمکے۔ جاؤ چمکی جاؤ اس سے پہلے کہ میں صغیرت بن جاؤں۔

”میں... کہاں جاؤں؟“
 ”کہیں بھی چلی جاؤ اس سے خانے میں چھپنے کی کئی
 جگہیں ہیں۔ مجھ سے دور رہو... جاؤ۔“ آخری لفظ ادا
 کرتے ہوئے ریڈ کی آواز بھٹ کی تھی اور اس کا جسم لرزنے

شکل ۱: جیسے ہی ریڈ زین پر گر گیا تھا اور وہ پہلے کی طرح جھکے رہے تھا۔ اس کی آنکھیں دوبارہ اوپر چڑھ گئیں۔ اور اس کی گردن جکب جڑھ یعنی اس اور اس فضا سے ریڈ کی حالات خراب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس کی کھال سکڑنے لگی اور اس پر جھریں نمودار ہونے لگیں۔ اس کا سر سامنے سے بڑھ رہا تھا اور اس کی صورت خونخاک ہو رہی تھی اور اس کی آنکھیں ڈر کر پٹی چسپی تھیں۔ ابھی تک ریڈ زین پر ہوا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں بے اختیار انداز میں حرکت کر رہے

تھے۔
 شبلی اس جگہ سے بھاگی وہ تہ خانے کے دروازے
 کے نیچہ آئی اور چٹخ کر رہنڈ کے ماں باپ کو آوازیں دینے
 لگی۔ ”خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکالو... یہ مجھے مار
 ڈالے گا۔“

”چپ کرو۔“ باہر سے عورت کی کراخت آواز آئی۔ ”تجھا انا تیرا قریب ہے اس لیے شورت کرو۔“

”بلیز۔“ بلی نے کھنچا چاہا اس لیے سے پائے میں ایک تیر چڑھائی گئی اور دوڑ کر دروازے سے باہر سے آئی۔ وہ ریک اور سامان کے درمیان میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگی جہاں چھپ سکے۔ اسے ایک ریک کے آخری سے میں کوئی بڑا پوسٹہ بنا ہوا بڑا سا ڈکھائی دیا جس میں ایک سائیکل ملی ہوئی تھی۔ وہ جبکہ کچھ بھٹی گئی اس میں داخل ہوئی اور اسے ریک میں چھپائی۔ بلی نے جہاں جابجا ہوراخ تھے جن سے باہر کا ٹھوڑا سا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جیڑجیڑ چھستانا دی اور ایسا کہ جیسے کوئی زین پر کھٹ کھٹ کر چل رہا ہو۔ بلی نے اپنی سسکیاں دھونے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھا ایک تھا۔ گرا چھٹی دن کی ٹیرس میں طرح طرح کی بھٹی ہوئی اور ڈاکٹر اب اس کی اس طرف سے متحرک ایک ہوراخ سے باہر چھا کر اسے دوسرے کنارے پر ایک عجیب اقلقت چیز دکھائی دی۔ اس کا سر بہت بڑا تھا اور جسم چھوٹا سا۔ وہ زین پر کھٹ کھٹ کر چل رہا تھا۔ بڑے سے سر پر بالکل سفید اکھیں بہت بھیاں تک لدی تھیں۔ اگر اس کے جسم پر بیڑا اور لباس نہ ہوتا تو شاید وہ اسے اب بھی بھینسلیم نہ کرتی۔

وہ سرکھا کھٹکا چاروں طرف دیکھ رہا تھا جیسے اسے تلاش کر رہا ہو اور اس کے منہ سے کراہتی ہوئی آواز نکل رہی تھی۔ وہ کچھ دیر اس راہداری کے سامنے رکا رہا پھر آگے نکل گیا۔ ٹیلی نے سکون کا سانس لیا وہ سیدھی ہوئی تو کوئی چیز اس

کے پیچھے گری اور آواز آئی۔ اس کا دم خشک ہو گیا۔ اس نے ایک بار پھر سوراخ سے آنکھ کھلی۔ ریڑھ اس کی طرف چلا رہا تھا۔ وہ اس نے بھی آواز سن لی تھی۔ شبی نے ہلدی سے ڈبے کے فرش کو کھنڈا آخراں سے اٹھ ایک نٹ اٹکیا۔ ریڑھ بالکل پاس آ گیا تھا۔ کھروہ ڈے کے پیلے کڑے اس کا تپاس اس کا سر (اے ڈبے کا غدا) نظر آ جاتا شبی نے غصے نٹ سے سامان کے ادھر طرف اچھال پادہ کھین دور جا کر اور اس کی آواز پر ریڑھ چونک کر تیزی سے اس طرف چلا گیا۔

پہلی ڈبے کی دیوار سے ٹک کر روکنے کی اس کی
 کوشش بھی کراس کے منہ سے اواز نہ نکلے پائے۔ ورنہ ریڈ
 سے تلاش کرنے اور آواز دے گا۔ اس کی مغریت کی
 صورت دیکھ کر پہلی کو پورا یقین آ گیا تھا کہ اس کا ساتھ
 آئی تو وہ اسے ہتھکے گا۔ ہالوں کی گرج چمک رہی
 تھی۔ لیکن بچہ وہ بھونڈا دل چاہتا تھا۔ گئے۔ گئے۔ دور
 کر کوڑک رہی اور اواز چمک سے نہ خانہ روشن ہو جاتا تھا۔ پھر
 ہالوں کی گرج چمک رہی تھی۔ اب نہ تھانے میں خاموشی کی
 کھینچنے اور کرانے کی آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں۔ پھر اسے
 ریڈ کی آواز سنائی دی۔ وہ کوڑک دے جسے میں نے کچھ رہا تھا۔
 ”تھکے۔۔۔ کہاں ہو میرے پاس آؤ۔۔۔ اب میں ٹھیک

اس کو آواز پرشلی ڈرتے ڈرتے اس جگہ سے نکلے اور
 دو خانے کے اس حصے میں آئی جہاں اپنے ایک دے ایک
 لگاے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کر چونک کر اسے ۱۰۰ روپے وارہ پر بیٹھ
 گیا تھا۔ اس کی جلد پر چھریاں نمودار ہو کر اس کے اوپر
 لاکھ ہوا تھا۔ اس نے شکیلوں کو دیکھ کر ہراساں کی کوئی
 کی۔ پھر خائف لہجے میں بولا۔ ”بس ایک بار دو تم خود کو چالو
 اس کے بعد میں نہ رہیں ہوں۔“
 ”نہیں۔“ شکیلوں نے رو دی تھی۔ ”میں نہیں چاہتی کہ تم
 مارو۔“

رہنے نہ لگی میں رولا۔ "مگر نہیں ہے آج رات
 ہم میں ہے ایک ہی زندہ رہ سکا۔" اگر میں زندہ رہا تو مجھ
 نہیں بچتی اور یہ بات بھی جانتی نہیں ہے کہ میں دوسری کاپی داس
 گاؤں میں کہیں ہے میں زندہ رہوں اور اب دماغ میرے میں کہیں
 تلاش کرتا ہوں۔ "یہ کہتے کہتے کہ اس کا سامنا بھول رہا
 تھا اس نے پھر کہا۔ "ختم ہے سب کچھ جیسا کہ میں نے پہلے
 تھا اپنی جان بچا۔" کبھی کبھی ہوش کی لکڑی ان میں سے انہوں
 ہم سے بھی نکلتی سکا۔ کبھی یہ خانہ بہت چھوٹی جگہ ہے اور

یہاں تم مجھ سے ہر بار نہیں بچ سکو گی۔
 ”جس میں کیا کروں؟“
 رینڈی کی سوچ میں تھا اس نے کہا۔ ”میں جہیں بارتا
 نہیں جاتا، بچ تو یہ ہے کہ اس نئی زندگی میں اگر مجھے کسی
 انسان سے انیمیت محسوس ہوئی ہے تو وہ ہم ہو، ہم میں کسی صورت
 تم کو نہیں بارتا جاتا۔“ دوسری طرف میں غریبے بن کر یہ
 بات بالکل بھول جاؤں گا۔“

تعلیٰ کرنے لگی کیونکہ باہر ایک باہر پھر بادلوں کی ہنگام
موج چمک شروع ہو گئی تھی اور اس کا مطلب تھا کہ پڑھنے جلد
ہی دوبارہ مصروفیت میں جانے لگا۔ پڑھتے ہی کہتے کہ اٹھ
بیٹھا۔ اس نے تعلیٰ کا ہاتھ تمام کر کہا۔ "منوہم دونوں کے
زعمہ رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور میں اس پر عمل کرتا
ہوں گا۔"

”کیا طریقہ؟“
 ”آؤ میں تمہیں بتا دوں۔“ رینڈ بولا اور اسے لے کر بہادری کے آخری حصے کی طرف بڑھا۔

☆☆☆
 مارک کتاب دیکھ رہا تھا، اس نے عمل والا دھرم تلاش کر لیا تھا۔ ادیب اسے پروردگار کا عمل پوری وضاحت سے درج تھا۔ اور کوئی انسان جو مرد ہو اسے رکسکا تھا اور اسے اس سر جانے والے چارے کو نہر کر رکسکا تھا جس سے وہ محبت کرتا تھا۔ لیکن اس نے وہاں سے نہیں بھیجی تھی، نہیں لکھا تھا کہ مرنے والا جب زندہ ہوگا تو وہاں سے مرے گا۔ مارک نے اپنے دوستوں کی طرف سے جان کی قربانی طلب کرے گا۔ قافلاً تھے وہ پوشیدہ رنگ کی تھی۔ عمل کی آسان تھا۔ چاکر جانے سے ایک دائرہ بنا کر اس کے اندر تارہ نما عمل بنائی تھی اور تارے کی ہر نوک پر ایک صوفی بنی جلائی تھی۔ مارک نے بے ساختہ فری پڑے۔ دائرے کے گرد بیٹھا تھا۔ اس نے تارے کی ہر نوک پر ہر شخص بھیجی ہوئی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پہلے وہ اس چیز کو بالکل مانتے تھے کہ تین تھیں ان کا اب اس کے ساتھ تھا۔ یہاں ہر شخص شطانی کام ہو رہا تھا۔ فری پڑے۔ دائرہ بنانے کا کام یہ تھا۔

پھر اس نے سوچا۔

ہمارے خیال آ کر ڈائری کی کبھی بات درست ہے تو یہاں مارک جانے والے انسانوں کی چیزیں ہوں گی جیسے لباس یا اس کے پاس موجود دوسرا سامان۔ اور ہر گھر کو رخانے میں رکھنے کے لیے بالآخر اسے ایک بڑا چوری کی کین ہو جائی گی۔ اور جب اسے کھولنا ہے کہ اندازے کی تصدیق ہو جائی گی۔ اس

اپریل 2012ء

اسے گردن سے بکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ مکان اس کی چٹخوں سے گونج اٹھا تھا۔ مرد نے ہمارے کی کوشش کی لیکن ریڈ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے قاتلین پر چبک دیا اور سرد لہجے میں بولا۔
 ”میں پاپا باب بھائے کی کوشش مت کرنا۔“
 حور تھکتے چلتے سڑک تو ہوتی تھی۔ مگر گیند مرنے چڑھ چلی کر مرد کی طرف آئی اور اس بار مکان اس کی چٹخوں سے گونج اٹھا۔ ریڈ کے ہونٹوں کی سگراہٹ گہری ہوئی جا رہی تھی۔

☆☆☆

نزدیکی جھل کے ایک چھوٹے سے محلے سے آٹھ لاکھ برآمدگی جا چکی تھیں۔ یہ لاکھیں اب صرف بڑیوں کے ڈھانچے پر رہ گئے تھے۔ لیکن اس سے ثابت ہوا تھا کہ مکان کے خانے میں مارے جانے والے بھی لوگ تھے اور ان میں تین بچے بھی تھے۔ غائب بات یہ کہ ان میں کوئی تازہ لاش نہیں تھی۔ مارک اطلاع ملنے پر آیا تو لاکھیں نکالی جا چکی تھیں اور اب انہیں ایسپتال میں منتقل بھیجا جا رہا تھا۔ رائل کوکھو ہو گیا تھا اس لیے وہ چھٹی پر تھا۔ مارک نے آتے ہی ہی تازہ لاش کے بارے میں پوچھا لیکن اسے بتایا گیا کہ کھلنے والی لاکھیں پھانسی گئیں۔ جب کہ مرد یہ لاشوں کی تلاش کے لیے آس پاس کھدائی جاری تھی۔ اس سلسلے میں توتوں سے بھی بدلی گئی تھی۔ مگر کسی کھدائی کے بعد سرور کوئی لاش نہیں ملی تھی۔ اس دوران میں مانگیل اس کے پاس آیا۔

”سیریک تم شادی کی رپورٹ اور آئی ہے۔ ہائی اسکول کی طالبہ کلاڈ رڈل سے غائب ہے۔“

”اوہ! مارک چلا۔“ وہ بے گناہ سے غائب ہے۔“

”کلی اسکول سے نکلنے کے بعد وہ کمرہ نہیں پہنچی۔ کل شام اس کی ماں نے پولیس کو اطلاع دی اور پولیس کو رات کوئی اس کی سائیکل چکلی میں ایک جگہ پڑی تھی۔ اس کی حالت سے لگ رہا ہے جیسے اسے کوئی حادثہ پیش آیا ہو۔ وہاں بھی زمین پر کسی بڑی گاڑی کے ٹائروں کے نشانات تھے۔“

مانگیل نے کل رپورٹ پڑھ لی تھی۔

مارک کا ذہن تدریجی طور پر تپسن چلی کے مکان میں موجود سارے بین کی طرف گیا۔ ”ان نشانات کو اس وین کے ٹائروں سے مل کر دیکھو۔“

مانگیل چلا گیا اور ایک بجے بعد یہ ثابت ہو گیا کہ چنگل میں پائے جانے والے ٹائروں کے نشانات اسی وین کے تھے۔ سامنے اس کے نمبر پر نشان بھی تھا۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ شکیلا کا اغوا اصل میں گھڑنے لگے کیا تھا اور وہ اسے اپنے



ٹوٹی راما

محمد ایاز زھری

زمانہ قدیم سے سرکی زینت کے لیے ٹوپ کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ عبد فرعون ہویا بابل و نینوا کی سلطنت، فارس، یو، افریقا کے جنگلات باہر سانپیرا کے برقیلے مہدان، بر علاقہ و بعد میں شرفا کی پہچان ٹوپیں رہی ہے۔

مختلف اقسام کی ٹوپوں کا مختصر سا جائزہ

”ٹوپ“ ہندی زبان کا ذکر لفظ ہے۔ میضہ اسم میں آتا ہے۔ سر پر اوڑھنے یا پہننے پر جس سے کان بھی ڈھک چھپ جائیں اسی لیے اس کو ٹوپ بھی کہتے ہیں۔ یہ روٹی داڑی یا سادہ بھی ہو سکتا ہے۔ جاڑے کا پہناوہ ہے خصوصاً سرد پڑی علاقوں میں اس کا استعمال عام ہوتا ہے جب برقیلے رت ہو اور رخ بہت تپل ہواؤں کا زور ہو۔ ایسے میں

ٹوپ ہندی زبان کا ذکر لفظ ہے۔ میضہ اسم میں آتا ہے۔ سر پر اوڑھنے یا پہننے پر جس سے کان بھی ڈھک چھپ جائیں اسی لیے اس کو ٹوپ بھی کہتے ہیں۔ یہ روٹی داڑی یا سادہ بھی ہو سکتا ہے۔ جاڑے کا پہناوہ ہے خصوصاً سرد پڑی علاقوں میں اس کا استعمال عام ہوتا ہے جب برقیلے رت ہو اور رخ بہت تپل ہواؤں کا زور ہو۔ ایسے میں

تاکران کی اکٹھیں بندر میں اوردہ غیر ضروری شے یا شکار کے لیے آونے نہ پائیں۔ وغیرہ۔
 نوپی والا (مشق)۔ نوپی پینے والا (کا نوخیز آمد)
 دہلی کے کچا گاہ لڑکوں نے
 کام عشاق کا تمام کیا
 کوئی عاشق نظر نہیں آتا
 نوپی والوں نے گری عام کیا
 (میری میر)

ادواج قو بلاش درانی وادیاں آدی جواول اول سرخ
 ٹوپیاں پہنے تاشادہ درانی (1739)، اور امشاہ ابدلی
 (1759) کے گمراہ ہندوستان میں آئے۔
 کہ نہیں کھو نوپی والوں سے وہ ظلی کچا گاہ
 دیکھتے تھے دلاہم اس کو کیوں کر جا میں گے
 اس کے گوہے میں لڑاکا بھوے فوج انک
 ساتھ اپنے کے درانی کا فنگر جا میں گے
 (شاہسیر)



فری۔۔۔ آگرچہ زور یو چین لوگوں کو بھی نوپی والا کہا گیا۔
 قول باش۔ قتل کری زبان میں سرخ رنگ کو کہتے ہیں۔
 قول باش۔ سرخ سر والا۔ شاہ اسماعیل صفوی بادشاہ ایران کی
 فوج کا نام جو بارہ لاکھوں کی سرخ فوج تھی کسی ان لوگوں کی
 اولاد بھی قول باش کہلائے گی۔ نوپی سے بھی مشورہ کرنا
 چاہے۔ یعنی بے مشورہ کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ مشورے
 کے لیے اگر کوئی آدمی نہ ملے تو نوپی ہی کہی مشورہ لازم
 ہے۔

کہتے ہیں اپنی نوپی سے بھی مشورت کرو
 کہ قصد تکرید شر سے کبھو مشرت مت کرو

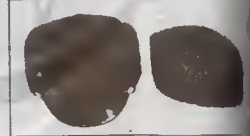
(میری میر)

نوپی کی بہت سی اقسام ہیں۔ دوپٹی یا دوکڑی نوپی۔
 جروکڑی نوپی، گول نوپی، آجی دیاری نوپی، ادلی نوپی، ترانی
 نوپی، چرائی نوپی جس میں پردے کا تھکڑا کھوتا ہے۔ ترکی
 نوپی سے دار نوپی۔ سنگی لوپی نوپی جو مدھیوں سے آتی



کی اس کا استعمال کیا ہے اور فارسی میں بھی۔ گاہہ برآستان
 راقین۔ گاہہ ہو انداختن۔ پایا جاتا ہے سندا و اشعار۔
 آگرے ہو تم جو س عالم ہے وجد کا
 دریا اچھاں ہے گاہہ حباب کو۔
 (خوبہ حیدر علی نقی)
 آیا ہے جب سے ساقی اللہ سے جس شادی
 شیشے بھی آنکھ میں نوپی اچھالتے ہیں
 (عالم)

نوپی اتارنا۔ اچھلنا۔ نوپی سے جدا کرنا ہونا (کسی کی
 ہڑتائی کو تو کین کر ہونا) دوسرے کی نوپی اچھانا بھی اسی
 سے ہے۔
 نوپی دلانا۔ (کسی کو ملانی یا اتحاد پیدا کرنا بھی چارہ
 نا) دروہتوں کا آپس میں نوپی کا تدارک کرنا
 آئے جو تلیپ سے میں دھل گئی باج کو
 شے سے نوپی لائے سے گڑی بدل ملے۔
 (خوبہ حیدر علی نقی)
 نوپی بدل بھائی (ابا دوست جس سے بہت گمراہ
 وہ دوست جسے نوپی بال کر دیتی یا دنیاوی بھائی بنایا ہو۔



(کی گمراہ زبان)
 نوپی پر ہاتھ ڈالنا (کسی کی بے عزتی یا توہین کرنا)
 لکڑی اتارنا (آبرو لینا) لکڑی اتارنا کسی کی چیز کو قیمت پر لے
 لکڑی کو دینا)
 نوپی چڑھانا۔ شکار یا گندوں کے سروں پر نوپی چڑھانا

طرخ فارسی میں گاہہ خری
 تاجاری نوپی کو کہا جاتا ہے
 امیر گوگ کہتے ہیں تیر گاہہ
 فقیروں کی نوپی جو مدے
 بنائی جاتی ہے۔
 اکٹھیاں (فارسی ذکر) جنکی
 لوہے کا خاردار شام ہوا
 نوپی جسے کپڑا پہنتے وقت
 جیسے سے بھانے کے لیے
 ان کی میں چپن لینے ہیں
 ایک آئی حلقہ کا نام ہے

اعزاز تیر جاتے وقت انکی میں چپن لینے ہیں اور اسی کو شط
 سوار یا چکی بھی کہا جاتا ہے۔ وہ چکی جو شکاری جانور کے
 پر چڑھتے ہیں نوپی کہلاتی ہے۔
 وہ دہکان ہوں کہ خدا دے کر بند کس اکٹھیں
 چھائی باز کی نوپی پر کپڑے
 (دور)

عربی میں نوپی کو کفن سوہ کھلیدہ۔ جمع ظانس
 اور کھوت۔ جمع ظانس کھوت۔ جمع ظانس کھوت۔
 قاتل۔ نوپی پہنا۔ نوخر و نوخیز اردو زبان
 قدیم زبانوں (ہندی ترکی عربی فارسی) مسکرت وغیرہ
 دل میں سرخ ہے۔ چٹا چھاپے نما حارث اور اشعار میں نوپی
 اس خوبصورتی سے برتا اور نوادر کر لیا اس میں نوپی کی ایجاد
 دو چند بلکہ چند ہوگی۔ ذیل میں مختصر کچھ کہاؤں گا
 جاتا ہے۔ "نوپی" اچھالنا خوش میں گودا۔ میدان خوش کر
 برے برے نکارے۔ بے کار اور اصل میں اگر چہ زبان
 لیا گیا ہے جو خلیہ خلیہ دلی آتش اور شرعے لکھنؤ کے اردو



ہندو نوپی مسلمان نوپی



قائدین کی نوپی

امیر اور غریب اپنی اپنی استطاعت کے مطابق مینا یا سستا
 ٹوپ پہنتے ہیں اور خود کو تیر و تندرستانی ہوا سے محفوظ رکھتے
 ہیں۔ اسی کی ٹوپ یا ٹوپ کی تعمیر نوپی ہے۔ نوپی انسانی لباس
 کا ایک اہم جز ہے جو ضرورت کے علاوہ خوبصورتی اور دراج
 کے طور پر مینا جاتی ہے۔ لباس کی مدد میں اس پہنا دے کو
 اگر گل سر پہنایا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ تہذیب۔ عزت
 و وقار اور شائستگی کی علامت بلکہ نشان ہے۔ شای نوپی یا
 تاج نوپی ہی کی ترقی یافتہ خاص شکل ہے جو بادشاہ یا شاہ
 کے لیے مخصوص ہوتی تھی۔ کہتے ہیں مرد پہلا بادشاہ یا شخص
 تاج جس نے نوپی یا تاج کا استعمال کیا۔ ہندی میں نوپی کو کھٹ
 (تاج) کہا گیا جاتا ہے۔ کٹ اس نوپی کو بھی کہتے ہیں جو
 ہندو دہا کے سر پر دیکھتے ہیں۔ مورکت یعنی مور کا سنا تاج۔
 تاج پر ظانس۔ مورکت والا۔ یا کٹ (عدالتی سے مراد دھرمی
 کرشن تمپیا ہیں جو کھٹ کرشن اکبر اس نگار (نوپی) سے رہے
 تھے۔ اس وجہ سے ان کا لقب ہوا۔
 داکن شاہر کھال سے ہراک داکن زمین
 سر پہ کھٹن کہ کتبیا کا یہ ہے مور کٹ
 (امیر)

فارسی میں نوپی کو فخر کا لکھا جاتا ہے۔ فارسی حاورہ
 ہے کہ گاہہ احمد میر خدائی تہہ۔ یعنی احمد کی نوپی محمود کے سر
 پہنٹی یا انصافی کرنا۔

مشارعے سے حسین کیوں نہ جھپن لے جاتے
 رہا عیاں مری چو گویاں کلاں میں
 (امیر)
 فرہنگ اصفیہ کے مطابق گاہہ یعنی نوپی جیسے کالیوں
 کے پاس ہوتی ہے بہن کرگئی (بہن کو غیرہ بھی باندھ لیتے
 ہیں۔ اوپر کا کام دار حاکم رکھے۔ نمایاں رکھتے ہیں۔ اسی
 مانعہ نہ سرکشت

صبا شفیق

وہ عمر میں چھوٹا ضرور تھا مگر حوصلے میں کسی پہاڑ سے کم نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حادثے نے اس کے ایک بازو کو نگل لیا اور وہ گولف کھیلنے سے معذور ہو گیا تو اس نے حوصلے کی ڈور تھامی، معذوری کو مجبوری بننے سے روکا اور وہ کارنامہ دکھایا جس نے پوری دنیا میں اس کا نام روشن کر دیا۔



اہل سے ناممکن کو ممکن کروکھایا

میں نے بڑھ کر کھانے کے برتن رکھ دیے تھے جس آپ کے
 بیٹے لڑی نے اسے پکارا۔ اس کی آنکھوں میں ایک انوکھی
 چمک تھی اور آواز سے خوشی چمک رہی تھی۔ پھر وہاں کے
 اقامت گاہ قاضی آنکھوں سے لگے ہوئے لڑا، ان، میری
 پادری اس! آج مجھ امریکا کی بہترین یونیورسٹی میں سے
 ایک کی بیٹھوس یونیورسٹی کے گالف کالج میں کھڑی ہونے کی
 جگہ پر، وہ دینی کے پیشکش میں ہے اب اعلیٰ تعلیم حاصل
 کر سکوں اور ساتھ ہی میل میں اپنا مقام بنا سکوں گا۔ میں دنیا
 کو گالف کالج بیٹھوس بن کے دکھاؤں گا۔

اٹھارہ سالہ لیری دس سال کی عمر سے گالف کھیل رہا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کا شوق جنون میں بدل گیا تھا۔ وہ دس سال کا تھا جب اس کے ماں باپ میں بیٹھک ہوئی تھی۔ اس کی ماں ایک مقامی آرٹ اسکول میں دستکاریاں سکھاتی تھی اور آرٹس کی چیزیں گھر بھر تیار کر کے انہیں بیچ کر کھرکا

کھل میں ہیں۔ جناح ٹوٹی بھٹوٹی، کاڈ ٹوٹی سی حد سے
کے ہائی ہاؤس کے بنگ کی ٹوٹی اس طرح سرکاری کڑیاں
درمیان پکس سٹین برسی، جگر، اور نقصانی افواج کی ٹوٹیاں
کھڑے کے سونے پر چٹخت، محسوس اور بڑے سونے
بیرون کی ٹوٹیاں، کپڑے کے بھٹکے، بگ کے سونے
تعمیروں کی ٹوٹیاں۔ کاج پوینڈر کا ڈوئش کے سونے
(خود) طرح) ٹوٹی۔ بگ میں لوہے کی ٹوٹی (خود)
استعمال۔ بخاری شریف ملے نمبر 614 درودج کے کس کا
کے وقت کی تعمیرات کے اوپر کے آئینوں کے
کی ٹوٹی (خود مختار) شرف سعادت سے ہم تاریکی۔ جگہ
کے علاوہ کان کنوں کی آہنی ٹوٹی جس میں تاریکی بھی نصب
ہوتی ہے۔ ہماری مشینری کے آئینوں کی لوہے کی ٹوٹی
کے ہیں۔ ہیملٹ کا کاسمی آئینہ جس میں ہوتا ہے
انگریزی کی ٹوٹیاں (HAT) تقریباً چھ انچ کی ہیں
ہیچوں کے میں میں چلم اور چھان کی ٹوٹی نیز تو
توڑے دار بندوق۔ توپ کی آئینہ دین کی ٹوٹی اس طرح
دار میں ہیں۔ ٹیلس اور جیرو۔ وہاں آباد آیا۔
خوب آیا کہ وہ توپ اور چوڑی کے پیچھے چار کسے
ماتریز لگائی ہے اس طرح دوسرے میں (مکھانے کی
داروں کی مختلف جگہوں میں عام استعمال ہوتی ہے۔ اس
علاوہ ہیچوں کے مذہبی پیشہ "سری" کی تعمیروں کی ٹوٹی
تعمیر کے ہیں۔ کاسمی آئینہ بصورت لڑکے کی شادی کے
توپوں کے آں چاہتے ہیں اور ہر چہرے پر کس
کنٹوب نما ٹوٹی اوڑھ لی کسرف اس کی آنکھیں سن نظر کی
تھیں۔ ہیچوں نے پوچھا "کیا؟" تو لڑکے کے جواب میں
روئے نکھ میں دے تین اور خوبصورت ہواں اس نے کس
بے سے بچتے کے لیے اوڑھ رکھی ہے۔ ٹوٹی اس طرح
رچا اس نے امارے سے استاد اور کسرف کو ہاتھی کی
آں چھوں پر مختلف نقاب چڑھاتے رہو اور محسوس کوئی
کے ساتھ ٹوٹی ڈراما کرتے رہو۔ ایک اور ٹوٹی جو ہمارے
سیاست دانوں کو افسر خوب ہے اور وہ ملیماں کی ہے
تہذیب میں جیت جانے کے بعد بھی ملیماں ٹوٹی اس
چھوٹا ہونے جاتی ہے سو کوئی نظر نہیں آئے تاکہ نگار کے
اختیار پر ہے ملیماں ٹوٹی وہ عارضی طور پر تار دیتے ہیں اور
اس کی جگہ گرہ کی نقاب (کنٹوب نما ٹوٹی) اوڑھ کر
ڈراما چکر کوسوام کی ہوریاں کسے نظر آتے ہیں۔ موہی
پراپٹی (پاچا خان مرحوم کی سیاسی جماعت والی لال
ٹوٹی اس طرح)

اب پر نام کسی کا بھی ہو دل میں تیرا نقشہ ہے
 ہے لغو مے بنائے والی، جب سے تجھ کو دیکھا ہے
 ہے تیرے لیے کاشت میں تجھ میں کیا ہر سوسن
 تو ایسا شجر ہے جاں، تو ہی ایسا سحر ہے
 نیلے پرست، ادوی مریں چاروں گشت میں تو
 تجھ سے اپنے ہی کی حالت، تجھ سے جس میں سلا ہے
 آج تو قسم کھنے کا، آئے، آج ہمارے دل کا
 یوسف تو بازار دل میں، آج کھنے کو کیا ہے
 لے جا بی اپ اپنے من سے میری این کی گر ہیں کھول
 لے جا بی اپ آج شجر ہے، ہے حاضر غیاب ہے
 طوفانی کی بات نہیں ہے، طوفانی لے جاتے ہے
 تو اک نرم ہوا کے چمکے دل کے باغ میں شجر ہے
 یا تو آج نہیں اپنا لے، یا تو ایک ہمارا
 دیکھ کر دوست کا رونا جاتے، کوں ایک جیتا ہے
 فرما رکھیں کھنڈ کا پرورد، ہم تو آج کے بندے ہیں
 جبر و صل، و نادر و صرا سمجھ آج ہے رکنا ہے

این انشا

انسانی غصوب کوچ گرد اس شہر میں جی کو نکلتا تھا
وہی کوکسوں کے مطلب، چوٹی کے شہر میں چوٹی کو
جس جوں کے دوں کے دھماکے کو بھٹکتی ہوئی سوچا تو کسی
جنس بدل کے سوچیدہ ہوئے اس کو بھی کیا پہلا تھا
شعبہ ہنر، معاشرتی ذوق جلائے پھر پڑی اور روزانے سے
کیوں وہ غصے گرائے ہوئے تھی سے کوئے کے بھاگتی
مغربی جہز کی سی، عام مایاں، جنگجو کی کھڑی
جوں بدل سے ہلپ ہر آنے دو شراپا کا بھڑا تھا
اس روز جو ان کو ملے، اب خواب کا عالم لگتا ہے
اس روز جو ان سے بات ہوئی، دھڑت کیل سے انسانیت
اس صحن کے سہوئی کو، وہم، دھڑت کیل سے انسانیت
ہے، دیکھ کیل سے چھوٹے دھڑت کیل سے انسانیت
اس کو کی جلائے ہوئے سن ناپاک شیطاں، بھوکا بن
یوں آسوں بن، جہاں کیا بن، بانی کی جہاں کیا
جہاں شہر کے کون سے نہاد کے کیل سے نہ جہاں شہر
وہاں جہاں کی سی نہ تو اور کے دھڑت کیل سے

امن انشا

وہ پداہنی مہم جو تھا۔ بلند و بالا پہاڑ، سنگلاخ چٹانیں، برف پوش چوٹیاں اور نگاہ کی حدود سے آگے کسی بلندیاں اسے پیاری تھیں۔ اسے ان میں ایک کشش اور اپنا لٹکارسہی ابھرتی محسوس ہوتی کہ آؤ ہمیں دیکھو، مستر کو اور ہمارے سحرے میں مسحور ہو کر اپنا آبِ مٹا ڈالو۔ اسے یہ سب حقیقت لگتا مگر کیا واقعی یہ حقیقت تھا یا محض سراپ... ایسا سراپ جو آنکھوں کے واسطے ذہن و دل کو بھٹکتا ہے، جذبات کو مہمیز دیتا ہے مگر اسودگی اور اطمینان جھپٹ لیتا ہے۔ سیراہی لمحوں کے فاصلے پر دکھائی دیتی ہے مگر وہ لمحہ حقیقت میں کبھی نہیں آتا۔ اس کی زندگی بھی سراپوں کے ایسے دائروں میں گزرتی اور گزرتی رہی، وقت کے گرداب میں ڈوبتے ہوئے نوجوان کی سنسنی خیز اور ولولہ انگیز داستان حیات۔

بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں سے لگتی ایک تہلکہ خیز کہانی

گزشتہ صفحہ کا خلاصہ

بابا کا امر اسرار کا مجھے کرڈٹ کا بیج دیا جائے تبکیش آری میں نہیں جانا جاتا پاتا تھا۔ اس دور میں میرے لیے وعدہ ابھی یا دوسرا ہے جو میرے دل کا حصہ کی گن اس سے پہلے کہ میں اس کے لیے باں بنی کے سامنے دست سوال دروازہ تارہ و میرے بھائی کا مقصد بنا دی گئی اور میں ہمیشہ کے لیے حویلی سے نکل آیا۔ یہاں سے زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ علم مکمل کر کے میں نے کارپار شروع کیا۔ سفیر ہوتا اور اندر میں دوست لے لیا۔ ایک اور دور میری کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو راز ہوتا چلا گیا۔ دوستوں سمیت ہم نے گمراہ ہو گیا پھر یہ گمراہ ڈالنی میں بدل گیا۔ بخشی اور دور میری کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو راز ہوتا چلا گیا۔ ایک طرف مرشد علی، فتح خان اور ڈوڈا شامیہ لوگ میرے دکن ہو رہے تھے تو دوسری طرف سفیر، ندیم اور وہیم جیسے جاں نثار دوست بھی تھے۔ اس کے بعد ہنگاموں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا جس کی نڑیاں سرحد پار تک چلی گئیں۔ میں دوبارہ اپنے وطن لوہا فتح خان سے گمراہ ہو گیا۔ اس کے آدمیوں کو شکست دے کر میں اندرون ملک آ گیا۔ میری بھانجی می اے دھماں چاری کی کراس کی کار پر فائز تک ہوئی۔ فائز تک سے اس کا تھیر پڑی طرح قری ہو گیا۔ پھر ایک روز ہم سب چینی کو اسپتال سے لائے بیٹھے تاکہ اس کا علاج حکیم کاؤس سے کر سکیں۔ حکیم کاؤس اس کا علاج کرنے لگا۔ زردین نے فرانس کر دی کہ میں یہاں بندرہ کر ڈوڈی کھوس کر رہی ہوں۔ میں اسے لے کر سیر کے لیے نکلا تھا کہ دونوں نے میرا لیا۔ ان سے پیچھے جاتے ہم لفظ تو راستہ تک کر ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں میری دھیرہ کی طرف جاتا تھا۔ ہماری گاڑی کسی خراب ہوئی۔ ایک ڈاکٹر نے گاڑی کو تھپکانے کا وعدہ کر دیا۔ ہم اس کے ساتھ اس کے پیچھے چلے آؤ اس ہوا کہ ہم قید ہو گئے ہیں۔ زردین کی طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی۔ بعد میں پتا چلا کہ ڈاکٹر نے ہم پر ایک خدشا کر دیا، اس کا تجربہ کیا ہے۔ زردین جان بوجھ کر ڈوڈا شامیہ گیا۔ وہ ڈاکٹر کا نرس تھا۔ اس نے مجھے ہار کر لیا اور کہا کہ اگر تم مجھے نرسزادہ وادی تک پہنچاؤ تو میں سرحد سے بھی گھوٹھاسی کر دوں گا۔ اس کے بعد شامیہ نے مجھے اپنے ایک آدمی کے ساتھ کر دی کہ وہ مجھے گھوٹھو آئے گھر سامنے میں ہی اس کی نیست بدل گئی۔ وہ دروازہ کھول کر مجھے کھول دیا۔ وہ پتول سے فائر کرتا کہ ایک بچے نے مارل کے پتول والے ہاتھ پر مڑا تھا۔ براؤن نا ہی وہ گناہ کا تھا۔ شہر و دھیرہ اس کی عدت سے جھٹک پڑے۔ ان کے ساتھ شہر آ گیا۔ ہم اس بچے میں پیچھے چلے جہاں لوگ ٹھہرے ہوئے تھے پھر اطو وغیرہ پہنچانے کا انتظام کیا اور موٹا و سادھا کو عبد اللہ والے بچے پر پہنچانے کا انتظام کیا پھر شہلا کی تلاش میں لگے۔ شہلا کورامی کیا کہ وہ بچے تک کے لاکر تک پہنچا دے تاکہ میں چائینیز بریف کیس حاصل کر لوں۔ وہ مجھے لے کر اپنے بچے پر پہنچی۔ یہ دیوار بھاندا کر اندر پہنچے کہ شہلا نے پتول نکال کر کہا کہ تمہارا مکمل ختم ہو گیا۔ میں نے اسے قاتل کیا اور راشی کر لیا کہ وہ جب کا لاکر کھولنے میں ہماری مدد کرے گی کہ اس پر اکتاؤں کیا جاسکتا تھا اس لیے اس کے ہر دہن میں ملے تم باغہ کر کہا کہ یہ دھوکا ہے مجھ سے کہ اگر تم نے غلط حرکت کی۔ یہی اس نے منہ پر حرکت کی اور اپنا پیچ میرے دھیرہ میں چھپا کر بولی



”میرے ساتھ بھی مرو گئے۔“ بڑی مشکلوں سے اسے سمجھایا گیا کہ صرف اسقاط کیا ہے کیونکہ گشت باس اس نے دھوکا کیا تھا۔ وہاں حالت میں چٹک جانے کے لیے ہوا بھی ہوئی۔ جب تک سیف سے پرہیز نہیں کیا لکھتے تھے کہ باہر سے اطلاع آئے کہ کچھ لوگ ہمیں گھیرے ہیں۔ ہم باہر نکلے کر کھیلنا سے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ چلا کر کھیلنا سے متحمل نہ ہو سکتے تھے کہ آجیوں کا باور وہ تھے یہ خیال، بائرن خان کے گھر میں آئی۔ وہاں ایک خانہ بدوش عورت خان کے آدی بچہ لڑائے تھے اور اس کی عزت سے کھلے رہے تھے۔ خانہ بدوش چھ دوڑے، یہاں سے لڑکی کو بھی مارا اور کیا تھا۔ وہ عورت کی عزت کو نہ دے لڑکی کے کہیں سزا سناتے نہ تھے کہ ایک چپ آدھی طوقاں کی طرح دواہل تھی۔ وہ خان کی بھی۔ خان نے خانہ بدوشوں کو بھڑکادیا۔ جب میں نے دیکھا کہ اس کے ساتھ سواریاں ہے۔ وہ اسے اٹھا کر لے گیا۔ پھر اس نے مجھے جھڑک دیا کہ سواریاں حاصل کرنے کے لیے مجھے دیوڈ شا کے ہیرے تلاش کر کے دینے ہوں گے، میں بیرون کی تلاش میں نکل پڑا۔ اس نے میری جگہ پر ایک چپ چپا کر رکھی۔

(اب آگے پڑیں)

مجھے سمجھنے میں سینکڑ لگا تھا کہ سیکسٹل دینے اور شاہی ہادی کھنگھن کر کے والا آقا تھا۔ اس کی ہر صاحت بہت ہی چوٹی کی تھی۔ مشکل سے ایک آگے بڑھا تو چٹائی اچانچ چڑھی اس چپ کی سونا کی تیلی میں میز سے زیادہ نہیں تھی اور وزن شاہی چتر کا مقام تھا۔ اس لیے جگہ کے فوڈ لار میں اس کی موجودگی کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ اگر یہ سنگہ بھوں کا کام بھی لڑی تھی تو میں نے اتنا چھینا کہ سیکورٹس آج بھی کھن کا دیا تھا۔ میرے پاس ان وقت میں تھا کہ کھن کا کاشفی ملنا نہ تھا۔ اسے اٹھانے کی کوشش کرتا۔ دڑے کے دوسری طرف سے آنے والی جیپ تیزی سے ہماری طرف آ رہی تھی۔ اس کے آنے سے پہلے میں یہاں سے نکل جاتا تھا۔ میں نے جگہ پہنچنے سے پہلے میں کہا کہ ”میرا دھیرے سے چلے گا۔“ ”کیا ہوا؟“

”جگہ نہیں میں یہاں سے روانہ ہوں۔ یہ جگہ سے آؤ۔“ میں نے عقب میں اشارہ کیا اور جب میں آگیا۔ فوراً ہی میری دھیرے گھس گئی۔

”میری بات کی ہے؟“ اس نے گھبرائے اعزاز میں کہا۔ ”کیا کوئی بات ہے؟“

”فحتمت کرو اگر کوئی پیچھے ہے تو میں اس سے نصت سکتا ہوں۔“

میرا وہ زمانہ تھیں بہت زیادہ تھا۔ ”یہ جو گاڑی آ رہی ہے اس میں کوئی ہمارے پیچھے ہے؟“

”شاہی۔“ میں نے فلاں کھینک دیا۔ چپ کے بارے میں کیا سمجھتا۔ اس نے پھر سوال کیا۔

”جہاز ہمارے کوٹ سے لگا ہوا ہے۔“

”مجھے نہیں معلوم شاہی سنگہ۔“ میں نے غصے آگے

میں دیکھنے سے جواب دیا۔ ”اب ذرا خاموش ہو کر بیٹھو اور مجھے توجہ سے ذرا ٹیگ کر دے دو یہاں ذرا سی غفلت کا مطلب ہے ہر کسی کی کھائی میں پڑے ہوں گے۔“

میرا خاموش ہوئی کیوں اس کے تاثرات تیار ہے کہ

ماہنامہ سرگوشٹ

178

دور سے میری گھبراہٹ کرتا رہے۔ جگہ کے کارکن بھی چپ کے بارے میں میں یقین سے نہیں ہو سکتا تھا کہ اس سے جج خان یا اس کے آدی صرف ہماری لوٹیشن سے واقف ہوتے تھے یا اس کی بدو سے ہماری انگلیوں سے تھے۔ اگر یہ آزاد بھی تھوڑی سی توجہ نہ تھی تو شاید اس کی بات بھی۔ میں اس سے چھوڑا رکھی جاں نہیں کر سکتا تھا اور اس کی موجودگی میں عمل کرنا تھا۔

نہیں دوسری طرف میں اس چپ سے فائدہ بھی اٹھا سکتا تھا۔ مجھے بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے ساتھ میری کسی کام کے بارے میں جاننے کے کوئی نہیں تھا۔ اس کا مقام میرے لیے اب تو تھا جس میں اسے لیے پھر نے پھر اور اس کے ویرانے میں اس کہاں چھوڑا تھا۔ کیا کسی میں فوراً چلے گئے۔ اس کے چکر میں آ گئے تھے۔ کیا توہی میں انسان کے مجھڑے کے تھے چھ جاتی تھی خود کر رہا تھا کہ اس چپ کے سرخ فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ میں پہلے سے جانتا ضروری تھا کہ کوئی چپ آواز بھی فشر کی تھی۔ اس کے دھڑکے کر رہا تھا۔

تک وہ کسی طرف میں آئی تھی حالانکہ میں اسے خائے کے آچکے تھے اور جب جس رفتار سے آ رہی تھی اسے لازمی دڑے کے پار آ جانا چاہیے تھا۔ اس کا مطلب تھا اس میں جج خان یا اس کے آدی تھے اور وہ صرف اس لیے تیزی کے آگے تھے کہ اس کی بات تھا جب میں نے دور دور سے شروع کر دیا تو انہوں نے بھی مناسب اسے سے توجہ شروع کر دیا۔ پیچھے تقریباً دو کلومیٹر تک سرک صاف تھی۔ میں نے ایک جگہ چپ روک لی۔

”کیا وہاں چپ کھل دی ہے؟“ ”میرا چپک کر بولی۔“

”کیا کوئی بات ہے؟“ ”میں نے تم کو یوں بارگے تھے؟“ ”میرا پھر سوال کیا۔“ ”ایک ایک چیز چھائی تھی۔“ میں نے کہا۔ ”اگر وہ جج خان کے ہاتھ لگتی تو میرے لیے چھائیں ہوگا۔“

”حسب توقع اس نے فوراً سوال کیا۔“ ”تم نے کہاں چھائی ہے؟“

”میں فحتمت چپ والی ایک چھائی کر کے چھنے۔“

”جج آگے بڑھا ہے۔“ میں نے کہا اور رفتار سے تھی تھی۔

میری نظر تھی آگے پھر جج ایک کلومیٹر آگے نکل جانے کے بعد بھی وہی بڑی جیب ایک جگہ تھی۔ میں نے کہاں

ماہنامہ سرگوشٹ

179

نے جپ رتھی تھی۔ اچھا دور سے وہ اس گھر سے بڑھ رہا تھا۔ وہاں کوئی دوسری بھی اور ایک رنگ کی جپ سے چھائی تھی۔ میں نے نہیں معلوم ہوا تھا کہ اس سے کوئی آڑا ہے۔ میں نے جپ کی رفتار بہت سے کر دی تھی کہ اس کی تیز رفتاری سے ہوشیار ہو جائے۔ میں دیکھتا تھا کہ وہاں کوئی دوسرے میں بہرہ دے تھے۔ مجھے کتنے کی کوشش کی لیکن میں نے اشارے سے خاموش رہا۔ ”کوہا۔“ میرے پاس دو رنگ ہوتی تو میں اسے دیکھ سکتا تھا کہ وہ گاڑی روک کر گیا کہ روکے تھے۔ میرا حال ان کی اس حرکت سے ابھی بہت ہو گیا کہ چپ آواز بھی فشر کر رہی تھی۔ میری جپ برک کے ایسے مقام پر پہنچ گئی تھی جہاں سے وہ چلے گئے تھے اس لیے میں نے جپ کو اور اسٹانے کے اعزاز میں بہرہ دے دیا۔

”میرا خیال ہے بھڑول م ہو گیا ہے۔ ایک کتنی کتنی میں ڈال دیتا ہوں اس کے مشکل نہ ہو۔“

حالانکہ کتنی ابھی نصف سے زیادہ تھی۔ میں نے اپنے آپ کو ایک کین اٹھایا اور ٹیک کا ڈھکن ہٹا کر کین سے اس میں بیڑوں ڈالے۔ میں نے نظر اٹھ کر بیڑوں ڈالنے کی رفتار سے تھی۔ میری جپ اس کے پہلے ہو کر موجود گاڑی پر تھی۔ سست رفتاری کے باوجود بیگ مل ہو گیا تھا اور مجھے والی گاڑی حرکت سے نہیں آئی کسی اس کا مطلب تھا وہ سرخ چٹوں والی چھائی کو کھائی کر رہے تھے جبکہ دوسرا سرخ چٹوں والی چھائی ڈال رہی تھی۔ اس موسم میں جی چھائی کی چٹوں کا امکان بھی نہیں تھا۔ میں زیادہ دور تک نہیں سکتا تھا۔

”وہاں ان کو کب کب دیکھو ہو جاتا کہ میں ان کی موجودگی اور توجہ کرنے کا طریقہ کھل ہوں۔ اس لیے مجھ پر اس کے روانہ کرنے کا سوراخ چھانوں کے پیچھے عائب ہوئے۔“

میرے اعزاز سے کے مطابق انہی دس کلومیٹر کا سفر کیا تھا۔ انگریز سے سے پہلے سے سفر کے لیے تھکا ہوا نہ تھے۔ کے مطابق اس جگہ کی نشانیوں دیکھنا مشکل ہو جاتا۔ سبز کا تاج تاج لگی تھی کہ ان کا تھکنا اور اس کے پہلے اس جگہ کی خاموشی تھا۔

”ابا بہت کچھ جپ میں جج خان کے تھے جج چھا جاتا تھا اور اس نے مجھے وہاں قید کیا تھا جہاں اس نے برٹ شاہ کو قیدی کر رکھا تھا اور ایک جگہ بھر انعام اس کی گھبراہٹ سے دور

خان نے برٹ شاہ کا ایک جگہ قید کر رکھا ہوا تھا تو میں نے وہ جگہ روادی کے راستے میں آئی ہو کر سوال یہ تھا کہ وہ جگہ

روادی کی طرف جاتے اور اسے اسے جی میں اور برٹ شاہ

وہاں موجود ہوتا تھا بھی میں اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا تھا اگر

اپریل 2012

بات میری ذات کی ہوتی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ میں وہ جاری تھا جو اپنی ذات پر ہر دواؤں تکمیل جاتا لیکن بات سویرا کی تھی۔ میں اس کے لیے ذرا سا بھی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ابھی پانچ گلو میٹر کا فاصلہ طے کیا تھا کہ تار کی چھانے لگی اور چند منٹ کے اندر ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تھا۔ میں نے جیب کی ہیڈ لائٹس پہلے ہی آن کی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد مہرہ نے کہا۔

”مجھے بھوک لگی ہے؟“

”بس کچھ دیر رک جاؤ۔ ہم اپنی پہلی منزل تک پہنچ جائیں اس کے بعد پیٹ پو جا کا بندو بست بھی کرتے ہیں۔“ میں نے اسے تسلی دی۔ ”وہی تم چاہو تو پیچھے رکھے سامان میں سے کوئی چیز نکال لو۔ بس گرم کیے بغیر کھائی پڑے گی۔“

”نہیں میں بعد میں کھا لوں گی۔“ اس نے انکار کر دیا۔ نقشے کے مطابق مجھے سرک کے دائیں طرف ایک ایسی وادی میں مڑنا تھا جس کا آغاز دی کی صورت بنائی دو چھوٹی پہاڑیوں سے ہو رہا تھا اور جہاں وہی کی دونوں کلیئریں مل رہی تھیں۔ وہاں ایک چھوٹا سا تالا تھا جس پر چھوٹا سا پل بنا ہوا تھا۔ ہمیں اسی مقام سے وادی کی طرف مگھوم جانا تھا اور یہی لمبی وادی آگے جا کر اس وادی سے ملتی تھی جہاں برٹ شا نے ٹینکا بیرے چھپائے تھے اور وہ بیرے مجھے جیسے غیر متعلق آدمی کے لیے بھی مصیبت بن گئے تھے۔

جیب کا آئی میٹر بتا رہا تھا کہ اس وقت ہم سات ہزار چار سو فٹ کی بلندی پر تھے اور یہاں ہر طرف برف کی سفیدی تھی۔ باہر کا درجہ حرارت کئی ڈگری منفی میں جا چکا تھا اور ابھی اس کے مزید گرنے کا امکان تھا۔ رات ہوتے ہی اوپر سے اوس غماوند گرنے لگی اور کچھ دیر بعد دس گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے جیب کو مستقل پہلے گیزر میں رکھتے ہوئے چوٹی کی رفتار سے سفر جاری رکھا۔ یہاں سرک بھی تنگ تھی اور بعض مقامات پر قبوں مگر کرنے کی جگہ تھی۔ دو گھنٹے سے اس سرک پر کوئی اور گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔ گویا یہاں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

سرک اب نیچے کی طرف جا رہی تھی کیونکہ بلندی کم ہوتی جا رہی تھی۔ سات ہزار فٹ نیچے آنے پر ہمیں دائیں طرف دی کی صورت والی پہاڑیاں دکھائی دینے لگیں۔ یہ کہلانے کو چھوٹی تھیں ورنہ ان کی بلندی بھی ہزار فٹ سے زیادہ ہی تھی۔ ذرا دیر بعد ہم اس چھوٹے سے پل تک پہنچ گئے جہاں سے آخر کار ہمیں وادی میں داخل ہونا تھا۔ میں نے جیب

سرک کے کنارے روک دی اور ٹارچ لے کر نیچے آ کر آیا۔ میں نے پل کے دونوں طرف سے نیچے جانے والے راستے کا جائزہ لیا اور اگلے حصے کو بہتر پایا۔ میں جیب یہاں سرک پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

قل الجبال تو ہمیں نیچے آ کر شب بھری کی تیاری کرنی تھی اگلی صبح دیکھتے کہ جیب پر کہاں تک جا سکتے تھے اس سے آگے پیدل سفر کرتے۔ تاریکی اور وحشت کی وجہ سے جیب کی قدر مشکل سے نیچے آئی اور اسے تنگ نالے کے ساتھ روک کر ہم نیچے آ گئے۔ مہرہ نے ذرا سی دیر میں کچھ تنگ لکڑیاں جمع کیں اور الاؤ لگا لیا۔ اگرچہ سامان میں اسپرٹ سے جلتے والا یب اور اسپرٹ بھی تھا لیکن اسے بچا کر رکھنا ضروری تھا کہ آگے نہیں کام آتا۔ یہاں لکڑیاں مل رہی تھیں اور الاؤ سے خود کو بھی گرم کر سکتے تھے۔ کھانے کو ہمارے پاس بہت کچھ تھا اور بھوک بھی لگ رہی تھی۔ مہرہ نے چیزیں نکالیں اور گرم کرنے لگی۔ میں نے کافی کا سامان نکال لیا اور کافی بنانے لگا کیونکہ ملکی تنفا میں شدت سے گرم مشروب کی خواہش ہو رہی تھی۔ میں نے کھانے سے پہلے کافی پی۔

الاؤ ایک بڑے پتھر کے پیچھے اس طرح روشن کیا تھا کہ سرک سے اس کی روشنی نظر نہ آئے۔ ویسے بھی یہاں جھاڑیاں تھیں۔ فتح خان اور اس کے آدمی جانتے تھے کہ ہم کہاں ہیں۔ کھانے کے بعد میں نے دوبارہ کافی گرم کی اور اس بار مہرہ نے بھی لی اور منہ بنا کر پیتی رہی۔ اس کی جیکٹ بھی تقریباً میری جیسی تھی اسے دیکھتے ہوئے اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے اشارے سے اسے خاموش رہنے کا کہتے ہوئے اس کے عقب میں آ کر اس کی جیکٹ کا کارلو پر کیا اور حسب توقع مجھے اس پر بھی ویسکی ہی چپ نظر آئی۔ میں نے کارلو واپس موڑ دیا۔ مہرہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے سوچ کر اشارے سے اسے جیکٹ اتارنے کو کہا اور اپنی جیکٹ بھی اتار دی۔ سردی کی شدت نے چند لمحوں کے لیے اسے لرزایا تھا۔ وہ بھی نہیں میں میں کیوں جیکٹ اتارنے کو کہہ رہا ہوں۔ بہر حال اس نے بھی ہچکچاتے ہوئے جیکٹ اتار دی تھی۔ میرے اشارے پر جیکٹیں وہیں الاؤ کے پاس چھوڑ دیں اور جیب کے اندر آ گئے۔ میں اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھ رہا تھا اس لیے اندر آتے ہی وہ بھی آواز میں کہا۔

”غلط مت سمجھنا، میں تم سے بات کرنا چاہ رہا ہوں۔ ہمارے جیکٹوں کے کارلر میں جو چیز تھی ہے اس سے ہماری

پانچ گھنٹے اور بھی جاتی ہیں۔“

اسے کب تو وہاں گئے وہ بہر حال اس دور کی عورت تھی اس قسم کی چیزیں اب غائب ہو چکی تھیں کہ لیے بھی انہیں نہیں رہی ہیں۔“ لیکن وہ بہت چھوٹی ہیں۔“

”ہاں اتنی چھوٹی چیز میں بھی نہیں دیکھی ہے لیکن تم نے دیکھا جب میں نے راستے میں رخ خان سے کوئی چیز چھیننے کی بات کہی تو پیچھے آنے والی گاڑی اس مقام پر روکی تھی اور وہاں وہ چیز تلاش کرنے رہے تھے۔“

”لیکن کوئی چیز تو تھی، بہر حال اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس چیز کی مدد سے وہ ہماری جگہ سے بھی واقف ہوتے ہیں اور ہماری باتیں بھی سنتے ہیں۔“

میرہو دین عورت تھی وہ میری بات کا مطلب سمجھ کر پڑ پڑا ہوتی۔ ”تیب کیا کریں اس موسم میں کوٹ کے بغیر تو رہ نہیں سکتے۔“

”بہرے لیکن میں نے جنہیں اس وجہ سے تپایا ہے کہ منہ سے فاصلہ ضرورت کوئی بات نہ لگا ان میں اگر کوئی کام کر رہا ہوں تو اسے تعاقب بھی کرتا ہوں اور میں ان سے آواز کی آدھی جان جاں جاں گئے۔ وہ ہمارے دشمن ہیں اور دشمن کا بے خبر بہتر ضروری ہے۔“

”اسی طرح انہی سے پیچھے کیوں ہیں؟“ اس نے تعجب سے نظروں سے اٹھ دیکھا۔

”رخ خان مجھے سے ایک کام لینا چاہتا ہے۔“ میں نے گول مولی اعزاز میں کہا۔ ”یہاں بھی خامی سردی ہے اب ہمیں اپنی جگہیں بہت مہین تک چاہئیں۔“

میرہو دین کھڑے کھڑے اس کی بات کا جواب نہیں دینا چاہا وہاں۔ ”میرا بہن! میں کہہ دوں گا کہ وہاں اس کے پاس بیٹھے ہوئے۔ جب لاؤ بیٹھنے لگا تو اس پر بھی ڈال کر کم جیب میں آگئے۔ سارا سامان پھیلے جیب میں رکھ دیا تھا کیونکہ ہمارے چھوڑنے کی صورت میں کوئی جنگی جانور اس پر دست دراز کر سکتا تھا۔ یہی ایک جگہ یہاں کوئی جانور دکھائی نہیں دیا تھا تو اسے چند آوارہ توپیں کے جواس موسم میں نہا کے لیے درجہ پھر رہے تھے۔ جنگی جانور عام طور سے سامان کو بچھنے سے جانتے ہیں۔ یہاں پر دیہی، بھاری شہر، پیچھے اور پیچھے سے بھی جانتے ہیں۔ اگرچہ کل خطار سے ان کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے لیکن پھر بھی ہوتے ہیں۔ یہاں کے علاقے میں نے تو ہی بدتر تھی کہ اسلام آباد میں دس کوہ پر لوگوں نے چاند دکھا ہے۔ یہ اوپر کی سردی سے بچنے کے لیے یہاں بچے چھپا گیا تھا۔“

سردی کی شدت بڑھ گئی لیکن گرم کیلوں میں لپٹ کسی طرح خیر آئی تھی۔ اس کی سردی نہیں تھا کہ اچانک میری آنکھ کل کی پیلے تو سمجھیں نہیں آ سکیں جب میں نے بہرہ رس دیکھا تو میرا تعجب بھی۔ وہ کسی دفعہ جیسے باہر گئے تھے بالکل پانچ تین چلا تھا میں نے اس کا مکمل چیک کیا وہ غصہ ہوا پر خاموشی میری دم سے کم ہورہی تھی میں نے غائب تھی۔ میں بھی جیب سے اتر آیا۔ انداز میں دیکھی ہوئی تھی۔ میں نے ایک تاجور کاٹلی اور اس پاس کا سائنہ کیا پھر دین زبان میں اسے آواز دی کہ اگر وہ پچاس فٹ کے فاصلے میں سے انہیں بولی تو میری آواز نہ سنیں گی۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ نالے سے دو گھنٹے دکھائی نہیں دے رہی تھی پھر میں لاؤ لائی جگہ آئی میرہو دین بھی نہیں تھی۔ ٹیلی اور سڑک والا جھوٹا سڑک میں تھیں میں نے اس طرف دیکھا وہ ایک مناسب تھا۔ یہ تو بے قاعدہ میرہو خود کی ہے لیکن کہاں اور خارج کی روشنی میں دوسری طرف سے آئی دکھائی دی۔ میں اس کے پاس چلا گیا اور کوئی نہیں کہا۔

”تم بہت بے خبر کیا ہاں چلی گئی؟“

”وہ سردی سے کاپ رہی تھی۔“ مجھے حاجت ہو رہی تھی۔

”اوس کے لیے ٹیلی کے دوسری طرف جانے کی کیا ضرورت تھی؟“ میں نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

”اس طرف اپنی نہیں تھا۔“ وہ بولی۔ ”پانی دوسری طرف ملا ہے لیکن بہت سرد تھا میرے ہاتھوں کو بکسے ہیں یہ دیکھو۔“

اس نے مجھے اپنے ہاتھ مجھے جو واقعی تم اور مجھ رہے تھے۔ ہم واپس جیب میں آگئے۔ میرا شکم کم ہوا تھا لیکن مجھ میں نہیں ہوا۔ پانی وہ جیب سے بھی لے سکی تھی اس لیے اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے جیب میں واپس آئے اور اس کے سامنے اسے اپنے جیب سے کچھ دیر کے لیے اٹھ چلا کر بیڑا کن روایا۔ وہ ایسے چلتے چلتے کہ گڑا گڑا سامنے رکھے کر مٹی رہی۔ جب ہاتھ کم ہو گئے تو وہ دوبارہ مکمل میں لپٹ کر سو گئی۔ اس کی جگہ کے چارے تھے اور سورج نکلنے میں بیٹھنا بہت وقت تھا۔ میں بھی مکمل اوڑھ کر سلاہ کر کے دوایں کے سامنے اس کے سامنے کھڑی تھی تو غرض اس کی بات کی نشانی ہی کہ وہ نیند میں جا چکی ہے۔ آدھی ٹی خرابے تو لے سکتا ہے لیکن اس قسم کی غرضانی آواز جان بوجھ کر نہیں نکال سکتا۔ اس میں ایک فطری روایت ہوتا ہے جو صرف گہری

نیند کی صورت میں آتا ہے۔

میں نے مزید کہہ کر انتظار کیا اور میرہو بہت دیر تک اسے جگٹا کرتا رہا۔ جب اور بالکل عمارت میں سو گئی میرہو بلائے بغیر کہہ کر نہ دیکھنا ثابت ہوا تھا۔ اس کو بھی کچھ مشکل تو ہوئی لیکن میں نے جگٹا آتاری اور پھر مکمل لوکیک طرف کرتے۔ کچھ دیر اور کھول کر خاموشی سے بے اثر آیا۔

”جی جیب کے دروازے بے آواز تھے۔ میں نے باہر آ کر اسے آگے سے بند کیا۔ مرنے میں سردی سے جوش بہاوا دو گھنٹے گزرے۔ میرہو گھر اس کے بغیر جا رہی تھی۔ میں دونوں ہاتھ نعل میں دیکھنے کوڑے میں سے ٹیلی کی طرف بے قابو۔ میں تاریخ استعمال میں کر سکتا تھا اس کی روشنی کا کچھ نہ سکی تھی۔

”کچھ نظر پر آ کر میں نے اس پاس کی ٹیلی کی کوشش کی۔ کچھ نظر پر آئے تو سوال یہ پیدا نہیں ہوا تھا کہ آواز سامان صاف ہوتا تو پھر بھی دکھائی دیتا لیکن یہاں وعدہ اتنی کی کر روشنی کرنے پر پانچ توڑے کے کچھ نظر نہ آئے۔ تناہا کہ تھا۔

”میں سردی برداشت کرتے ہوئے خاموش کھڑا رہا۔ شاید یہ صحت کو اور اور میرے جسم کے اعجاز کا پتہ چرور کر دیا تھا۔ سردی میری برداشت سے باہر ہونا جاری تھی۔ میں نے ٹھنک کر اب مجھے واپس لینے جانا چاہیے اور میں وہ قدموں داناں جیب میں آگیا۔ جگٹ نہ ہن کر اور مکمل کوڑھ کر دیکھ کر میں جان اپنی کی۔

”مجھے ہڈی کا ہونے ہے۔“ میرہو مجھے لایا تو میں بیدار ہو گیا۔ باہر روشنی جو دھڑکی اور صندھ کی کم ہوئی تھی۔ میں نے سمجھ کر اٹھ کھڑی لیکن کی کوشش کی تھی جو اس کی سوال میں کوڑھ کر دیکھی۔ ”رہتی کچھ کہاں تھی؟“

”میں نے اس کے ساتھ ساتھ رہا پیچھے سے پڑائی سے کہا۔“ اسی کام سے اچھا تھا کیا کام سے تم کی تھی۔“

”دور گئے تھے۔“ اس کی آواز میری جاری تھی۔

”نہیں لیکن وہ جیب سے چند تر دور۔“ میں نے جواب دے ہوئے تھوڑا کھڑا تھا۔ میں نے جیب میں آگیا کہ میں اس موضوع پر اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ وہ جیب سے نکلی۔ یہاں پر نہات والی جگہ کھلائی اور میرہو اتنا تیار کر کے۔ جب تک اس نے ناشا چاکریا کیا میں نے نالے میں کچھ دور کر کے بائیر خاں لیتا تھا اس کی جیب سے ٹیلی کی اس کی جیب میں کچھ مکمل ہوتا۔ میں نے جیب کے ذریعے جاتے اور اس کے بائیر خاں پیدل کر کے کیونکہ کھٹے کے مطابق میں ٹیلی کی مکمل کا سفر لے کر تھا۔ اسکان تھا تھا کراچ تک ہم کامیاب وادی میں ہوں گے۔ میں واپس آیا

تو میرہو ناشا چاکری تھی۔ شک۔ دو وہ پانی ڈاکر اس میں دلہ بنایا تھا اور کچھ میں چائے تھی۔ ناشا کر کے سورج کی روشنی کو اور ہونے کی تھی۔ اس کی سہا چاکریاں جو پانچ جیب میں آگیاں تھیں۔ یہ تھیں اس کے نالے کی زمین کی ہونے کی وجہ سے یہاں سردی کی شدت زیادہ تھی۔ یہ سردی بہت کم تھی اس اور اگر کم کوز پاؤہ و حرکت نہ دی جائے تو جسم دھک لگتا ہے۔ میرے برتن سینے ہوئے پچھا۔

”میں اس طرح سرد رہا۔“

”جہاں تک ہو سکے گا جیب سے جا میں گے اور جہاں سے آگے جیب میں جا سکتے ہیں وہاں سے پیدل سفر کریں گے۔“ اس نے نالے کی طرف دیکھا۔ ”اس میں تو گاڑی مشکل ہے۔ ٹیلی کی خراب بھی ہو سکتی ہے۔“

”مشکل سے بھی نہیں ہو سکتی۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”بے وقوف کبھی بھی جیب اس راستے پر خراب نہیں ہو سکتی کم سے کم جا کر پھر ہونے کا امکان بہت زیادہ تھا لیکن یہ کوئی بھی میری جیب سے اس کی پروا ہوئی۔ اس نے میری طرح بے پروائی سے رخ خان سے زبردستی میرے سردی تھی۔ سامان رکھ کر میرا گروہ روانہ ہوئے۔ نالے کے پھروں پر چھپ کر میری طرح اچھل پھل رہی تھی اور بار بار قافلوں سے باہر ہو رہی تھی۔ اس کی گود کا ڈیڑھم پڑھی ہو رہا تھا مگر پیدل چلنے کے مقابلے میں یہ شہت کم تھی۔ میرہو کی بارش کی ٹیلی اسے بھی سبک دینا باندھ دی تھی۔ گھر اس سے نکلے والے جھکوں پر کوئی فرق نہیں تھا۔ اس کا جواب دیا۔ وہ سرے سے تھے۔ وہ اس طرح سڑکی عادی نہیں تھی اس لیے کچھ دیر بعد ہی بلایا آئی۔“ میں نے بائیر خاں لیتا تھا۔

”مجھ سے بھی نہیں ہو سکتی۔“

”مجھ سے بھی نہیں ہو سکتی۔“ میں نے بائیر خاں لیتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹھوڑا سا تیز چٹا ہوا۔ میں نے سر ملا لیا تو اس نے مجھے گھور کر دیکھا لیکن میری جیب میں کس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ظاہر ہے اس کے پیدل چلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ موسمی جو جگہ سے اٹھ کر کھٹ پڑا تھا اور میں بھی ان گھروں میں پانی جمع تھا۔ یہاں ہر جگہ میں تھی، شامی، ہاتھ بالکل ٹھیک جگہ کی دے ہر جگہ پر پڑی تھی۔ پھروں کی وجہ سے مجھے پوری توجہ سے ڈانڈ کر کے پڑی تھی کیونکہ دور فاصلت سے جیب کی گڑ سے میں اس کی جیب کی کسی پتھر پر چڑھ کر اٹھ سکتی تھی۔ اس کی دیکھ کر اس نے کچھ دیکھا۔ وہ ناشا چاکریاں لیتا تھا۔ وہ ناشا چاکریاں لیتا تھا۔ اس کے لیے کا مسٹر یہ بڑھ گیا تھا۔ نالے سے نکل کر سڑک کرنے کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ واپس بائیں وھلان گیا لیکن اس

اپریل 2012

ثابت ہو گیا کہ ہزار میں ہزار ملکر نئے والے جج خان کے ہی آدی تھے اور اس کی متعدد دیکھو کچھ سے الگ ہونے سے دیکھا تھا۔ وہ اپنے متعدد میں کا صاحب رہے۔ ان کے لئے کی وجہ سے میں نے ہر دو گنا کھانہ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا ورنہ میں تو اس سے جان بچتا چلا جاتا تھا۔

آدھے گھنٹے آرام کے بعد دم دوبارہ روانہ ہوئے اور مزید ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد اس وادی میں داخل ہو گئے۔ میں نے پہلی نظر میں وادی کو خوشنکاح کر لیا لیکن اس کے سوا میں وہ قدرتی چتر لیے کھڑے تھے جہاں ایک وقت میں جج خان اس کا سا ماسی افسانہ اور برٹ شام موجود تھے اور جج خان ایکن کو پر غلام بنا کر اس کے باپ سے میرے حاصل کرنے کی خاطر کر رہا تھا۔ ان ہی قدرتی کھنڈرات میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب پاس سے میں اور یکن سرے کے قریب ہو گئے تھے۔ گری بلا کی اس دور کی کے موسم میں یہ چٹانیں تپ جاتی تھیں۔ پانی جج خان کے پاس تھا وہ اٹھل پاتل اپنے کپے کے چار کھینک چٹان کا سا ماسی لایا جس میں آگیا تھا اور دونوں میں کئی کئی سالوں کا سا ماسی مارا گیا اور دونوں حالت میں برٹ شا کو کر فرار ہو گیا جس اور یکن کئی دن تک پہاڑوں میں گھس گئے کے بعد وہاں سے نکل آئے تھے۔ وادی دیکھنے سے مجھے خاصی کھانسی کا معاملہ یاد آئے تھے۔ میں ایک بار پلوئیس کے ساتھ بھی یہاں آیا تھا جو برٹ شا کی کم مدھی کی فحش کر رہی تھی۔ مگر تھیں ہی نہ تھیں۔

"کیوں گئے ہو؟" ہم دونے مجھے خاصی دور سے ساکت دیکھ کر کہا۔ اس وقت ہم وادی میں داخل ہونے والے تھے۔ ہر گز سے تھے یہاں کی قدر بلندی کی بار سامنے اور دیک بھلی اور اس کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ حرمت انگیز طور پر یہاں زیادہ برف نہیں تھی خاص طور سے وادی کا وہی حصہ صاف تھا جہاں یہاں بڑے والی تھیں تھیں وہیں کبھی کبھی ابلتہ بلند ہوئی پہاڑی ڈھلوانوں پر برف دکھائی دے رہی تھی۔ ہمرو کی آواز پر میں چڑھا اور اس کی طرف دیکھا۔

"ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں مجھے یقین وہ جج خاں کی کڑی ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے چلی۔ "کیا وہ کوئی تپتی چیز ہے؟"

"ایسا ہی نہیں لگتا مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے البتہ جج خان اس کے پیچھے پاگل ہو رہا ہے۔" میں نے کہا اور نیچے اترتا ہوا چلا گیا۔

"میں اعلانہ ہے کہ وہ جج خاں ہے؟"

"پاگل نہیں۔" میں نے صاف کوئی سے کہا۔ "وہ اس ایک سال پہلے وادی میں بھی نہیں ہو سکتی ہے۔"

اس نے میرے سے میری طرف دیکھا۔ "تب تم اسے کیسے تلاش کرو گے؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔" میں نے ہمیری سانس

"لیکن میرے پاس سات دن کی پہلے ہے۔"

"سات دن۔" وہ تقریباً پٹا لگی۔ "یہاں تو کوئی چیز تلاش کرنے کے لیے سات مہینے کی کا کافی ہیں۔ جج خان جنہیں یہ وقف بنا رہا ہے، اس نے شاید انہیں یہاں بٹھانے کے لیے بھیجا ہے۔"

"شاید۔" میں نے سہم انداز میں کہا۔ "مہر کو مڑل دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں ایک خیال آ رہا تھا۔ اور جج خان میں اترتے ہوئے میں نے قدرتی چتر لیے کھڑے کر رکھ کیا۔ مہر اب خاموشی سے میرے پیچھے آ رہی تھی۔ سورج اس پر ہوا تھا اور ایک کچھ پر بعد یہ ڈھانا شروع ہو جاتا۔ کھنڈروں میں ایک خاص جگہ تک میرے کمرے نے اپنا سامان رکھا اور پھر کھڑے کھڑے میرے بندے آواز سے کہا۔

"میں تمہیں گلیا ہوں پھر دوبارہ آرام کروں گا۔"

"میں بھی تمہکی گی ہوں۔" وہ بولی۔ "یہ بہت مشکل سفر ہے۔ کاش میں تمہاری بات مان لیتا اور واپس چلی جاتا۔"

"اس وقت مان لینا اب تو بہت دور ہو گیا ہے۔"

میں نے کہتے ہوئے اپنی جیکٹ اٹھائی۔ "میں اس کی اور اسے بھی جیکٹ اٹھانے کا اشارہ کیا یا اس بار میری بات سمجھ گئی اور اس نے بے پھر نہ چڑھا دی۔ جیکٹ اٹھائی۔ تادریں میرے قدموں اس عمارت سے دور اور اس کے پیچھے میں گئے بائیکروٹوں ہماری آواز جج خان میں کر سکتے تھے۔ پھر چلی میں نے سر کوٹھی سے کہا۔

"مہر واصل بات ہے کہ جج خان جنہیں واپس جانے نہیں دے گا اگر تمہیں کسی کو کھنڈر تو وہ نہیں کھنڈر کر دیتا۔"

"میں اس سے بولی۔" اس نے سر ہلایا۔ "بات اب میری سمجھ میں آ گئی ہے۔"

"تم نے اس کے چار نہایت اہم آدمیوں کو قتل کیا ہے اور وہ کسی صورت میں صاف نہیں کرے گا۔"

"اس طرح بھیڑنا تمہیں نہیں آتا ہے؟"

"اس نے چوڑا نہیں ہے اب بھی تم اس کی تندی ہو۔" وہ تہوار اور میری سہل گرائی کر رہا ہے ہماری دوازی تک سن رہا ہے۔ مجھے یقین ہے اس وقت بھی وہ ہم سے زیادہ دور نہیں ہو گا۔ اس طرح تمہاری مدد سے میری گرائی کے لیے

تمہیں چھوڑا ہوا ہے۔ لیکن میری اس کا کام لگے گا وہ جنہیں مار دے گا یا اپنے درندہ صفت کامیوں کے حوالے کر دے گا، وہوں سور تو میں تمہارا ایک ہی انجام ہو گا۔"

"میں تمہیں ہوں پر میں کیا کروں؟"

مہر ڈوڑکی لگی۔ "میں تمہیں ہوں پر میں کیا کروں؟"

اس نے نظر بھرا کر سے دیکھا۔ "مہر اگر تم بہت دھڑک رہے ہو تو میری جان بھی پاسکی ہو اور تمہارا مستقبل بھی محفوظ ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"میں تمہیں کو کھنڈر کر کے یہاں سے نکلتا ہو گا اور ایک جگہ بٹھاتا ہو گا وہاں سے تمہیں مدد مل جائے گی۔"

"یہاں پر؟" اس نے پوچھا۔

"یہ مجھے نہیں معلوم لیکن میں مغرب کی طرف جانا ہو گا شاید ان پہاڑوں کے پیچھے۔" میں نے مغرب کی طرف پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کے پیچھے ایک بہت اونچا ٹھکانہ ہے جہاں جاعمر دروازے کے بارے میں معلوم کرنا ہو گا۔ ایک بار تم اس کے پاس پہنچ کر بائیں طرف غلط ہو جاؤ گی۔ پھر تم میری مدد کی کر سکتی۔"

"اچھا مگر دروازہ تمہارا دوست ہے؟"

"ایسا ہی سمجھو۔"

"کیونکہ میں جاؤں گی۔" خلاف توقع وہ فوراً مان گئی ورنہ نہ خیال تھا اس کی ایسی غلطی اور پھر اس موسم میں وہ نہ آسانی سے جانے کے لیے تیار نہیں ہو گی۔ "لیکن جج خان میرے کوٹ کی وجہ سے میرے پیچھے نہیں آئے گا۔ اس نے غلط خیال ہے۔"

میں نے جج کی بات کی جج خان وہاں جانا کر وہ مجھ سے الگ ہو کر گھس جاتی ہے۔ وہ اسے دوبارہ بکڑ لیتا یا مار دیتا۔ مجھے جیکٹ میں جج کی جگہ بکھڑا تھا۔ سوتے ہوئے ایک تدبیر میرے ذہن میں آئی۔ "وہ کو کھنڈر کی جگہاں سے تھیں اور یہاں ایسا ہو گا کہ تم مجھ سے لڑی اور میں نہیں دھکا دوں گا تم کو اور کٹ میں جج کی ہوتے پھر سے کھرا کرے گا ہو جائے گی۔"

"وہ مسکرائی۔" ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن میں تم سے کیوں لڑوں گی؟"

"میں بھی بھانے۔ اس لیے بھی لڑ سکتی ہو کہ میں جنہیں اچھا دیکھ لے کر آیا ہوں اس طرح جب تم فرار ہو کر جج خان کو میری حقیت لگے کہ درندہ بہت ہوشیار آدمی ہے اتنی آسانی سے کی بات پر یقین نہیں کرنا۔"

"ہاں یہ یقین نہ کرنا۔" وہ دہرائی ہو گئی۔

"لیکن اداکار کی نمک کرنا جج خان کو ایسا لگے کہ تم جج جج سے لڑ رہی ہو۔" میں نے کہا اور ہم واپس آ گئے۔ میں نے اپنی جیکٹ میں لڑی اور میری جیکٹ اپنے پاس رکھی۔ پھر میں نے اس سے کہا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

"تو مجھ کی۔" میں نے وہ روئے انداز میں کہا۔ "مجھے کیا پتا تھا مجھے ایسی جگہ ملے آگے۔"

وہ بھی اداکار کی کر رہی تھی۔ میں نے اشارے سے داد سے کہا۔ "میں نے تمہیں کیلے ہی بتا دیا تھا۔"

"وہ چلائی۔" تم نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میں جنہیں مار ڈالوں گی۔" وہ کھڑک میرے پاس مل گئی۔

"ارے۔۔۔ تمہارا دماغ غراب ہے پیچھے ہو۔"

مہر نے ہاں جج جج میرے میں نے اسے دھکا دیا ہو اور وہ جج کی ہوا اور اس میں سے میں نے میری جیکٹ کے کارل میں کی چپ کر لیا۔ "میں نے دھکا دیا۔ پھر پھر۔"

"کیا تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟"

"مجھے اتنی زور سے دھکا دیا میری گردن پتر سے کھائی ہے۔" وہ کراہتے ہوئے بولی۔ میں نے اشارے سے اسے بھرن ادا کار کی پروا دی اور بولا۔

"صاف کرنا تم پر بھی تو اچانک بھوت سوار ہو گیا تھا۔ ہم حال میں سے نہیں یہاں آئے سے پہلے بتا دیا تھا۔ میں نے جیکٹ اسے تھمائی۔"

"وہ جیکٹ پہنتے ہوئے بولی۔" میں واپس جاؤں گی۔"

"میرا نہیں خیال کی تم واپس جا سکتی۔" میں نے کہا۔ "مجھے یقین ہے جج خان اور اس کے آدی یہاں نہیں آس پاس موجود ہوں گے۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔ وہ نہیں نظر نہیں آئے۔"

"جج خان کو کافی نہیں ہو۔" میں نے کہا۔ "بہر حال جب تم کو کھنڈر کر دے تو میں جج کو چل جائے گا۔"

میں نے ایک بار پھر اپنی جیکٹ اٹھائی اور میری گردن دور لائی۔ میں وادی کا جائزہ لینے لگوں گا اور تم یہاں رہو گی۔ تم اپنے راستے کے لحاظ سے کہا کہ پتہ کا سامان اپنے جیکٹ میں ڈال کر یہاں سے نکل جانا۔"

اس کے چہرے پر ہر گز کے تاثرات نہ آئے۔ شاید اب وہ اکیلے جاتے ہوئے ذریعہ تھی۔ "کیا میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔" میں نے صاف کوئی سے کہا۔ "لیکن آدی ہوت اور کھنڈر کرے تو کیا میں کر سکتا۔"

ی طرح اسے آواز دیتا ہوا غار نما جگہ میں داخل ہوا۔ پھر

جیرانی سے ہر دے غائب ہونے کا انکشاف کیا۔ اس کا بیک اور دوسرا سامان کسی غائب تھاور ہے ویکٹر کچھ کچھ کچھ بڑا کدو کے لئے ہے۔ اچھا سامان سامان سے گئی کسی یوں مجھ لیں کچھ فیصلہ کر لی گئی اور صرف تین فیصد چھوڑا تھا۔ ایک کدو کے لئے غائب تھا۔ یہاں تک کہ میں یہاں قیام کے ارادے سے نہیں آیا تھا۔ اگر ہر دے اچھا زیادہ چیزیں لے گئی کسی تو اس نے ٹھیک کیا تھا کیونکہ اسے ماحول مٹاؤں کی طرف جانا تھا۔ جبکہ میں ایک معلوم کھانا تھاور بھی خوراک کی ضرورت نہ تھی تو میں وادی میں گیا جاکہ تھا۔ میرے ہر دے کے قریب بندو کی نان چھوڑ گئی جس میں چکا کر لیا تھا۔ یہ نان خاصے گرم کھانے کا ہے۔ کام آسکتے تھے اور میں آگیا تو دس دان سے زائد بھی کر لیا کہ کتنا شہر ہے وہ کافی اور اس کا سامان کے ڈھائی گنا کی اس کے علاوہ وہ دھاریج اور بڑی تعداد میں ان کے ڈھائی تیل لے گئی۔

میں نے کھادے سے لیے اسے کچھ کچھ کھلا اور پھر نکڑی ایک طرف دھکی اور پھر قریب کر کے آگ کی جگہ بنائی۔ نکڑی پر تھوڑا سا سپرٹ چمک کر آگ دکھائی تو وہ دھڑا دھڑا ملنے لگی اور غار میں تھوڑا دھڑکنا اور خوشبو بھی آئی تھی۔ مگر نکڑیاں جتنی تیزی سے جل رہی تھیں لگتا تھا قمارت کرانے کے لیے مجھے دوبارہ نکڑی قریب کرنا پڑے گی۔ پھر اچھی تو نکڑی خاصی تھی۔ میں نے کھادے سے لیے میرے ہر دے آس پاس ٹھانی آگ ملائی تھیں۔ پہلے اعلان کر چکا تھا کہ وہ سامان لے کر نو دھار تھاور ہو گئی ہے۔ میں ہر دے کو نہیں بلکہ قریب خان اور اس کے ساتھیوں کو لے گئے کی کوشش کر رہا تھا جو کدو کدو میں ہر دے کا پیچھا کرنے کی کوشش کرتے لیکن مجھے وادی میں کسی حرکت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ شاید قریب خان کو اس سے کوئی خبر نہیں رہی تھی۔ اس نے ہر دے کو صرف کچھ نظر نہ رکھنے کا ذریعہ بنایا تھا اور اب میں وادی میں تھا یہاں سے فرار کی صورت میں وہ مجھے روک سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہمارا ذرا سا پیاب رہا تھا ورنہ قریب خان فوراً ہی یہاں آنے موزوں تھا۔

رات کے کھانے کے لیے میں نے روٹی کے ساتھ ایلے کوٹ کا ایک تین کھلا اور اسے لٹا کر گرم کر کے روٹی کے ساتھ کھایا۔ کافی کی کٹلی پیلی سے رکھ چکا تھا۔ کافی کی میں اٹھنے لگا۔ اس کے پیچھے کدو اور اب میری کدو تھیں۔ قریب خان نے اس سے خبر کے تلاش کر دی کہ کیا میں فرادی طرین بنا کی تھیں کے ذہن کو خود شروع کر دوں۔ اس کے علاوہ میرے پیٹل کرنے کے لیے اور کیا کرنا تھا؟ جیسے

جیسے میں اس پہلو پر سوچ رہا تھا، پھر غصہ بڑھتا رہا تھا۔ آخر خان جانے تھے۔ یہ اتنی احتیاط تو قریب خان کی گئی؟ اگر وہ ہیروں کے پیچھے جاگل ہوں تو قریب خان ہی اس کے ہم اپنے کیے کے بلکلان کا اعزاز ہونا چاہیے تھا۔

اس وادی میں نہیں پہنچی پہنچی ہی چلا خڑ کرنا بہت ہی مشکل تھا۔ یہاں تو کسی باگی کوڈن کر دیا جائے تو اس کا سرخ ٹانگا بھی ناپس ہوتا۔ تو کسی میں آجائے وادی پہنچی ہی چمکی۔ مجھے یاد ہے میرے ایک سیاہ رنگ کے کتے میں سے قریب خان کوڈن کیا تھا۔ وہاں سے اس کا سرخ تیلے سے جادوں طرف تھا۔ وہ دیکھ گیا تھا۔ میری بحث مباحثے بالکل باج تھے۔ اسے نہیں وادی تھا۔ وہ دیکھ گیا تھا۔ میرے خود بہت سخت ترین اور سوائے حرارت کے اور کسی چیز سے متاثر نہ ہونے والی چیزیں تھیں۔ کیونکہ یہ خاص کارکن سے بنے ہوتے ہیں اس لیے کبھی کسی بھی انہیں لانے کی بات نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ موسم، ہائی اور تیزاب تک سے متاثر نہیں ہوتے ہیں۔

کافی ختم کرنے کے کے لٹاؤ کے پاس رکھ کر میں نے خیمہ نکالا۔ یہ زمین پر خود ہی خود گدگد جانے والا تھا۔ قریب خان سے کھولنا بہت جلد تھا۔ میرے جھونکا اور دھڑکنا اور دھڑکنا طرف سے لیا۔ اس میں آبی کسی گرم کرل لیت جائے۔ یہ کسی گرم سیریل سے بنا تھا اور باہر کسی سردی سے خاصی حد تک محفوظ رکھا تھا۔ میں نے خیمہ کھولا اور ذہن میں پرکھ دیا۔ یہ زپ سے ملے طور پر بند ہونے والی تھی۔ اس کے اوپر ایک آدھ دھرت کے لیے جالی کی تھیں جن اس سے کیڑے کوڈے اور اسی طرح کے دوسرے رہنے والے جانوروں کی آسکتے تھے۔ میں نے اسے آگ سے راز رکھ رکھا تھا کہ چنگاڑی افاق سے بھی اس پر نہ آکر دینے جل بھی سکتا تھا۔ میں نے قریب خان سے جو تین تین اتارے تھے اس لیے ابھی جو تین آتارے سے فائدہ سے ہر دے کی آگ تھی تھی۔ اگر میں ایک دو دن اور جو تین زاربات تو ہر دے کی کھال بھی مڑنے کے ساتھ ختم چائی۔

آگ تھی۔ وہ خان خان اس نے اپنی جگہ سے بے جا میری طرف سے کچھ نہیں کہا۔

”تم بگڑ گیا ہے۔ ہمارا کوشش تھا تم آرام کتا ابھی صح ہونے میں مدد ہے۔“

مگر جب خان خان سامنے ہوا آرام کیسے کیا جا سکتا تھا۔ میں نے کھانے سے نکل آیا اور جو تین موزے کھانے لیے لٹاؤ تھا۔ میں مزید نکلیاں ڈال دی گئی تھیں۔ اس لیے وہ مجھ نہیں تھا۔ میں قریب خان سے مخالف میں بیٹھ گیا۔ میں اپنے دیکھنے کے باوجود کوسوں تھا اور میرے صاحب میں کوئی ٹپل نہیں تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ میں خوش تھا تو غلط نہیں ہوگا۔ قریب خان کا اس طرح سامنے آنا عایت تھا کہ اس کی اصل اہمیت وہ دیکھ گیا جسے میں نے مجھے کہا یہاں بیٹھا تھا۔ اس کا خیال یہ کہ وہ کدو جانے والے پر میرے سامنے آجاتا تھا میں نے دیکھ لیے میں کہا۔ ”خان خان تمہارا مقصد کیا ہے؟“

”ایک مقصد تو پر ہوا گیا۔“ اس نے بھی پورے سکون سے کہا۔ ”میں یہاں آنا تھا تو قریب خان سے۔“

”کیا تمہارا اصل مقصد تو یہ ہے۔“

”ہاں اس مقصد تو وہی ہے۔“ قریب خان بولا۔

”میرے ذرا مار کرنے کی ضرورت تھی؟“

”جب تمہاری سامنے آجائے گا۔“ وہ جلی بار مسکرایا۔ ”شہزاد خان تمہاری کمر کرتا۔“

میں نے اسے جگہ میں آگئی۔ خان شاید تم اس وقت اپنی برتری اور کمانڈ پر فخر میں کہو۔ یہ خود کو کچھ کچھ دے ہو جن کو جب تمہاری یہ پوزیشن نہیں ہوگی اور میں مجبور نہیں ہوں گا کہ بارے بارے میں تم سے سوچا ہے؟“

”اس کا نہیں ضرورت ہوگی۔ اس نے بے غمگی سے جواب دیا۔ ”میں کام ہوا تو دنیا میں نہیں ہوگا اور کامیاب ہوا تو اس تک میں نہیں ہوگا کوئی نہیں جانے گا کہ قریب خان کہاں غائب ہوگا۔“

”خان خان میں اس طرح سے غمگی ہے یہاں بیٹھا تھا اسے یقین تھا کہ میں نے خلاف کوئی جذبات نہیں کھینچا تھا۔ اس کی غلطی صرف اپنے یقین پر مطمئن ہونے والا نہیں تھا۔ قہار میری کسی بھی خلاف معمول حرکت پر وہ بھی حیرت اور حیرت کا لڑا بیٹھا تھا۔ اس نے میری حرکت کی حرکت کی صورت میں میرے جسم میں ایک سوراخ کا اضافہ ہوا جسے اس نے لیے میں نے کسی جذباتی حرکت سے پرکھا، ویسے اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ اس میں قریب خان کو کوئی نقصان پہنچا

بھی دیتا تو اس سے سوچا اور اب نہیں تھی۔“ یہ یقین تھا کہ میں میرے پیچھے ہو گئے۔

”تم ٹھیک سمجھا میں کسی پر اعتبار نہیں کرتا ہے۔“

میں نے کافی تیار کی اگرچہ قریب خان کو ہر دے کو دل چاہ رہا تھا۔ لیکن لی الیال کا بھی دیا ہے۔ وہی اس نے خلاف بھی خاصی زہری کوڈن کر رہا تھا۔ میں صرف ایک فیصلہ کر کے سرخ کی طرف جا رہا تھا۔ ڈیوڈ شائے تھا کہ معاملات میں کرنا تو کھانا تھا۔ اگرچہ مجھے نہیں تھا کہ مرشد ہی کرے گا جو ڈیوڈ شائے کا لیکن اس کے شال ہونے سے مرشد پر ایک طرح کا ذیادہ ضرور آئے گا۔ وہ کو ہر طرف سے گھرنے والی پالیسی بہترین ہوتی ہے۔ اسے گھبر اس کا مقام کھانے کے ڈھانچے سے اپنی بات نہ مانوس کی اور میرے ساتھی اسی حکمت عملی کے تحت کام کر رہے تھے پھر آج آج خاصہ میں نے غلطی سے کی کھلا پر کچھ زیادہ غور کیا لیا۔ اگر میں اپنے منصوبے کے منصوبے کے تحت کام کرتا تو شاید یہ مسئلہ نہ ہو۔ اس نے قریب خان کے سامنے کھانے کے بس نہ ہوتا کیونکہ اس نے سوچا کہ ان کو مارنے کے منصوبے پر ضرورت نہیں کہ کرنا تھا چاہے میں اس کے ہاتھ آجائے یا نہ آجائے۔

”سوچا کہاں ہے۔“

”مختطف تو اور کمر کر اس کے ساتھ صرف شہلا ہے۔ وہی اس کا کچھ بھال کر دی ہے۔“ اس نے تلی دینے کے اعزاز میں کہا۔ ”پھر جارا کوئی اور آتی نہیں ہے۔“

لیکن میں اس کی کٹلیوں میں آئے دلا نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ”خان خان سوچا کو کدو کوئی جیو بیو جیو میں تمہارے قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔“

اس نے تلی میں سر ملایا۔ ”میرا ہاتھ میں ایک دوی تو کاڑھے۔ وہ دیکھ کر تو میں قیاس نہیں کرے گا۔“

”خان خان میں تمہیں کھانا لیکن تم کدو میں قسم۔“

”اس کا صرف تمہیں ہے۔“ اس نے میری بات کاٹی۔ ”ابھی تم ساتھ ہے اور ہے گا۔“

میں بیٹھا گیا۔ ”جب تم کیا جا چکے ہو تو کچھ جاتے ہو اس وادی میں ایک چھوٹی سی چیز کو کھانا ناگن ہے۔ اس کا لڑا بیٹھا تھا۔ اس کے زہر آدھ کی ہے۔“

”میں اس ناگن کو کھانے بناؤں گا۔“ اس نے یقین سے کہا۔ ”ابھی تم کچھ گئے۔“

رات کے آخر ہی پھر قریب خان اور میری اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی

[illegible]

بکھرا فردا کے بولنے کی آواز آئی۔ جس سے حصار کا لہجہ چٹان سے نیچے آ گیا۔ آواز اب خائیاں بھی اور چٹان کی صفی وہ کسی سے بکھرا تھا۔ ”خولو پڑو اس کی تہا را سارا دلا کار کی نکل جائے گا۔ میں چوہدری احتکار کو... اسے چلو گئے کچھ۔“

جس کو چوہدری کو بکھرا گیا۔ چلا گیا۔ لا رہا تھا۔ میرے سارے کھیتوں کی ساسی کو یوں گالیاں دے رہا تھا کہ میں میرے ساتھیوں میں بھی گیا اس حق اور بے حسیت نہیں تھا کہ چٹان سے یوں گالیاں کھا لیا۔ آواز تو وہ گالیاں کھا کر دلا کا لہجہ نہ کر رہا اور پھر کھینچ کر اسے یوں سنا تو وہ کسی پر دوا کے بغیر اس سے مجھ کا تو پھر یہی سوال اس سوال کا جواب کیا۔ حصار نے ہنسی سے دیا۔ ہنسنے والا حصار میرے ذہن میں ایک نام رنگ کی طرح چمکا تھا۔ جس نے بہت جلد قدم آ کر آواز پر ہٹ کر شاہ کو کھلی۔ جس نے کھنکھیں بے حد صراط پر چلا لیا اس برتن کا وہاں کی کسی داڑھی موٹوں اور سر کے بالوں کی طرح سے ہوئے تھے۔ جیسے انھیں سولیں سے استرازا کھینچی گئی تھی اور ساتھ ہی وہ یوں پیلے اور پتکے ہو رہے تھے۔ جیسے آئینہ بدلے ہوئے تھا۔ نہ کھنکھیں نہ صراط۔ وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔ کھنکھیں یوں تارکے مقلوب میں ڈوب گئی تھیں کہ ان کی نظر میں تو کھنکھوں کی جگہ کھنکھیں نظر آتا تھا۔ وہ باگلوں کی طرح ڈانٹ ڈھکال کر رہی رہا تھا اور بار بار مڑ کر چٹان کی طرف دیکھتا تھا۔ جواب میں وہ اس گالی اور دھکا دھتار چٹان کے آخری دھکے اور ایک ناقابل بیان گالی نے اسے میرے قدموں میں لگا لیا۔ اسے چوٹ لگی تھی کہ وہ پانچنے ہوئے اس کی جھوٹے گالیاں میں تھا۔

میں نے غصہ پیلے اور دیکھا تھا اور مجھے مظلوم تھا کہ باہل بھگتوں سے بلکہ چٹان کے تشدد سے بچنے کے لیے باہل بھگتوں سے بچنے کی اس حالت کی حالت کی رنگ رگ رہا تھا۔ وہ جیج بھگتوں سے ہو چکا ہے۔ اس کے پیچھے جڑوں سے گل انھیں اچھا بکھری میں جسے مستقل بند کرنے کی وجہ سے گل کر سہا۔ وہ جڑی نہیں۔ اس کے باغوں کی انھیں خنید اور ان کے جڑوں کی انھیں آئے تھے پیچھے جڑوں کے سر میں گل ہوئے ہیں۔ اس کے سرخ و رنگ و رنگ کو بھلنے کا جھکا تھا۔ اور اب اسے آسمانی کی مقامی باغیچہ تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ وہ میرے قدموں میں پڑا ہوا رہا تھا۔ میں نے انھوں سے اسے بھر چٹان کو دیکھا۔

”چٹان ہے باگل نہیں ہے۔“ چٹان نے اسے نفرت انگیز

[illegible]

ایمن شاہ کو یہاں بلایا گیا اور کچھ دیر وہ یہاں بیٹھ گیا ہے۔

میں کہہ رہی تھیں اس نے کہہ کر دیا تو یہ وجہ تھی کہ فتح کواس نے بھیجے اس لیے تھی جس کی قیادت اس نے بغیر وہ ایمن کواسی صورت پاکستان میں بلواسکا تھا۔ کیونکہ ایمن مجھے رابطہ کرتی تھی اور میں اسے منع کر دیتا تھا میں نے دیکھا کہ ایمن کے لئے کان کنزیرٹ کرکے برٹ شاہ نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ اردو جانتا تھا اور فتح خان کی قیادت میں وہ کہ اس کی اردو اور پنجابی بولی کو اس نے تو یقین میں رکھتا تھا کہ فتح خان کی بات کا مفہوم نہ سمجھا ہو مگر وہ یونہی بچے پر اڑنے کے انداز میں کہتا رہتا رہا۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ ”جیسے جیسے مجھ سے اس معاملے میں کوئی رد نہیں مل سکتی۔۔۔ جا اسے کہ تم میرے کسی بھی بیان سے کوئی خلاف ورزی نہ کرنا۔ اسی طرح میں شاہ کو بلانے اور اپنے فیصلے میں بارے کے متنبہ رہنے میں شاہ کو بلانے کا حق ہے۔“ ملے گا ہاگل ملے گا۔“ فتح خان نے تیز لہجے میں کہا۔ ”انگریز میں لاقو میں ان دونوں باپ بچی کو اس وادی میں دن کر کے جانے گا۔ میں خدا کا قسم کھاتا ہوں اسی اعتبار سے کہ“

فتح خان کا لہجہ جونی ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ برٹ شاہ کی طرح وہ بھی باگل ہو گیا تھا۔ شاید دولت جیتر کی ایسی ہوئی ہے کہ کسی کو باگل کرے خاص طور سے جب وہ کسی تیسیر میں داخل میں ہو۔ اس وقت بھی وہ جونی ہو رہا تھا۔ اس نے جونی ہونے کے لیے میں نے کہا۔ ”تم نے ایمن کو کس طرح سے بلایا؟“

فتح خان کا موڈ بدل گیا اور وہ پھر سکرمانے لگا۔ ”بہت آسانی سے، تمہارے موبائل میں انٹرنیٹ میں ایمن شاہ کا ایسی تھا۔ میں نے اسے ایسی سکرین دکھائی کہ بتایا کہ اس کے باپ کا سر اسٹیل کیا ہے۔ وہ فوراً پاکستان آجائے۔“

”وہ ان کی؟“ میں نے پوچھا ہے کہا۔ ”ایسا نہیں ہو سکتا وہ بہت ذہین اور چالاک ہے۔“

”میں جانتا ہے وہ اس حرامی کا لالو ہے۔“ اس نے برٹ شاہ کے پاؤں کی طرف اشارہ کیا میں نے دیکھا کہ وہ یوں چیخا تھیں کوئی کتنا گازی کے آکر چیخا ہے اور پھر کمر چٹان کی جڑ میں ہاتھ پاؤں جوڑ کر لیٹ گیا۔ فتح خان کچھ دیر اسے ٹھوکتا رہا پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ ”میں نے ایسا کبھی چاہا کہ اس کی فوج میں کسی ایسی ایسی ملے رہا ہوتا رہا۔ تمہارے اسی نے کوئی نہ کیا۔“

”تمہارا کچھ نہیں ہے۔“

”میں محانت تھا کہ مجھ سے ہوئی تھی شاید میں نے موبائل سے

[illegible][illegible][illegible][illegible]

(بشری بانو ناگوری، کراچی کا جواب)

شرین مصطفیٰ..... شیخوپورہ

تصور ہو گیا ہے دل میں کیا زلف پریشاں کا
مرا دل بیٹھے بیٹھے کیوں پریشاں ہوتا جاتا ہے
(سلطان فرید الدین، قطر کا جواب)

جیل احمد..... مٹان

تم نے تو تھک کے دشت میں خیمے لگائے
تھا کئے کسی کا سفر تم کو اس سے کیا

نصرت شاہین..... حیدرآباد

چچے کیا خبر تیری یاد سنے مجھے کیسے ستا دیا
بھی خلوتوں میں ہٹا دیا بھی محفلوں میں ملا دیا
فرمان علی سید..... حیدرآباد

تمہارے چاند سے چہرے کا عکس لگتا تھا
فلک پہ تھا ستارہ ہلال سے آگے
نصرت جہاں..... کراچی

تو پہ کے بعد پھینک دیے ساغر و سبو
یادوں بخیر گھر میں یہ سامان تھا کبھی
دعا زہرا..... کوئٹہ

تمہارے بس میں اگر ہو تو بھول جاؤ ہمیں
تمہیں بھلانے میں شاید ہمیں زمانہ لگے
الوشاختر..... اسلام آباد

تمہیں بھلانا ہی اول تو دسترس میں نہیں
جو اختیار میں ہوتا تو کیا بھلا لگتا
یاسمین پالما..... فیصل آباد

تیری قربتیں بھی سراب ہیں یہ بھلا ہوا جوتی نہیں
تیری دردِ بال بھی عذاب ہیں میرے دشتِ جاں سے لٹی نہیں
(نصیر اشراف، سرگودھا کا جواب)

محمد سعید قاسمی..... ڈولال

راہوں میں اب کھڑا ہوں پھیلانے ہاتھ خالی
غم تھے مرا اثاثہ اور غم نہیں رہے ہیں
(محمد افتخار، ساہیوال کا جواب)

رفیق ضیا..... منڈی بہاء الدین

نئے امکان کا ستارہ ہوں
اس بلندی سے مت گرا مجھ کو
(مرزا فرحال بیگ، حیدرآباد کا جواب)

تبسم قاسم..... جہلم

حجر خدا لکھی تو کئی دل کو روشنی
آنکھوں میں بصیرت و چٹائی آگئی
ماہدہ سرگزشت

(عتیقہ نسیم، کراچی کا جواب)

المہ حسین..... حسن ابدال

نہیں ممکن کوئی تعریف ابنِ ہنوتوں کی اب انجم
کبھی یا قوت لگتے ہیں بھی مرجان لگتے ہیں
(سعید احمد چاند، کراچی کا جواب)

انیس مرزا..... بکھر

یارب یہ بھید کیا ہے کہ راحت کی فکر نے
انسان کو اور غم میں گرفتار کر دیا
رفعت کوثر..... رحیم یار خان

بھی اس زمانے کا دستور ٹھہرا
کوئی غم زدہ کوئی سرور ٹھہرا

(نواز شعلی زیدی، ساہیوال کا جواب)

منیرہ مہر..... راولپنڈی

تعتیں بٹ رہی تھیں روزِ اہست
میں نے بڑھ کر دقا اٹھائی تھی
(لطیف یاسین، حیدرآباد کا جواب)

ناہیدہ فراز..... راولپنڈی

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانبد خاک رہوگر
عصمت آرا..... حیدرآباد

نقطہ ہر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و ظلم و مجاز

(شہباز قر، کراچی کا جواب)

باسطہ فراز..... لاہور کینٹ

خدا نصیب کرے تم کو اس قدر خوشیاں
تمہارے نام کے آگے کسی کا نام نہ ہو
(اشراف ممتاز، بہاولپور کا جواب)

نصیر الدین ملک..... انک

موڑ تو بے شمار آئیں گے
تھک نہ جانا جدا نہ ہو جانا
☆☆☆

بیت بازی کا اصول ہے جس حرف پر شعر ختم ہو رہا ہے اسی لفظ
سے شروع ہونے والا شعر ارسال کریں۔ اکثر قارئین اس
اصول کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ نتیجتاً ان کے شعر تلف کر دیے
جاتے ہیں۔ اس اصول کو مدنظر رکھ کر ہی شعر ارسال کریں۔

علمی آزمائش کے اس منفرد سلسلے کے ذریعے آپ کو اپنی معلومات میں اضافے کے ساتھ انعام جیتنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ ہر ماہ اس آزمائش میں دیے گئے سوال کا جواب تلاش کر کے ہمیں بھجوائے۔ درست جواب بھیجے والے پانچ قارئین کو ماہانہ مسد گزشت سہ ماہی میں ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ اور ماہنامہ پاکیزہ میں سے ان کی پسند کا کوئی ایک رسالہ ایک سال کے لیے جاری کیا جائے گا۔

ماہنامہ سرگزشت کے قاری ”یک مٹی سرگزشت“ کے عنوان میں مندرجہ اعداد میں زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں مقام رکھنے والی کسی معروف شخصیت کا تعارف پڑھتے رہے ہیں۔ اسی طرز پر مرتب کی گئی اس آزمائش میں دریافت کردہ فرد کی شخصیت اور اس کی زندگی کا خاکہ لکھ دیا گیا ہے۔ اس کی مدد سے آپ اس شخصیت کو بوجھنے کی کوشش کریں۔ پڑھیے اور پھر سوچئے کہ اس خاکے کے پیچھے کون چھپا ہوا ہے۔ اس کے بعد جو شخصیت آپ کے ذہن میں ابھرے اسے اس آزمائش کے آخر میں دیے گئے کوین پر درج کر کے اس طرح پرڈاک کیجیے کہ آپ کا جواب ہمیں 130 بریل 2012ء تک موصول ہو جائے۔ درست جواب دینے والے قارئین انعام کے حقیقی قرار پا سکیں گے۔ تاہم پانچ سے زائد افراد کے جواب درست ہونے کی صورت میں بذریعہ قرعہ اندازی انعام یافتگان کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اب پڑھیے اس ماہ کی شخصیت کا مختصر خاکہ

ان کا نام ہمیشہ عزت سے لیا جاتا ہے۔ بچپن سے اب تک وہ ایک ہی خواب دیکھتے رہے ہیں کہ انہیں آزادی نصیب ہو۔ مسلسل کشمیری جدوجہد آزادی میں مصروف رہے۔ پہلے ایک کردہ خراب ہوائیے انہوں نے نکلوا دیا، اب خبر آئی ہے کہ دوسرے گرنے میں بھی کشمیر کے جرائم ور آئے ہیں۔ 1989ء میں ان کا پاسپورٹ حکومتی ایگنڈا پر چھین لیا۔ 2005ء میں سچ پر جانے کے لیے دیا گیا لیکن واپسی کے بعد ضبط ہو گیا مگر ان کا جوش بھاد کم نہ ہوا۔

علمی آزمائش 77 کا جواب

احمد شاہ بٹلرس بخاری 1898ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔ کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ آل انڈیا ریڈیو کے کلیدی عہدے پر فائز رہے۔ قیام پاکستان کے بعد بخاری امور انجام دیتے گئے۔ 1950ء سے وہ اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے رکن رہے۔ لسانیات کے ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کے نامشور پارے ملک مسک میں شائع ہوتے ہیں۔

شمارہ مارچ میں علمی آزمائش 77 کا جواب شائع کر دیا گیا تھا مگر بعد میں بھی اچھی خاصی تعداد میں جوابات آ گئے اس لیے 78 کا جواب شائع نہ کر کے 77 کا صحیح جواب دینے والوں کے حق میں نام لکھ کے جاری ہے۔

انعام یافتگان

- 1۔ نعیم اختر، کراچی۔ 2۔ زروئی خان، پشاور۔ 3۔ سلطنت خان، انک
- 4۔ نگار حسن، لاہور۔ 5۔ فوزیہ عصمت، جہلم

ان قارئین کے علاوہ جن لوگوں کے جوابات درست تھے۔

کراچی سے: عارفہ سلطان، منور علی، نصرت فاروقی، لکھنا شمیم، نواز علی شاہ، ملک سرفراز گوہل، ابراہیم، کلیم اللہ، ناصر افروز، انصار حسین، وجہد الحسن، رجب علی مرزا، عنایت مسیح، نور احمد، ناصر مہمانی، کاوش اختر، علی احمد، تنویر حسین زیدی، بخاری شاہ، نجم الدین حیدر، نعیم اللہ نعیم، جبار علی، غنیمت عظمیٰ، لاہور سے: تاجین عطاری، نازش خان، ملک جاوید ممتاز حسن، ناز احمد، ناصر حسین، ابراہیم حیدر، پروین حبیبہ، لاہور اشرف، وزیر اعظم، انعام الحق، اکرم صاحب، نعیم احمد، مرزا، شائر علی، ناز احمد، شیریٹ، احمد علی شرفی، نعمان اشرف، جدیدہ اشرف، خالد علی، ارباز خان، عقیل سندھو، برقی شبانی، سلمان سے: جنید احمد، نیاز احمد، ملانی، توقیع سلطان، نسیم احمد، منافیہ، ندا ایس، اشرف علی شیرانی، فضل الحق، اعجاز حسن، جمیل ملک، زہیر شاہ، بہادر خان، مہوش زروئی خان، ذراغہ، کوک جہاں، نگار سلطانہ، نعیم اللہ فاروقی، امیر یونس، خالد ڈار، شطوط جہاں، زہاد خان، وثیق چوہان، قدوس بخش، اللہ اللہ، فاضل خان، انجکری، سہیل سے: رحمان بخش، سرفراز حسین، مذکر علی، چغتائی، عثمان علی شاہ، شاد ترغی، کچھل سے: صدرا الدین، ماسل حسن، کمال، اقبال حسن، زہاد خان، ملک، شفا قاتع، کوئٹہ سے: نذر خان، ممتاز حسن، ملک، کبیر طاہر، چنگیزی، نعمت چنگیزی، خاقان اگوان، راؤ رشید، سرگودھا سے: غلیق قی، حیات خان، سلیم اللہ خان، حفصہ حیات، مصطفیٰ اکل، نواز، فصیح الزماں، شجاع آباد سے: ارباز خان، ذراغہ، حسین زیدی، خٹواؤم سے: شریف الرحمن، مسکین شاہ۔ جھڑ باد سے: نبینہ سلطان، نواز عثمان آبادی، عبدالقیوم حسن خان، ابوالریزہ زبیری، کاٹناں، دولتہ، امتیاز حسن، زہاد خان، شعیب حسن زوی، آمنت خان، غنی، فصاحت اللہ، ساجوعلی سے: ممتاز اختر، ندا حسین، نواز حسن، احمد مرصوف، حاصل پور سے: خالد بن ماجد، اختر مہمان، مہوش ملک، شعیب احمد، ڈی جی خان سے: فرحت اللہ، انزی، نعمت خان، گل محمد میو، ڈی جی خان سے: نعیم الدین نعیم، حمیرہ کین، انجم، رانا ودھانی، بہاد پور سے: نعیم، نو، نعیم حسن، نازش کریم، نعیم مسیح، کمالیہ سے: محمد الطاف فاروقی، فرحت شاہ، نواب شاہ سے: زارم شاہ، مسکین شاہ۔ جہانیاں سے: خضر خان، ذہیر خان۔ منظر گڑھ سے: نوید توکانی، عزیز حسن، نجم الدین۔ کوٹ ادو سے: طاہر حسین سید، شہر سلطان سے: فرید انصاری، حمید احمد، حسن ابدال سے: کریم الہی، سید محمد رضا۔ چھوڑلہ سے: شتا، علی، گلک شاہ۔ باغ آزاد کشمیر سے: کاشف حسین، نصرت دند، بہاؤنگر سے: جمیل احمد۔ میانوالی سے: نوین احمد۔ پاک پتن سے: سمیرہ شفیق۔ بنگر سے: شازی شاہ۔ بنگر سے: امتیاز حسن، نواز رقی، عجب گل، ملک سرفراز، بنگر سے: نعمان شہینڈ، ادو سے: ناصر بگہو۔

ممالک کے غیر سے: شہباز خان، انجمی حسن، نعمان شیراز (نورمنو کیڈ)، محمد شہباز (نورمنو کیڈ)

عکس ماضی

محترمہ عذرا رسول صاحبہ!

سلام مسنون

یہ دلچسپ سچ بھائی آپ کی خدمت میں ارسال کر رہی ہوں لیکن یہ بھی بتا دوں کہ یہ میری آپ بیتی نہیں ہے، یہ میری ایک سبھلی کی آپ بیتی ہے۔ اس بے چاری کی زندگی کیسے گزری، یہ آپ بھی ملاحظہ کریں۔

طیبہ شرمین مصطفیٰ
(اوسلو، ناروے)

دیکھا گیا ہے کہ آدمی دوسروں کو لکھتے کرتے ہیں بہت بڑی چوڑی اور فحاش ہوتا ہے مگر یہی خود اس لکھتے پر عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو یا تو بات چیت کے کتنے کی کوشش کرتا ہے یا اسے یاد ہی نہیں آتا کہ اس نے کسی دوسرے کو کیا لکھتے کی قسم! اسی طرح ہم میں بہت سے افراد ایسے ہوتے ہیں جو بزرگی کا دیوبہ پانے کے بعد بھول جاتے ہیں کہ خود اپنی نوعمری یا نو جوانی میں ان سے کتنی کتنی عادتیں اور غلطیاں سرزد ہو چکی ہیں اور وہ کسی غلطیوں کے لیے اپنی اولاد کو سزاوارا نہیں سمجھتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ کتنی باتیں اس لیے بڑھانی جاتی ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے تجربات سے قائل نہ آ سکیں۔ اپنے تجربات خود کرنے پر اصرار نہ کریں! لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ بزرگ کھلے دل سے اپنی غلطیوں کو تسلیم کر کے ہوئے اولاد کو دکھائیں کہ جو غلط روئیں انہیں نقصان پہنچا سکتی ہے وہ اولاد کے لیے بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتی۔ مگر اس کے لیے بڑے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر ایک کے پاس نہیں ہوتا۔

میرا نام طیبہ ہے۔ میں جو آپ بیتی سرگزشت کے قارئین کی نظر کرنے لگی ہوں، وہ براہ راست میری کہانی

سکھوڑ ہو چکا ہوں۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں اسے محبت کرنے والے شفیق والد کی آخری خواہش سے انکار نہیں کر سکتی۔ دو ماہ بعد میری شادی ہوئی اور میرے والد مجھے اس آخری فرض کی ادائیگی کا انتظام ہی کر رہے تھے کہ کچھ دن بعد ان کی دل کا دوسرا دورہ پڑا اور وہ ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے۔

بھائی رحمان خاں عذرا! یاد ہے ایک قریبی بھائی میں تھی۔ وہ بھائی رحمان کی بیٹی تھیں۔ مجھے بڑی بہن کی شادی بھی کرانی تھی۔ وہ سب اپنے اپنے گھر وں میں تھے۔ میرے شہر حیدرآباد پولیس میں انسپلر تھے۔



چلا ہوا بیڑی۔ مسلسل کوشش سے رفتہ رفتہ اچھا چھتہ برآمد ہوا اور دو سال کے بعد میرے اسکول کی بھرائیں میں بچوں کی تعداد اتنی ہوئی کہ انتہائی معمولی تھیں کے باوجود جی آدمی ہونے لگی کہ اچھا بیڑا والدہ کی جہیز دہریات کے لیے میرا ہیوں لکے ادا سے بچنا نہ ہوگی۔ اگر کھڑا ہوئے گا تو اس کے بعد بھی اپنا تعاون بند نہیں کیا جس سے میں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنی ضرورت سے زیادہ آدمی کا ایک حصہ میں امداد کرنے کے بعد میں باقی سب کچھ اسکول کی حالت اور معیار کو کھیر بھرتا رہنے پر فرخ گئے۔ کچھ پہلے چنانچہ میں بیٹھنے سے بھر میں نے باری باری بھرائیں میں میوں اور بیٹھنے کا انتظام کر دیا۔ پہلے میرے علاوہ صرف دو ساتیاں اور میں جو تمام کلاسوں کو بڑھائی تھیں۔ پھر بھرائیں میں ایک ایک پھر مقرر کر دی گئی۔ لیکن چار سالوں میں اسکول ترقی کر کے آگے نہیں بڑھا۔ کچھ سالانہ نتائج میں دوسرے تمام پرائمری اسکولوں سے بہتر ہونے لگے، یہاں تک کہ میں یہ غور کرنے لگی کہ اب دوسری بڑی فہمائت کرانے پر لے کر اسکول کو کلاسوں تک بڑھا دیا جائے۔

وقت گزرتا گیا۔ میں اس انداز سے تیار ہوئی کہ وہاں مل کر نہیں جاتی۔ رفتہ رفتہ چندہ ہریت بگتے۔ میرے اسکول کو کھل اسکول کا درجہ سیدھا گیا اور میں اسکول کی فزے داریوں میں آتی تھیں۔ ہوتی کہ اپنے بارے میں بھیجی سے سوچنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ یہاں تک کہ وہ حالات دو واقعات ہمیں آئے تھے جن کا کہانی سے سرکاری تعلق ہے۔

☆☆☆

اپنے مرحوم شوہر کے خزانے سے میرے پاس ایک ہندو اور ایک ریویلو کار فائنس تھا جن کی قدر کے لیے مجھے اس وقت تک حیرت انگیز ادھانہ ہوتا تھا۔ یہ سچ کو جانتی تھی اور دوسرے بہرہ کم کام کر کے داہنی آ جاتی تھی۔ اس دن بھی میں اس فہم دور سے حیرت ہائی کہ کھانا ایسا ہوا رشتہ کی کاروائی میں مجھے معمول سے زیادہ تیار ہوئی۔ جب ایک شام کی میں بچکنے کے خیال سے میں تانگے کے ساتھ لے کر نکلا۔ میں اس سینئر روانہ ہوئی۔ اچھی جگہ پر دور گئی جی کہ میں نے سڑک پر ایک تانگے میں ایک جوان لڑکی کو باج چھڑا کر لے کر ساتھ چلے جانے دیکھا۔ وہ لڑکی دوری تھا کہ میں نے تین چار سالگیں ساورن کو اس تانگے کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھا۔ تعاقب کا نتیجہ اس اندازہ سے اس طرح ہوا کہ وہ سالگیں سوارانے کے ارد گرد چل رہے تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی تانگے کے ہائیں خرب بچ کر اس کی بھڑی کا

لڑکا پکڑ لیا اور لڑکی سے کچھ کہتا اور پھر تھپتھپاتا ہوا پانچوے بٹ جاتا یا اس کے گلے جاتا۔ میں نے اپنے رشتہ دار کو سمجھنا دیکھا۔ سڑک پر کچھ زیادہ خوف تک میں نے کوئی بھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ کچھ زیادہ پراختہ سے لڑکوں اور تھلا لڑکی کو کس طرح پریشان کر رہے ہیں۔ وہ اسے پریشان کر رہے ہیں، اس کا یقین میں لڑکی کی خوف زدہ ہو گئی حالت اور اس کی بچی کے رونے کے ساتھ تھا۔ میں نے اپنے رشتہ دار کو دیکھا کہ وہ رشتہ دار کو ہار تانگے کے آگے کھڑا کر کے اسے رکتے رہے پھر بڑھ کر گئے۔ میں حیرت انگیز یاد کا سڑک کرتے ہوئے ٹوٹا پڑ گیا۔ میں ریویلو کار فہم تھی۔ اس دن بھی ریویلو میرے بیک میں موجود تھا۔ وہ کھارکتے ہی میں نیچے آئی۔ ناگہانی ٹھہر چکا تھا۔ ان خٹوں میں سے دو آگے کے گلے سے دوڑا آگے رکتے ہی خود بھی سائیکل روک کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ”تم لوگ اس لڑکی کو کیوں پریشان کر رہے ہو؟“ میں نے ڈانٹ کر پوچھا۔

”فرق تو یہ ہے پریشان کرنا نہیں بلکہ خود اپنا راستہ لو۔“ ان میں سے ایک خٹہ سے ڈھکیاں سے جواب دیا ”یہ ہمارا آج بھی معاملہ ہے۔ لڑکی میری بھائی اور میرے دوست کی بیوی ہے، ہم اسے اچھن چھوڑنے جا رہے ہیں۔“ ”ان کا جوہ سے کوئی تعلق نہیں۔ خدا کے لیے مجھے ان سے بچاؤ دلایں۔“

میں نے بیک سے ریویلو نکال لی اور ڈپٹ کر بولی ”میں ایک پولیس ایجنٹ کی بیوی ہوں اور تم دونوں کو فری ہاں سے دو تین سال تک ہونے کو قس کوئی چلانے سے قس روٹی نہیں کروں گی۔“ ریویلو پر نظر پڑے ہی سائیکل ساورن کی ساری شوٹی ہوا ہو گئی تھی۔ پولیس ایجنٹ کا نام نہ کران کا حوصلہ بھی جواب دے گیا۔ ”کیا رے؟“ اس پہلے والے بدعاش سے منہ سے نکلا۔ اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا ”بھاک بھاک خٹلو رو رہے تھے۔ راتنی بچ بچ کو لٹی روکے۔“ اور اس کے ساتھ وہ دونوں اتنی بھڑی سے اپنی اپنی سائیکلوں کو کھینچ کر بھاگے کہ میں یقین سے سڑک پر کھل جانے سے کئی انہوں نے منہ پیڑ ل مارا بندہ کے ہوں گے اور نہ پلٹ کر دیکھا ہوگا۔ جب وہ ٹھہرے تو اوپل ہو گئے تو

میں لڑکی کی طرف حویلی ہوئی۔ وہ ایک بہن لڑکی تھی جس کی عمر میرے امداد کے مطابق تین تین اٹھائیس برس سے زیادہ نہیں ہوگی۔ میرے چہرے سے تعلیم یافتہ اور کس شریف خاندان کی خصوصیتوں پر واضح تھا۔ ”تمہارا کیا نام؟“ میں ان کو ہم کہاں جا رہی ہو؟“ میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

”میرا نام رضوانہ ہے۔“ اس نے جواب دیا ”آپ کا بہت بہتر شکر ہے۔ اگر آپ نہ تھا تو خدا جانے وہ میرے ساتھ کیا سوسلو کرتے۔“ ”مگر تم جاکھاں رہی ہو؟“ ”جہاں کسی کی غیب سے آجائیں۔“ بتایا رضوانہ کی زبان سے کھل گیا۔

”کیا مطلب؟“ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ”میں دنیا میں بالکل تنہا اور بے سہارا ہوں۔“ رضوانہ نے جیسے آواز بھونک کر بولے ”جواب دیا۔“ میرے شوہر کا ایک حادثہ میں انتقال ہو چکا ہے۔ سسرال والوں نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ بایں کوئی ایک عرصہ کی بہت تھکے آسرا دے سکے۔ خواتین کوئی کے سہارے مل کر لڑی ہوئی ہوں اب جہاں کسی قسمت لے جائے۔“ ”مگر پوچھی گئی ہو؟“ میں نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

”اے اے پاس ہوں۔“ ”سنو رضوانہ! میرا نظیر ہے۔“ میں نے زری سے کہا ”یہاں سے پردہ میں مل دو اور ایک قہقہے میں ہنسی ہوں۔ وہاں میرا ایک پرائیوٹ اسکول ہے۔ مجھے ایک بھڑی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ایک ضروری کام سے آئی گی، اب واپس جا رہی ہوں۔ تم کو پھر اس کو رکتو میرے ساتھ چلو۔ میں اپنی بیوی یاں کے ساتھ کھانسی دیتی ہوں، بیوی ہوں۔ میں کچھ بچہ نہیں ہوں، بھائی بہن ہیں مگر وہ سب کارائی میں سہیل ہیں۔ تم بہ آسانی میرے اسکول میں داخلہ کر سکتی ہو۔ میں تمہیں اپنی پہلی بہن کی طرح بھولوں کی اور خدا نے چاہا تو تمہیں میرے گھر میں بھی لکھ لیں گی۔“ رضوانہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”میں کس زبان سے آپ کو بھڑے ادا کروں؟“ اس نے سسکایا بھرے ہوئے کہ ”آپ میرے حق میں کسی سنگی کے فرشتے کی طرح آئی ہیں۔ اچھی جگہ پر پہلے بھرے لگتے

ہوئے مجھے جو معلوم نہیں تھا کہ تقدیر مجھے کہاں لے جائے گی۔ میرا اور میری بچی کا کیا ہوگا؟ کھڑا بڑا کارساز ہے۔ اس نے میری دعا میں جس میں اس پر آپ کو میری بددعا کے لیے دیا۔ میں اس طرح اس چہرائی سے انکار کر سکتی ہوں۔ میں ضرورت سے اس کو سہا چلوں گی۔ میرا صرف میرے امداد کا کہیں، آپ کے امداد کا بھی ہے اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ کسی آپ کو کسی شکار کا موقع نہیں دوں گی۔“ میں نے رضوانہ کو گلے سے لگا کر اسے لٹی دئی۔ تانگے والے لڑکے اس کا کہنا دیا۔ ایک رضوانہ کو اپنے ساتھ رکھنا نہیں تھا، اس کی بچی کی بہت چارائی تھی۔ میں نے اسے گھر کی دھواں سے لے کر پیار کیا اور ہمارا دیکھا کہ سب جگہ برسوں کے اڑے کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

قیسے میں ایک بڑا زمیندار خاندان تھا۔ تقریباً تین ایکس سال قبل اس خاندان کے ایک فرد نام محمد اسلم سے میری ایک سنگی فریڈ کی شادی ہوئی تھی۔ یہ شادی بھیت کی شادی تھی۔ اس اور فریڈ بہت پہلے سے ایک دوسرے کی محبت میں شام تھے۔ دونوں کا تعلق ایک ہی خاندان اور بھائی بھائی سے تھا۔ اس لیے بڑوں نے ان کی جاہت دیکھتے ہوئے ان کی سنگی کر دی تھی۔ پھر دو تین سال کے بعد ان کی شادی ہو گئی۔ اس شادی سے ان کے بھائی دو بچے ہوئے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام محمد خالد اور لڑکی کا محمدہ۔ پھر کچھ سال کے دوسرے ہی سال کچھ مخصوص حالات کی وجہ سے اسلم اور فریڈ نے ایک مفای خیم خانے سے ایک تین چار سالہ لڑکے عرفان کو اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا۔ عرفان نے خالد اور محمدہ کے ساتھ ایک ہی حویلی اور کم و بیش ایک ہی جیسے حالات میں رہے۔ وہ پرورش پائی۔ اسلم اور فریڈ وہ دونوں اسے اپنے بچوں کی طرح ہی چاہتے تھے۔ بدقسمتی سے اسلم اور فریڈ کا ساتھ زیادہ مدت تک نہیں ہلا۔ شادی کے تقریباً چارہ دو سال بعد اسلم سانب کے کانٹے سے گھر کا تاج عرفان کی عمر لگ بھگ سترہ سال کی تھی۔ بڑا ہونے کی وجہ سے اسلم زیادہ تر عرفان کو ہی دیکھتا تھا۔ زمینداری کے کاموں میں لگے نہ رہتا تھا۔ اس لیے اسلم کے انتقال کے بعد عرفان نے تمام زمینداری کا کام ہی خود ہی اسلوبی سے سنبھال لیا اور یوں اسے فرسٹ ایئر کے بعداری تعلیم ترسیل ہوئی۔

تھی، مقصد کے کالج سے ایف ایس سی پاس کرنے کے بعد
 دونوں کو لیے بدھ بکرے کرانی تھی جو اہل دھان جالندھریکٹر
 کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور شینہ کیل میل کالج میں داخلہ
 لیا تھا۔ عرفان اقدار سال کی عمر پہنچا تو فریہ نے بڑی
 دھم دھام سے اس کی شادی کر دی۔ شادی کے ایک سال
 بعد عرفان کے یہاں ایک بیڑا بنوا کر منج کا نام اس سے
 کاربن رکھا۔ مگر غیے کی پیدائش کی خوشی کے ساتھ اسے
 ایک ایسی بھی برداشت کرنا پڑا۔ اس کی بیوی کارمن کے پیدا
 ہونے کے تھوڑے دن بعد ہی اس کی عمر دل خرابی کے باعث
 انتقال کر گئی۔ عرفان اپنے بچے کو بڑی محبت اور شفقت سے
 دیکھتا تھا۔ فریہ اس کی دوری شادی کرنا چاہتی تھی
 لیکن عرفان اس کے لیے آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس طرح پانچ
 سال بیت گئے۔

☆☆☆

رضوانہ نے بڑی خوش اسطوری سے اسکول میں اپنی
 ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ وہ بہت توجہ اور کٹن کے ساتھ
 بچوں کو پڑھاتی تھی۔ اس طرح اس نے میرے گھر میں بھی
 کچھ اس اعزاز سے اپنی جگہ جیتے بیٹھے۔ ہر شے سے رشتی جتنی
 آ رہی ہو۔ میری اسی بھی اس سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی
 اور رضوانہ کی لڑائی میں اپنی باتیں کو باقر کو کہنے میں
 بھلائے کا ایک ٹکڑا بن گیا تھا۔ اس طرح ایک سال گزر گیا۔
 رضوانہ نے باتیں کو گھر میں ابتدائی عہدہ اور رضوانہ کو
 صاحب زادہ تھا۔ یاد اگلے سال اس نے مجھے باتیں کو پہلی
 جماعت میں لے کر لے کر اپنا جھگڑا بھی کر لیا۔ اپنی
 قابلیت کے اعتبار سے اسے دوسری جماعت میں بھی داخلہ دیا
 جا سکتا تھا مگر میں نے رضوانہ کے خیال سے اتفاق کیا کہ اس
 اسے پہلی جماعت سے داخل کیا جائے گا تو ابھی کلاس میں
 کے لیے زیادہ مشکل ثابت نہ ہوگی۔ بنا وضو بلا تھوڑے
 اپنے آپ کی اس بڑے کوشش کر کے۔

اب جبکہ اتفاق تھا کہ اس سال عرفان نے بھی اپنے
 بچے کارمن کو پہلی جماعت میں داخل کرنے کے لیے میرے
 اسکول سے میرے اسکول میں داخل کرانے کا مطلب تھا کہ
 اسے اس کو پہلی جماعت سے داخل کیا جائے گا تو ابھی کلاس میں
 کے لیے زیادہ مشکل ثابت نہ ہوگی۔ بنا وضو بلا تھوڑے
 اپنے آپ کی اس بڑے کوشش کر کے۔

عرفان کو رضوانہ کے پاس بھیج دیا کیونکہ کلاس کو وہ ہی
 پڑھاتی تھی اور اس طرح عرفان اور رضوانہ کی پہلی ملاقات
 ہوئی۔

اب یہ اتفاق تھا اس میں کوئی ارادی کوشش شامل تھی۔
 یہ نہیں جانتی لیکن اس کے بعد زیادہ عرفان نے کارمن
 کو اسکول چھوڑنے سے اسے گھر رکھنے کے لیے جانے سے انکار
 کیا۔ اور یوں گاہے گاہے اس کی ملاقات رضوانہ سے ہوتی رہی
 تھی۔ اب ظاہر ہے کہ ملاقاتوں میں کوئی تاثر آ جاتا تو آدمی
 صرف دعا سلام یا غیر دعائیت پوچھنے پر اکتفا نہیں کرتا
 یقیناً دونوں کے درمیان کچھ دوسرے موضوعات پر کئی
 گفتگو بھی ہوتی۔ خود اس نے انھیں پکے سے بعد اکثر دیکھ کر
 اپنے اپنے بچوں کو ہاتھ بکڑے اسکول سے گھر واپس جاتے
 دیکھا۔ جو سڑک ہمارے اسکول تک آتی تھی وہ تقریباً دو تین
 فرلانگ کے جا کر ایک دورے پر تھم جاتی تھیں۔ اس دورے
 میں سے ایک دور عرفان کی طرح ایک جگہ جاتی تھیں اور دوسری
 میرے گھر تک اس لیے یقیناً وہ دونوں ہی اس دورے تک تو
 ساتھ جاتے ہی ہوں گے اس کے ساتھ میں نے بھی ٹوٹ
 کیا کہ اسکول کے قریب کے دوران رضوانہ کی بیٹی بھی اکثر
 کارمن کے ساتھ ہی چلتی یا پھر میں کبھی نظر آتی تھی۔ گویا
 عرفان اور رضوانہ کے مابین یہ باتیں لگتی تھیں کہ بچوں کے
 درمیان میں دوستی اور اپنی جگہ دوستی جاری تھی۔
 میرے اسکول کی محبت اور محبت کے ساتھ ساتھ
 داخلہ کے لیے آئے والے بچوں میں برابر اضافہ ہوا تھا۔
 یہاں تک کہ پہلی جماعت میں ہمارے دوسرے بچے کی کاغذ خور
 پڑا۔ ایک ہی بچہ بھی دکھا پڑا۔ مگر جب یہ دوسرا بچہ پاس
 ہو کر دوسری کلاس میں پہنچا تو لاڈی طور پر اس کے دوستوں
 ہو گئے۔ اب مجھے ایک بچہ کی ضرورت پڑی۔ رضوانہ
 دو سال سے فریہ کی چانچہ میں نے اسے اس میں کھانے
 ساتھ دوسری جماعت میں داخل کر دیا اور پہلی جماعت کے
 دوسرے بچے کے لیے ایک ہی بچہ رکھ لیا۔ یہ بچہ ایک
 انتہائی حسیاس تھا اور یہ فیصلہ کرتے ہوئے مجھے ذرا بھی خیال
 نہیں تھا کہ اس طرح میں رضوانہ اور عرفان کے تعلقات کو بھی
 بدتر کر دیتی تھی۔ اس اعزاز میں جاری رہنے کا موقع فراہم
 کر دی ہوں۔

میرے گھر آتی رہتی تھی لیکن..... میرا خیال ہے کہ میں تقریباً
 دو سال سے اس کی حویلی میں آتی تھی عرفان کی گاہے گاہے
 میرے گھر آتا رہتا تھا مگر اس وقت جب اسے فریہ کی
 ضرورت سے پہنچتی تھی اور اپنا عہدہ جاتا تھا میرے فریہ
 کے باتوں سے موسم کے چل آتے تھے یا گندم اور چاول کی
 فصلیں کتنی تھیں اور فریہ مجھے کھانے کے طور پر بھجوا کر
 تھی مگر اس دن ایک ایسی کٹان کا طائر نہیں معلوم ہوتا تھا اس
 لیے مجھے عرفان کی آمد پر بہت خوشی ہوئی اور کٹان میں بھی۔
 "خیریت تو ہے؟" میں نے پوچھا "آج کیسے آنا ہوا،
 فریہ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
 "کیا میں آپ کے گھر بغیر ضرورت کے نہیں آ سکتا
 آتی؟" عرفان نے قدر سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 "کیوں نہیں آ سکتے۔ یہی تمہارا یہ گھر ہے۔" میں
 نے جواب دیا "لیکن آج تک نہیں کسی خود سے اپنی آگاہی کا
 خیال نہیں آتا تھا، اس لیے پوچھا۔"

"میں کا کئی دنوں سے آپ کے پاس آنے کا ارادہ کر رہا
 تھا مگر بات گھر تک ہی نہیں پہنچ پڑی تھی۔" عرفان
 نے مجھے تنبیہ کی سے جواب دیا "آج بھی بہت چھپکتا ہے ہوئے
 آ یا ہوں۔"
 "آخر اس کی بات ہے کہ تمہیں مجھ سے کہتے ہوئے
 چھپکتا محض میری بات ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "تم
 میری عزیز ترین کھلی کے بیٹے ہو اور اس رشتے سے
 تمہاری ماں کے برابر ہوں، جو کچھ بھی کہنا چاہے ہوا،
 مجھے ایک اہم معاملے میں آپ کے مشورے اور
 اجازت کی ضرورت ہے۔"
 "چھاپا! کیا کون سا مسئلہ چل آ گیا جس کے لیے تمہیں
 میرا مشورہ بھی نہیں، اجازت کی ضرورت ہے؟"
 "آپ کو معلوم ہے کہ کرائی مسئلہ مجھ سے دوسری
 شادی کے فراموش کر دی ہیں؟"
 "تو ٹھیک ہی کر دی ہیں۔ آخر تم شادی کر کیوں نہیں
 لینے؟"
 "مجھے دوسری شادی کی ضرورت اور اہمیت سے کبھی
 انکار نہیں رہا۔" عرفان نے جواب دیا "لیکن اب تک جو
 بات مجھے یاد ہے وہی میری وہ بچی کی کرائی تو لیا کہ
 بہت کم ہوتی ہیں جو پہلی بچی کی اولاد کو بچلے گا جیسا میرا
 دے سکتا۔ کیجیے کہ بڑے بچے میں چاہا کہ اسے آرام اس کو
 کی خاطر میں کارمن کے مستقبل کو قربان کر دوں۔ تو سچا
 ماحصلہ۔ مگر خوش

ماں کے گھر میں آنے سے اسے کتنے ہی مسائل پیدا ہوئے
 رہتے ہیں کہ اگر ان میں سے کئی کوئی ہو تو میرا بھی نہ
 ہو تو کچھ بڑی کٹان تھیں کے ساتھ ہی میرا دور ہی کے
 بہن، بہن میں جاتی ہے۔ میں اس کی ایک بہن جو حراج، مجیدہ
 اور بھو دلاڑی کی کلاس میں تھا میرے گھر اس آزمائش میں ڈالا
 جائے تو وہ خوش اسطوری سے اس دشوار ذمے داری کو نبھا
 گئے۔"
 "تو کیا میں یہ سمجھوں....." میں نے اب مسکراتے
 ہوئے کہا "گھر آتی تھا اس کا سیاب ہو گئے ہوں؟"
 "یہ اعزاز تو کبھی سے نہیں میں کی تھی فیصلہ کرنے
 سے پہلے آپ کی رائے بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" عرفان
 نے کہا "کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آپ اس لڑکی کو جتنے قریب
 سے اور اتنے بھتر اعزاز میں جاتا ہیں..... کوئی اور اتنا نہیں
 جاتا ہوگا۔"
 "چھاپا!" میں نے حیرت ظاہر کی "گویا وہ کوئی ایسی
 لڑکی ہے جسے میں ابھی طرح جانتی ہوں؟"
 "نہیں! میں نے اوقات میں بتا دیے۔" "صرف
 جاتی ہیں بلکہ وہ آپ کے گھر میں رہتی ہے۔"
 "کیا" میں نے ہمتار چمک پڑی "تمہارا مطلب
 ہے..... رضوانہ؟"
 "نہیں! میں ہی، رضوانہ۔ میں اسے پچھلے ایک بیڑہ سال
 سے دیکھ رہا ہوں۔ اس سے مل رہا ہوں، باہن گھر رہیں اور
 بتانا جتنا اسے کھنے کا موقع مل رہا ہے۔ یقیناً ہوتا چارہ ہے کہ
 مجھے رضوانہ سے بہتر کوئی گھر کی نہیں مل سکتا۔ میں اس سے یہ
 پوچھنے آتا تھا کہ کیا اس کے بارے میں میرا اعزاز درست
 ہے یا شاید اس کے بنائے جذبات سے کال کر رہا ہوں۔"
 "رضوانہ اس سے کبیں زیادہ اچھی لڑکی ہے جتنا تم نے
 اس کے بارے میں اعزاز لگایا ہے۔" میں نے جواب دیا
 "اور یہ سچ ہے کہ اگر تم چاہو گے کہ میری تلاش کرو اس
 سے بہتر کسی گھر کی پاس کو لے کر دے دوں گی کہ بات پوچھو
 مجھے یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ تم دونوں ایک دوسرے کے
 لیے بہت ہی مناسب ہو، بلکہ شاید قدرت نے اسے تمہارے
 لیے ہی میرے خاں کیا تھا۔ مگر غیے اس طرح کے معاملات
 میں کسی ایک طرف غور پر انجام نہیں پائے کیا رضوانہ بھی نہیں
 جو قدرتی ہے۔ کیا تم نے کسی اس دورے میں اس کے دل کی بات
 ہے؟"
 "پوچھ لیجئے آئی، تو ہمارے درمیان کسی آج تک اس
 موضوع پر بات نہیں ہوئی۔" عرفان نے گردن جھکا کر
 اپریل 2012

ہوئے کہا " لیکن رادل کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے ہاتھ نہیں دے سکتی کرتی اور پھر کارمان اور ایکن میں طرح ایک دوسرے پر جان چڑھ کرے ہیں وہ تو آپ بھی جانتی ہوں گی۔ وہ دونوں ایک ساتھ پڑتے ہیں۔ ایک ساتھ کھینچتے ہیں، ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ میں سوچا ہوں کہ اگر اس اور رضوانہ بچے ہوتے تو شاید بھی ایسا ہی کرتے۔ "

"جیسے کہ میں نے ابھی کہا کہ اگر تمہاری اور رضوانہ کی شادی ہو جائے تو بے ایک بہترین شوک ہوگا۔ " میں یوٹی " لیکن ظاہر ہے کہ اس کے رضوانہ کی مرضی معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ وہ میرے ساتھ ہی ضرور رہے، میرا رعبہ اور احترام بھی کرتی ہے مگر میں نے اس کی اس کو ذاتی معاملات میں نہیں دخل دیا۔ اب بھی اگر اس کو کوئی اعتراض ہو تو اس اپنے فعل کے حوالے سے مجھے بدچلن کر سکوں گی۔ "

"میں نے اس پر اپنی مرضی ظاہر کرنا چاہا تھا۔ " میں نے کہا۔ "عراق نے کہا " آپ کے پاس ایسی ہے آپ کا کڑا کڑا تو اس بارے میں آپ کی رائے معلوم کروں اور اگر آپ کو میرے خیالات سے اتفاق ہو تب پھر آپ سے درخواست کروں کہ آپ نے خود پر اس کی رائے جاننے کی کوشش کریں۔ "

"خود روایات کیوں نہیں کر لیتے۔ " میں نے مسکراتے ہوئے کہا " اب تم دونوں اسے تم پر بھی نہیں ہو رہا بات کرتے ہو شرا یا ذہن کے بجائے جذبات سے کوئی غلط کر دے۔ " میں نے کہا کہ میں بھی شکرتوں کی غلط کر دے۔ "

جواب دیا " لیکن یہ موضوع اتنا زکے ہے کہ شاید ہم دونوں کی عمل کر کے خیالات کا اندازہ نہ کر سکیں یا اخلاقیات روت اور باہمی اور رضوانہ کو کوئی واضح جواب دینے سے باز رہے۔ آپ بات کر سکتی ہیں کہ وہ صاف کوئی سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکتی ہیں۔ "

"ابھی بات ہے۔ " میں نے ہائی بھرلی " میں کوئی مناسب جواب دیکھ کر اس سے پوچھوں گی۔ " کرتے نہ فریہ دے بھی کیا تھا؟ "

"میں نے کہا " اس کے علاوہ میں جو کچھ میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ " عرفان نے جواب دیا " انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ یہ سن کر خوشی سے اچھل پڑیں گی۔ "

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ " میں نے سوچتے ہوئے کہا " مجھے یوٹی اندیشہ رہا ہے کہ شاید انہیں رضوانہ کی بیوی پر اعتراض ہو کیونکہ تمہارے لیے تو ایک سے ایک ابھی اور کنواری لڑکی کی بھی مل سکتی ہے۔ "

"رضوانہ اگر یہ دے تو میں بھی تو کنوارا نہیں ہوں۔ " مجھے امید تھی کہ اس کی اپنی چھوٹی چھوٹی بات کو اہمیت دیں گی۔ آپ تو بس رضوانہ کی مرضی معلوم کریں۔ وہ اگر آزاد ہو تو پھر کیا کوئی گرامر یا کام ہے۔ "

☆ ☆ ☆

دو عین دن کا وقت دے کر آخر ایک رات جبکہ ہم سب کھانے سے فارغ ہو چکے تھے اور باہنیں میں سو رہی تھی، میں رضوانہ کے پاس پہنچا۔ میں نے اسے وقت اپنے کمرے سے آئے دو کمرے کے کمرے میں بھیج دیا۔ "

"آپ نے کیوں دھمکتی کی بائی، مجھے ہلایا ہوتا۔ " اس نے کہا۔ "

میں نے رضوانہ سے کوئی خاص غائب نہیں کی تھی کہ وہ مجھے کسی نام سے نہ پکارے مگر چونکہ سب کو اس کا نام تھا پھر اور مجھے یہی کہنے کی تھی کہ اس لیے اس نے بھی نہیں کہا شروع کر دیا تھا۔ "

"مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔ " میں نے جواب دیا " اور میں نہیں جانتی تھی کہ یہ بات کسی دوسرے کا فونک کر چکے۔ " لیکن معلوم ہی ہے کہ میرے کمرے کے راجا یا کا کمرہ ہے۔ "

"اس کی کیا بات ہے جس کے لیے آپ اتنا زور داری کی ضرورت ہے۔ " رضوانہ نے کچھ حیرت سے پوچھا۔ "

"اگر میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں تو میری فکر کروں۔ میرا مطلب ہے کہ تمہاری اپنی ذات کے حوالے سے تو تم کوئی نہیں لڑتی۔ "

"آپ یہی باتیں کر رہی ہیں ابی! میں بھلا آپ کی کسی بات کا ٹیڑھا ہوں گی۔ " رضوانہ نے فوراً جواب دیا " آپ نے کچھ نہیں کہا۔ " اس کے علاوہ میں پوچھتا ہوں کہ اگر اسان کیا ہے جس کا صلہ میں ساری زندگی نہیں ادا کر سکتی۔ "

"کوئی احسان نہیں، میرا انسانی فرض تھا، تو جس کا بار بار تذکرہ کر کے مجھے شرمندہ کر دیتی ہو۔ " میں نے ہلکی سی مسکراتے ہوئے کہا " اس کے علاوہ میں جو کچھ میرے دل میں رکھتا ہوں اس کا نقل تمہاری ذات سے ہے اور ظاہر ہے کہ میں نے کچھ بھی کیا ہو مجھے تمہاری اپنی زندگی کے معاملات میں دخل دینے کا احتیاج نہیں ہے۔ "

"میں نہیں سمجھتی۔ " رضوانہ نے بڑے غلوں سے جواب دیا " میرے دل میں آپ کے لیے جس قدر قدرت و احترام ہے، اس کا آپ کو اعزاز دے دوں، آپ نہ صرف مجھ سے ہر موضوع پر بات کر سکتی ہیں بلکہ مجھ سے بھی نہیں۔ "

"تمہاری اس محبت اور غلوں کا شکر ہے۔ " میں نے کہا " ہر حال میں تم سے بڑھ چکا ہوں ابی! کہ اگر کوئی شریف لڑکا نہیں اپنی زندگی کا سامنا کرنا چاہتا ہے تو کیا تم اس کی کیا لکھی کی پیشکش آپ کے توسط سے کی گئی ہے؟ "

رضوانہ نے پوچھا۔ "

"ایسا ہی بھلا۔ " میں نے تقریباً تین سال سے آپ کے ساتھ رہ رہی ہوں اور ہر سونے میں بھی عرفان صاحب کو شام کے وقت آپ سے ملنے آتے ہیں دیکھا۔ تو کیا میں یہ اعزاز لگائے کچھ میں پیشکش کروں کہ یہ پیشکش ابھی کیا جا رہی ہے؟ "

"تم بہت ذہین لڑکی ہو۔ " میں مسکراتے ہوئے " تمہارا اعزاز و درت ہے۔ اب تازہ تمہارا کیا جواب ہے۔ "

رضوانہ نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی " اس میں ایک شک نہیں کہ تمہارے زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ خاص طور سے اگر ساتھ میں کوئی ہو۔ میں یوں کیا بات میں سے کوئی ایک بھی نہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی بھر ایک ہی گھر کا احساس رہتا ہے اس لیے بہت ممکن ہے کہ کوئی نہ بھی سمجھے کہ اس کا ہمارا لینے کا فیصلہ کرنا ہی بڑے اور جس فیصلے کے امکانات ہیں اس پر اب بھی غور کیا جا سکتا ہے اور کبھی اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جیسے ایک بڑے برکت میں اس میں جس حد تک اس کی عرفان صاحب کو تھا، وہ ایک آئینہ دل شہرہ ثابت ہو سکتے ہیں اس لیے اگر میں اس کی بات کا جواب بھی میں دوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ ان کو کوئی شک ہے۔ "

"تو پھر تم کوئی شک میں کیوں جواب دو گی؟ " میں نے اس کے واضح طور پر انکار کرنے سے پہلے ہی پوچھ لیا۔ "

"اس لیے کہ شاید میں ان کے قابل نہیں ہوں۔ " رضوانہ نے ایک اندر کی کے ساتھ ہنسنے سے کہنے کہا " میں نے تمہارا خیال ہے۔ " میں نے پوچھا " لیکن ان کا سامنا لینے ہوئے کہ دور دراز رضوانہ کی قیادت میں چھوڑ دیا تھا " جبکہ میں اور عرفان دونوں اس کے برعکس خیال کرتے ہیں۔ "

"اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو میرے پورے حالات کا علم نہیں ہے۔ "

"میں بھی بڑھ رہا ہے اور نہ میرا خیال ہے کہ عرفان کو ہوگی۔ " میں نے کہا " ہم دونوں نہیں آج بے غیور ہوجاتے ہیں اور آج جو کچھ ہم ہوں اس کے جتنی نظر عرفان کی طرح مجھے

بھی یقین ہے کہ یہ رفاقت دونوں کے لیے مفید اور ہمارا کام ثابت ہوگی۔ "

"آپ کی محبت ہے۔ " رضوانہ نے سنجیدگی سے جواب دیا " کچھ میرے بارے میں ابھی ابھی رائے دہی رہی ہیں۔ پھر بھی بائی، میں بھی بائی میں کچھ بائی میں ہوجاتی ہیں جو نہ صرف ابی کے مال بلکہ اس کے مستقبل تک کو متاثر کرتی ہیں۔ میں عرفان صاحب کی سہجہ کرتی ہوں۔ "

انہوں نے سزا زعمی میں رفاقت کے لیے میرا انتخاب کیا ہے ان کی ہیرانی ہے مگر میں پھر بھی یہ کہوں گی کہ میں ان کے قابل نہیں ہوں۔ "

"اگر تمہارے باقی میں کوئی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے تمہارا خیال ہے کہ تم عرفان کے لائق نہیں ہو تو پھر اس بات کا فیصلہ خود ہی کر لیکن میں چھوڑ دیتا ہوں۔ "

"میں کا مطلب؟ "

"تم نے بارے میں سب کچھ مجھے با عرفان کو بتا دو۔ " میں نے کہا " وہ بات جس کی وجہ سے تم انکار کر رہی ہو اور پھر یہ فیصلہ خود ہی کر دو کہ وہ تمہارا خیال اس کے تمام حالات جاننے کے بعد بھی تمہاری رفاقت قبول کرتا ہے یا نہیں؟ "

رضوانہ ایک بار پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ "

"اس کا مفہوم یہ صاحب ہے۔ " اس نے کہا " لیکن میں عرفان صاحب سے شاید کلک رہا بات نہ کر سکوں یا وہ میرے سامنے دیات داری سے کوئی فیصلہ نہ کر سکیں اس لیے میں آپ کو ابھی آپ جتنی سنا رہی ہوں۔ آپ عرفان صاحب کو بتا دینا پھر وہ جو بھی فیصلہ کرے گا، مجھے منظور ہوگا۔ "

اس کے بعد رضوانہ نے قدرے وقت کے ساتھ جو کچھ مجھے بتایا وہ کچھ یوں تھا۔ "

"میرا اتفاق ایک شریف مگر غریب خاندان سے ہے۔ " اس نے کہا شروع کیا " میرے والد ایک راجہ تھے اور اسے میں ملازم تھے۔ ہم بھی بھائی تھے جن کی گزراقت والد کی معمولی سی کنواری میں ہوئی۔ " جنوں کی تعلیم کا مرحلہ بھی انتہائی مشکل تھا۔ میری والدہ میرے کچھ بڑے بھائی تھے، انہوں نے کچھ بڑے تعلیم وہ دے دی کہ میں ابھی بچہ ہی تھا۔ " میں نے کہا " اس کی طرح میں بھی اس کے والد کا گدا کر کے قابل بن جائیں تو کھر کی کثافت میں والد کا ہاتھ نہ لگائیں۔ میں نے سب میں صرف میں ہی اس کی خوش قسمت تھی جسے اسکول یا میٹر ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے بچپن سے ہی

پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ پرائمری اسکول کی ہر جماعت میں اول آتی رہی۔ اسی وجہ سے مجھے سرٹ و خفیہ لے گا جس سے میری عمر تعلیم کو آسان بنادیا۔ اس طرح اپنی محنت سے وفیقہ حاصل کی۔ وہ میرے شاگرد بن گئے۔

کابگ کے دوران تعلیم میں ایک دولت متبرخانان کے شریف اور شخص کو جو ان عابد سے محبت کرنے لگی۔ عابدی حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ میں نے اسی پاس کرلیا۔ عابد کے والد کا روبرو کرتے تھے۔ وہ کابگ سے نکل کر ان کے بڑے میں میں مدینہ لے کرے۔ میرے کمر میں تو میری شادی کی ایسی کوئی جلدی نہیں تھی۔ کیونکہ مجھ سے بڑی دوستیں بھی کنواری تھیں۔ میں اور غربت کی وجہ سے ان کے لیے۔ اچھے کرتے نہیں آ رہے تھے۔ مگر عابد کے والدین کو اس کی شادی کرنے کی فکر لاحق ہو چکی تھی۔ عابد شادی سے انکار کر کے کی رشتے مسرور کرتا۔ باہر میرا اس کے والد نے ایک ایک دوست کی بیٹی کے ساتھ اس کا رشتہ بنے کر دیا۔ عابد نے اس رشتے سے بھی انکار کیا۔ والدین اس کی شادی کے ایسے ہی خواہش مند ہیں اب اسے اپنی مرضی سے شادی کرنے کی اجازت دیں۔ انھیں انڈاز نہیں تھا کہ اس کی پسند کیا ہے اس لیے پہلے انھوں نے اجازت سے دی لیکن جب عابد نے تیار کر دیا تو مجھے اسے کفریہ کہہ کر شادی کرنا چاہتا ہے تو انھوں نے بڑی شدت سے مخالفت کی۔ بات اپنی بڑی کر عابد نے اپنا کچھ چھوڑ دیا اور اپنے ایک دوست کے ساتھ رہنے لگا۔ پھر اس نے اپنے اسی دوست کی معرفت میرے والدین کو شادی کا پیغام دیا۔ میرے والدین اس رشتے سے بہت خوش ہوئے۔ انھیں صرف ایک شکوک تھا کہ بڑی وہ بیویں سے پہلے میری شادی کیسے کریں؟ عابد نے وعدہ کیا کہ وہ میری بیویوں کے رشتے میں بھی کوئی کوشش کرے گا۔ کابگ تھا کہ بات میں جاتی تھیں جب میرے والدین کو یہ معلوم ہوا کہ عابد میری شادی اپنی مرضی سے کرنا چاہتا ہے، اس شادی میں اس کے والدین اپنی عزیز واقارب شامل نہیں ہوں گے نیز یہ کہ اس کے ماں باپ نے اس مسئلے پر اسے گھر سے نکال دیا تو وہ سوچ میں پڑے۔ اس نے باوجود شادی جاری شاید یہ سختی ہو جانی میرے میرے خاندان کے کچھ لوگ جنہیں اس بات سے جان اور حسد تھا کہ ایک غریب گھر کی لڑکی ایسے اہل گھر کے لڑکے سے بیجا جا رہی ہے۔ انھوں نے میرے والدین کو بھڑکایا اور انھوں نے شادی سے انکار کر دیا۔

مجھے اس انکار سے بے حد دکھ ہوا اور غصہ بھی آیا۔ میں عابد کی اس قربانی سے بہت متاثر ہو گیا کہ اس نے میری خاطر اپنا گھر اپنے ماں باپ، بہائی بہن بچے کچھ چھوڑ دیا ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں ہوا کہ اس پر اصرار کر دو۔ اسے ہوا کہ میں اس کی خاطر اپنا بچہ چھوڑنے پر تیار ہوں۔ ہم شادی کرنا چاہتے تھے اور شادی کرنا کوئی کام نہیں ہے، وہ اپنی مرضی نہیں کیا۔ میرے والدین نے میری کجی کے عابد کے ہمارے شادی کی مخالفت کر دی۔ میں چنانچہ عابد نے میری پیشکش قبول کر لی۔ میں ایک دن اپنی نکلی سے ملنے کا ہاتھ نہ کرے نہ نکل گئی۔ عابد نے اپنے دوست کی مدد سے شادی کا تمام انتظام کر لیا تھا اور یوں بلا خریم نے شادی کر لی۔ عابد نے ایک چھوٹا سا گھر کرائے پر لیا۔ تلاش کرنے سے اسے ایک مناسب ملازمت بھی مل گئی اور میرے اس گھر میں اپنی اپنی زندگی کا آغاز کر دیا۔ جلدی کر زکوات اگر چہ تھی تو میری عمر بھی بہت کم تھی تھی۔ دوسرے سال میں عابد نے اپنی اس بیدار نش کے سلسلے میں عابد کی مقرض ہو گیا۔ پھر ایجنٹ کی وجہ سے ہمارے خرچ میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ عابد نے کسی دوسری بہتر ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔ اخبارات میں ضرورت ہے کے اشتہارات دیکھ کر دیکھ کر درخواستیں بھیجے گا کہ میری مدت سے انگریزوں کے لیے کیا ملازمت کی ضرورت ہے۔ ان اشتہارات میں ملازمت کے ہوتے تھے اس لیے اسے بار بار کراچی بھی جانا پڑتا تھا۔ مگر ہوا کہ ایک سال کوشش کرنے کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

اگلے سال اتفاق سے عابد کے دوست کے ایک جاننے والے کے دفتر میں جگہ مل گئی ہوئی۔ عابد کے دوست نے اپنے واقف کاروں سے عابد کی سفارش کی اور اس نے عابد کو جگہ دے دیے کا وعدہ کر لیا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا بھی کیا۔ ایک دن عابد میرے والدین کو لے کر ملازمت کی جگہ پہنچا۔ اگلے ہی پہلی تاریخ سے کوئی جان کر لے لیا۔ ملازمت میں بھی میں پہنچا اور وہی ایجنٹ تھی اور بعد میں دانش کی جگہ بھی ملنے کی امید تھی۔ ہم بہت خوش ہوئے۔ سینیئر کی آخری تاریخ کے بعد خوش خوش کراچی روانہ ہوا۔ وہ کراچی پہنچے مگر کچھ دیر بعد سر منڈلا کر گئی۔ اپنی ملازمت کی جگہ کچھ کے عابد کو کراچی پر نہ تھا۔ اس کا اسے خیال نہیں رہا۔ جب نرن پہنچے گیت ایک کس مسافر کے کہنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ لاغری کا نشان تھا۔ اس نے جلد ہی چلتی

کر لین سے اترتا جا باگھر اس کا بھی پہل گیا، وہ پلیٹ فارم اور کر لین کے درمیان ایک خانہ گھر اور کر لین کے پیسے کے نیچے آ کر اس کی طرح زندگی ہوا کہ اس پر اصرار کیجئے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ وہ کیا کامیابی کی طرف دیکھا تو نایک ہو گئی۔

تین سال کی مدت میں عابد کے والدین اور بہن بھائیوں نے جن میں موافق کیا تھا اور نہ ہی میرے ماں باپ کو میرے بارے میں کوئی اطلاع ہو کر میں کہاں ہوں، میرے گھر سے نکلے کے بعد انھوں نے غائب بن کر اپنی والدین کے خیال سے مشکل تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی بلکہ وہ ملے ہی چھوڑ دیں تھے۔ مجھے تھے اس طرح مجھے کسی کا پاس معلوم ہو سکا۔ عابد کے انتقال کے بعد میں نے تقریباً فیروزہ سال حالات کا مطالعہ کیا کہ میں بچوں کو بڑا کر کے والدین کے پرنے کی سرگزشت کر دیتا کہ یہی گھر ایک جامعیت کا اس سلسلے میں بہت عزت و احترام سے رہا تھا۔ انھیں مشکل ہے۔ مجھے کے خاندان مفت افراد نے میرا گھر سے باہر نکلتا مشکل کر دیا۔ عابد کے دوست بھی میری تحریج سے معلوم کرتے جاتے تھے، ان کے حوالے سے مجھے اس قدر دہم

کیا گیا کہ میرا وہاں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ میں انھیں اپنی بیٹی بائیں کے گھر پر رہنے سے مجبور ہوا کہ میں انھیں اپنی بیٹی بائیں کے اچھے مشکل کے خیال سے ایک دن اپنی سرال بھیجی۔ ان لوگوں کو بتایا کہ بائیں آئی کے خاندان کی سب اور ان کے اپنے بیٹے کی آخری نشانی ہے۔ دوسرے چھاننے کی جگہ پر یاد نہ دیں کہ اسے خون کو تو خون کرنا چاہئے کہ بائیں کو یاد نہ وہ لوگ انسان نہیں تھے کہ میری انتہائی پرانے کا دل تو کیا نیچا، انھوں نے اپنا تھا میرا اثر کر دیا کہ میرے پاس کی جوت ہے۔ بائیں عابد کی بیٹی ہے۔ وہ اسی کے انکار کرتے ہیں کہ عابد نے میرے شادی کی کجی اگر کر گئی تھی میرے پاس کوئی جوت ہے تو لا کر دکھائیں۔ ورنہ تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نہ جانے کس کا گناہ ان کے سر منڈنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

یہ تذکر آ میر بائیں نہ کفار ہے، مجھے ہے انتہا صدمہ ہوا۔ میں عابد کے دوست کے پاس کی اور ان سے درخواست کی کہ جن کا تعلق صاحب نے میرا اور عابد کا کٹا چھایا تھا، ان سے کٹا کٹا تقصیر نہ دے دیں۔ وہ وہاں کے تو معلوم ہوا کہ کا تعلق صاحب کی سبک دہی کے لاہور جا چکے ہیں اور وہاں ان کا کیا پتا ہے۔ کوئی نہیں بتا دے کہ عابد میرے عابد کے دوست کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ میری اور عابد کی واقعی شادی ہو گئی تھی اور نہ ہی میرے پاس

اس کا کوئی دستاویزی ثبوت تھا۔ ان حالات میں میرے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ حیدر آباد چھوڑ کر کہیں اور چلی جاؤں کہ کہاں کہاں کا نہیں جواب میرے پاس نہیں تھا اور وہاں بھی جاؤں گی وہاں کو زکوات کے بھوکے ہوئی کا بھی کوئی ٹکڑا نہیں تھا میں آ رہا تھا۔ بس میں خدام بھروسہ کر کے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ سوچا تھا کہ بہتر ہے جو کچھ نرن مل جائے اس میں بچہ کر وہ وہاں لے جائے، پہلے جاؤں گی لیکن پھر پھر بھی کجی راستے میں آپ سے ملاقات ہوئی اور آپ مجھے اپنے ساتھ بھاگ لے گئے۔

یہ میری داستانِ حیات، ایسی صورت میں اول تو مجھے بھی امید نہیں کہ عرفان صاحب کی والدہ مجھے تول کر لیں گی اور باقرض انھوں نے بھی مجھ سے یہی سوال کر دیا کہ میرے پاس اپنی بیٹی چاہی کہ ایک جوت موجود ہے تو میرے پاس اس کا کوئی جوت نہیں ہوگا اور اگر اس بات نے کچھ شدت انتہائی کی تو میرا بھائی رہتا میں مشکل ہو سکتا ہے۔ آپ کے لیے کسی مسئلہ نہ جانے گا کہ میری روانی اور بدنی کے بعد مجھے اپنے اسکول میں رجسٹر کیا جائے گا۔

اب بتائے کہ جب انکادات ایسے نایک ہوں تو میں عرفان صاحب کی پیشکش کی طرح قبول کر سکتی ہوں۔ میں پہلی وجہ سے رضوانہ آپ تین تین میں اور مجھے اس میں ضرور میری شلک میں تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے۔ کہہ دیں، میں ان کی اس جگہ سے کہہ دیتا کہ انتہائی تھا اس کی پوری کہانی نہ کر میرے اپنے ذہن میں بھی وہی اندیشہ پیدا نہ لے گا تھا۔ میرے فریہ کو آج میرا جانتی کی۔ اس اپنی دولت، اپنے خاندان، اپنی ماضی پر بڑی کا داغ احساس تھا۔ مجھے یہ مشکل ہی معلوم ہوتا تھا کہ عرفان کو رضوانہ بھی لڑکی سے شادی کی اجازت دے دے گی۔

☆☆☆

تمہیں چاروں کے بعد عرفان دوبارہ مجھ سے ملنے کے لیے آیا۔

”کیا آپ نے رضوانہ سے بات کی تھی؟“ اس نے بڑے اشتیاق سے سوال کیا۔

”ہاں کی تھی۔“ میں نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ ”اور میرا بلا مشورہ یہ ہے کہ اگر اس بات کا کچھ بھی اتفاق ہو کر تم رضوانہ سے ملو گے تو اس کا انتظام کر سکتو ہے کہ کبھی نہ کرلو۔ وہ شاید زیادہ بہتر ہوگا۔“

”کیا میں اس کا یہ مطلب سمجھوں کہ رضوانہ نے انکار

کر دیا ہے؟“ عرفان کا چہرہ زرد گیا۔

”نہیں! میں اس نے لٹکا دیکھیں کیا۔“ میں نے ہندو سے کہا۔ ”لیکن مجھے تو یقین تھا کہ فریدہ تمہاری اس پسند کو قبول کر لے گی۔“

”کیا اس وجہ سے کہ رضوانہ یہ اور ایک بچی کی ماں ہے؟“

”بھلا اس وجہ سے اور زیادہ تر ان حالات کے باعث جن میں رضوانہ کی زندگی گزری ہے۔“ میں نے جواب دیا ”ظاہر ہے کہ اگر تم رضوانہ سے شادی کا خیال بنا کر رکھو۔“

فریدہ کو رضوانہ کی بیوی پر اعتراض میں ہوجا ہی وہ یہ جاننے کی کوشش ضرور کرے گی کہ رضوانہ کا تعلق کس خاندان سے ہے۔ اس کی شادی کہاں اور کس کے ساتھ ہو گی؟

”مگر وہ کون سی حالت میں ہے؟ ہوئی اور یہ کہ اب اس کے والدین یا کوئی گھریلو عزیز واقارب کہاں ہیں اور رضوانہ کبھی اپنے زندگی کے جملات بتاتے ہیں، دوہارے ہیں کہ رضوانہ ان میں سے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتی اور اگر اس نے دیا تو فریدہ بھی ہرگز اسے سبکو کی حیثیت سے قبول نہیں کرے گی۔“

”مگر کیوں....؟“ رضوانہ کی کچھلی زندگی میں ایسی کیا بات ہے؟“ عرفان نے حیرت سے پوچھا۔

”اور میں اس کے جواب میں قدرے مختصر الفاظ میں دو تھم دو تھم پرادی جو رضوانہ نے سنا لی تھی۔“

”رضوانہ کا کہنا ہے۔“ میں نے آخر میں کہا ”مگر اگر یہ حالات جاننے کے بعد وہ تو ہمارا ایک بھتیجی ہے جو اب میں ہاں

کبھی نہیں۔“

”رضوانہ“ اس اقدام سے میری نظروں میں اس کی قدر و منزلت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔“ عرفان نے جواب دیا ”اور جو کہ اس نے بتایا ہے اسے جابجائے کے لیے اس کے پاس کوئی ثبوت ہو یا نہ ہو میں اسے جابجائے کرتا ہوں۔“

”اس سے اس کی خلوص اور دیانت داری کا اعلاؤ ہو سکتی ہیں۔ وہ جانتی تو کوئی جھوٹی داستان بھی بیان کر سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ میرے نزدیک یہی اس کے سچے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ میں اس سے بات کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات مان میں گی۔“

لیکن فریدہ نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے اعتراضات وہی تھے جو سشارتی رزم درواج کی انگری ٹھیک میں ہڑے ملاتھ۔

ہوئے کسی ذہن کے ہوتے تھے۔ اس نے کہا کہ چڑا کی ہاں گھر سے کہا کہ ماں باپ کی عزت کو داغ نہ لگتی ہے۔ ہرگز اس کا تعلق نہیں کہ اس کی بات کو بچ بچا جائے۔ کون جانتا ہے کہ اس نے غائب سے شادی کی بھیگی کی بیٹی اور یہ بائیں اس کا جائزہ دیا ہے یا جانا۔ بلکہ یہ یقین اس کے نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا تعلق باپ کی بیٹی سے۔ آگ لگتی ہے تو وہاں اٹھتا ہے۔ بات ہوئی ہے تو دھجکوتا ہے۔ کون جانے اس کے منظرے والے عابد کے دوست کے ساتھ اس کے تعلقات میں کس شے کا اثر انداز کرے گا۔“

فریدہ نے کہ جس لڑکی کو اس کے ماں باپ اور اس سرے قبول کیا ہو میں اسے اپنی بھینا کر گھر میں نہیں لائیں گی۔

عرفان نے ہرچہ فریدہ کو بھاننے کی کوشش کی۔ یہی کہہ دیا کہ اگر رضوانہ اس کی شادی چھوٹی ہے تو پھر وہ ساری زندگی بچی بن جائے گی اور اسے گھر فریدہ سے مس نہ ہوگی۔ مجبور ہو کر عرفان ایک بار پھر میرے پاس آیا۔

”آئی، میں نے رضوانہ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ وہ بولا ”اس لیے اس کے مجھے اپنا گھر ہی کیوں نہ چھوڑنا پڑے۔ مجھے زمیندار کی کام کا رواج بگڑے کہ کئی بڑے زمیندار مجھے اپنا کھانا اور کاندھ بنانے کے لیے تیار ہیں۔ میں رضوانہ سے شادی کرنے کا اپنا ایک گھر لیاں گا اور مجھے خدا کی رحمت سے پوری توقع ہے کہ اگر انکالوں کا دور آئے اور میری ضروریات کے تحت اسے لے لیں گی۔“

”میں نے اپنی بات رضوانہ تک پہنچا دی۔“

”نہیں باجی، اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔“ اب میں کوئی دوسرا حربہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اپنے والدین اور عزیز واقارب سے کٹ کر اپنی پسند اور اپنی محبت کی شادی کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ شادی صرف وہ افراد کے درمیان تعلق کا نام نہیں بلکہ یہ دو خاندانوں کے درمیان بھی ایک تعلق ہے۔ مگر یہ آدھی مٹا کر اسے کتنے گرجن پر بیٹھنا ہوں جیلا ہو سکتا ہے اس کا اعلاؤ سب سے الگ ہو کر جینے کے بعد یہی ہوتا ہے۔ میں اسے اپنے جذبات کی خاطر اپنے والدین کے ساتھ جو کہ کادہ کو اپنے گھر لے کر آتی ہوں۔ بلاشبہ یہ اپنی پسند حاصل کرنے کا حق ہے لیکن

بہنوں میں کسی سوچنا چاہیے کہ اس کے بدنے ہو گیا کہ فریاد کر رہے ہیں۔ عرفان کو ان کے گھر سے الگ کر دیا۔

اور بدو کو ڈاکو زائش میں لیں ڈاکو زائش۔“

میں نے عرفان کو رضوانہ کا جواب بتا دیا حیرت زدہ

”آئی، میں نے اسے معلوم ہوا ہے کہ آج کل وہ تمہارے گھر کے چکر لگاتے ہیں۔“ فریدہ نے کہا۔ ”نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”تمہارے گھر کا بھجھ کر کوئی انہیں ہوگا۔“ میں بولی ”اس لیے اس کی خوشی ہو کہ گھر میں مریخ نہ آجائے۔ ابھی ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات نہ لو۔“

”ابھی بات ہے۔“ کہہ کر اپنا گھر آیا ہو؟“

”عرفان میرے پاس میرے اسکول کی ایک ٹیچر رضوانہ سے شادی کرنے کے بارے میں مشورہ کرنے آیا تھا۔“

”اور تم اسے بجائے تمہارے اور اس کا یہ کہہ دو۔“

”تم پھر مجھ میں یوں؟“ میں نے اسے لکھا۔ ”پہلے میری پوری بات سنو اور پھر کہنا۔“

”میں نے اس سے کہا کہ وہ میرے پاس میرے گھر میں رہے۔ اس سے میرے گھر میں جو کہ میں نے اسے سمجھا اور دیکھا ہے اس کی وجہ سے میرے خیال میں عرفان اور اس کی شادی میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ اس لیے میں نے عرفان سے وعدہ کر لیا کہ اس کی بات رضوانہ تک پہنچا دوں گی۔“

”اس کے بعد میں نے حضور پور جو کہ اب تک عارف اور رضوانہ کے درمیان کئی بار تھا ہوا دیا۔“

”ان حالات میں میری کچھ نہیں آتا مگر آخر میں وجہ سے اس شادی کی مخالفت کر رہی ہو؟“ میں نے آخر میں کہا۔

”اس لیے کہ مجھے یقین نہیں کہ وہ بچپن کے بارے میں بتا رہی ہے وہ سچ ہے۔“ فریدہ نے جواب دیا۔ ”میرے نزدیک وہ ایک مشتبہ کردار کی لڑکی ہے جس نے گھر سے بھاگ کر اپنی دار لگا کر موت بھی فراہم کر دی ہے۔ مجھے یہ بھی

انتہا نہیں کہ اس نے کسی سے شادی کی تھی۔ لیکن اس کی باتناز اور ادا کی ہو تھی ہے۔ پھر اس کا ایک بیٹا جو کہ میری مرضی کے پاس رہ رہی تھی، سچ کی بات ہے میری گلیاں بھی تو ان کے ہاں ہو سکتی ہے۔ اس نے اپنا دل بھر جانے کے بعد اس کے گھر سے نکال دیا۔ جو کہ تمہارے قول جب وہ مجھ میں آئی تھی۔“

”میں نے فریدہ سے کہا کہ وہ میری مرضی کے خلاف اس کے شریف لڑکی کے بچے نہیں لگتے۔ پھر میں ایک لڑکی کو جس کا کردار ایسا تھا۔ جو طرح پر اپنے گھر کی بھینوں میں

”میں نہیں دلائں گے تمہارے آئی ہو۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن تم نے اپنی کوئی بات کر کے کچھ نہیں کہا۔“

”میں نے عرفان سے گھر آ جاتا۔“

”میں نے عرفان سے گھر آ جاتا۔“

”میں نے عرفان سے گھر آ جاتا۔“

وہ کسی گمراہ تے تو ہمارے ذریعے کھلوادیجے کہ وہ گھر میں نہیں ہیں۔ پھر اچانک رجم چاچا کا انتقال ہو گیا۔ ان کا ہارت میں ہو گیا تھا۔

ان کی موت کے بعد ابا جیسے ان کے فراق میں تڑپے گئے تھے۔ ہر جمعرات کو مجھے لے کر فاتحہ کے لیے آ جاتے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھ لیا۔ ”ابا، رجم چاچا کی قبر سے تم کو کیا دلچسپی ہو گئی ہے؟“

”ابے جبرائیل چاچا بہر فرشتہ آدمی تھا۔ اس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔“

”کس چیز کے لیے معاف کر دیا ہے؟“

”میں نے رجم چاچا سے پاچہ جبرائیل اودھار لیے تھے، وہ اس نے معاف کر دیے ہیں۔“

”کچھ کہہ سکتے ہو ابا۔۔۔ ہو سکتا ہے رجم چاچا قسمت میں تمہارا بچپان بکڑ گیا؟“

”اے بیٹے، میں نے سنا ہے کہ جو بندہ کسی کو فرشتہ اور صومرا کیے بغیر میرا سے وہ چھڑا اس کے خواب میں بھوت۔۔۔ بن کر آتا ہے۔ آج میرا سہنا صاحب کو کیا ہے رجم چاچا کی موت کو کون ایک بار بھی خواب میں نہیں آئے۔ اس کا مطلب ہے ہوا کر مجھے معاف کر دیا۔“

”تو یہ قہر کر دیا ایک سہا ہے۔“

”اے ایک کر دہو یا طاقت وہ مجھے تو سکون لیا گیا ہے نا۔ اس لیے میں اس فرشتہ صفت انسان کی قبر پر آیا کرتا ہوں۔“

”لیکن آج مجھے کیوں لے آئے ہو، یہ تمہارا اور رجم چاچا کا معاملہ ہے تو خودی آ جاتا کرو۔“

”ابے، مجھے اس لیے لے کر آتا ہوں کہ ان کی روح کو تاج مل جائے کہ اس فاتحہ خوانی میں تو بھی برابر کا شریک ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بھوت بن کر تیری گردن دیوبچ میں۔“

”تو ایسے میرے سہرا ہے ابا۔ ایسا نہیں تھا کہ میرے ابا کے پاس پیسے نہ ہوں۔ بہت دولت میں ان کے پاس تھیں حال ہے کہ جو عزی کو آسان بنانے کی بات کریں۔“

”مجھے تو یہاں تک یقین ہے کہ خدا دنیا میں ان کو خوش خبری دینے کا جتنی جتن دے دی ہے تو ہو سکتا تھا کہ چاندیوں کے سلاخ میں وہ جنت میں کسی کے ہاتھ چھو دیتے۔“

”اب بھیا دیکھ کہ انہوں نے رجم چاچا کی قبر پر فاتحہ خوانی کی ہے وقت کی بڑس کا پھول لال لال تھا۔“

”اب جابر قبرستان کے گورنر کو بلا کر لے آئے۔“ ابا نے سگم دیا۔ ”اس سے کہنا بہت بڑا بڑس آئے۔“

معاذ اللہ، سرگزشت

”ابا، کیا تم مجھے بھی یاد دلاؤ۔“

”اے بیٹے، پلانگ کے دوران مت کوکر نا۔“ ابا نے کہا۔

میں ابا کے کہنے پر گورنر کو بلا کر لے آیا۔ وہ بھی ایک ہی قسم کا ننھوں صورت انسان تھا۔

”کہو دار کیا حال رہا ہے آج کل؟“ ابا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیا بتاؤں صاحب!۔۔۔ اس نے ایک گہری سانس لی تو گولے سے تو سرتابی چھوڑ دیا ہے اور دیسے کی گمر خا میں تو میرا کیا نہ ہو گا۔“

”کیوں، فائدہ نہیں میں ہو گا؟“

”اس لیے کہ یہ قبرستان پوری طرح بھر چکا ہے صاحب۔“ گورنر نے بتایا۔ ”اب تو ایک قبر کی بھی جگہ نہیں ہے۔ ہاں تمہاری بات اور ہے، تم کہو تو تمہاری قبر کی بیک ڈال سکتا ہوں۔“

”ابے، میں ابھی نہیں مر رہا۔“ ابا اس کی بات سن کر بھڑک گئے تھے۔ ”میں کوئی اور بات کر رہا ہوں۔“

”وہ کیا صاحب۔“

”وہ بیکس کی ہے؟“ ابا نے قبروں کے درمیان ایک خالی زمین کی طرف اشارہ کیا۔

”اب میری کسی گھر اس طرف چلی گئی۔ وہ غامی بڑی جگہ تھی اور کم از کم میں قبروں کی کھائی گلی سکتی۔“

”وہ جگہ تو کی ہوئی ہے صاحب!۔۔۔ گورنر نے بتایا۔“

”ایک پارٹی نے اپنے خاندان والوں کے لیے خریدی کی ہوئی ہے۔“

”کون ہے وہ پارٹی؟“ ابا نے پوچھا۔ اس کے ساتھ ہی ابا نے اس کے دودھ گورنر کے ہاتھ پر رکھ دیے تھے۔

”بھگیا ان کا کارڈ لے کر آتا ہوں صاحب!۔۔۔ گورنر ایک دم سے خوش ہو گیا تھا۔

”ابا، یہ کیا چکر چلا رہا تم نے؟“ میں نے گورنر کے جانے کے بعد پوچھا۔ ”اے تیری قبروں کا کیا کر دے؟“

”ابے خاندان والوں کو فن کروں گا۔“

”تو کیا سب کے سب کی بنیادی میں ایک ساتھ مرنے والے ہیں؟“

”ابے یہ بڑس کی باتیں تو نہیں سمجھ گا۔“ ابا نے کہا۔ ”بڑس بڑس۔“

”اے تیری قبروں کی ایک خشتہ حال بنا دوں گا کارڈ لے کر آ گیا تھا۔“ یہ کیس تھی۔ یہ اس پارٹی کا کارڈ۔“

میرا دل، 2012

ابا نے کارڈ کو کمری کی طرف بوجھا دیا۔ میں نے کارڈ دیکھا۔ اس پر کسی نیم ایڈریٹ کا نام لکھا ہوا تھا اور فنبر کے رشتہ اس کا چچا تھا۔

”گھر کہا وہاں آ گئے۔“

”گھر آ کر میں نے ہنگام شروع کر دیا۔“ ابا نے تم پرکوں میں بڑس رہے ہو۔ اتنی قبریں لے کر کیا کر دے؟“

”چھاپے تیار ہو گئی دال میں تھی ہے؟“ ابا نے سوال میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بہت تیزی، میں تو تھک آ گیا ہوں سو گ کی دال سے۔“ میں نے کہا۔

”بس، تو میں اسی لیے یہ پکر چلا رہا ہوں۔“ ابا مکرادے۔ ”تا کہ تجھے مرنے لگانے کو لے۔“

”تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔“

”تو تو یہ گھر چھوڑ۔۔۔ اور یاد رکھ کہ میں اس بندے کے پاس جاتا ہے۔“ ابا نے بتایا۔

”دوسری جانب ہم دونوں اس پتے پر پہنچ گئے۔ وہ بہت بڑا مکان تھا۔ ابا نے جب ہم اپنے دو گتے کا نام لیا تو ایک ملازم نے ہمیں دروازہ کھول دیا۔ میں نے جا کر بٹھا دیا اور خود کمرہ لے جانے چلا گیا۔“

میرا دل، 2012

کچھ دن بعد تو بندہ کمرے میں داخل ہوا وہ حد سے زیادہ لاغر تھا۔ وہ نیم ایڈریٹ تھا۔ ”ابے، اس کو تو اب تک خود اس قبرستان میں چلے جانا چاہیے تھا۔ یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟“ ابا نے میری طرف دیکھ کر میرے سے کہا۔

”ابا کی بات سن کر میں نے بڑی مشکل سے اپنی سکرابٹ برداشت کی۔“

”جی فرما میں!۔۔۔ اس آدمی نے صوفے پر بیٹھے ہوئے پوچھا۔ ”اور کوئی کس لے کر آئے ہیں تو میں نے تادوں کس میں نے ریٹس چھوڑ دی ہے۔“

”آپ کو تو ابھی کڑی نہیں ہے صاحب کہ آپ کو تو دنیا چھوڑ دینی چاہیے۔“ ابا نے کہا۔

”ابا بھو اسی غائب کے پتہ نہ چھٹ انسان تھے۔ جب بولنے سے ٹکا وہ لیکن شکر ہے کہ اس آدمی نے یا تو ابھی بات کی تھی لیکن میں اس کی ضرورت نہ کر رہا تھا۔“

”میرا چچا تو آپ کے آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”تم آپ سے قبروں کا سودا کرنے آئے ہیں۔“ ابا نے بتایا۔

”قبروں کا سودا؟“ وہ بھڑک اٹھا تھا۔ ”کیا میں آپ کو

میرا دل، 2012

مستقبل

جسے جنوں... ہر سارا واقعات اور سببیں مستقبل کے انوار صدفی کے خیالات کا نتیجہ

مستقبل

مستقبل کا نامور ایس کے خلاف ناصر ملک کا نگار دینے والا غولیں سلسلہ میں گزشتہ روز سے راجہ خاں تک ایک سفر ہے تو ای روادار حیات چاہوں کے دل پر انار

مستقبل

آخری سخت پولنگ کے عالم میں ویران مابوں پر ایک تہا سافر اور تامل خاں شوش کا تھیں... نیمہ مودی کے قلم سے لکھنے پر بکریہ جند بات کی ہر انگیزی

مستقبل

”جو کورسے قلم کرتا ہے وہ کورسے قلم کی ہوتا ہے“ جمال الدین علی کے بارے میں ایک درویش کی پیش گوئی تاریخ کے گزراؤ واقعات... ڈاکٹر ساجد امجد کی حق ریزی

مستقبل

حضرت داؤد علیہ السلام ہر دہوں کی زبان مجھے دالے اور پھر

کی کائنات نے دینی کی طرح... انجمن نبوت اور ادراہات بیک وقت کی

میرا دل، 2012

”ٹھیک ہے ابا، جیسی تمہاری مرضی۔“

ایک بار ایک اور پارٹی آئی۔۔۔ یہ غریب لوگ تھے۔ ان کا بھائی مر گیا تھا۔ انہیں جگہ چاہیے تھی۔ ابا نے ان سے بھی پچاس ہزار کا مطالبہ کر دیا۔

مرنے والے کا بھائی ایک سرچر انسان تھا۔ اس نے ابا کا گریبان تمام لپا، ہوش میں آ بیٹھے۔ کس بات کے پچاس ہزار مانگ رہا ہے، کیا ہم دو گز زمین پر کمرشل پلازا بنانے جا رہے ہیں؟“

ابا نے دایلا چنانا شروع کر دیا۔ وہ نوجوان بڑی طرح ابا کو جھجھوڑنے لگا تھا۔ مجھے ایک طرح سے روحانی خوشی ہو رہی تھی لیکن مجبوری یہ تھی کہ جس کا گریبان پکڑا گیا تھا وہ میرا باپ تھا۔ اسی لیے سچ بچاؤ کرانا پڑ گیا۔ بہر حال ان لوگوں سے سودا نہیں ہو سکا تھا۔ وہ داپس چلے گئے تھے۔

میں نے ایک بار ابا سے پوچھا ”ابا فرض کرو، اگر میں مر جاؤں تو تم کیا کرو گے؟“

”کرنا کیا ہے، تیری قبر کے بھی پچاس ہزار وصول کر دوں گا۔“

”کس سے کر دے؟ میں تو مر چکا ہوں گا۔ کیا اپنے آپ سے وصول کرو گے؟“

”اپنے تیرے دوستوں سے چندا کر کے ایک لاکھ جمع کر لوں گا۔“ ابا نے بتایا۔

”کیا مطلب؟ یعنی تم خود کچھ نہیں کر دے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”ابے، میں کس خوشی میں کروں گا، میں تو چیز سچ رہا ہوں۔“

”افسوس ہے ابا، تمہاری ذہنیت پر۔“

”اجھا اچھا، شئی فاضل مت بن۔ جس وقت تو مرے گا، اس وقت دیکھی جائے گی۔“

اور ایک دن میں گھر پر ہی تھا جب محلے کے ایک شخص نے آ کر اطلاع دی کہ ابا کا ایکسینٹ ہو گیا ہے اور انہیں اسپتال پہنچا دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے، وہ میرا باپ تھا۔ میں نے بے قرار ہو کر اسپتال کی طرف دوڑ لگا دی۔ ابا کا ایک چھوٹا آپریشن کر دیا گیا تھا۔

پتا چلا کہ یہ ایکسینٹ کچھ اس طرح کا ہوا تھا کہ ابا بس کی نگر سے فٹ پاتھ پر جا کر گر گئے تھے۔ شکر یہ تھا کہ ان کے سر پر چوٹ نہیں آئی تھی۔

وہ.... بڑی طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے۔ وہ ایک وارڈ میں بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ ان کو ٹکلیاں لگی

ہوئی تھیں، خون دیا جا رہا تھا۔

یعنی ڈاکٹروں نے انہیں بچانے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی۔ پتا ہوا کہ ان کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ بہت دیر بعد ابا کو ہوش آ گیا تھا۔

مجھے اپنے پاس دیکھ کر مسکرا دیے ”ابے قسمت میں جبر کھا ہوتا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے۔“

ابا ایک ہفتے تک اسپتال میں رہے۔ ان کا علاج بھی ہوتا رہا۔ ڈاکٹروں کی طرف سے بھی کوئی کوتاہی نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ سنبھل نہیں پا رہے تھے۔ ان کے منہ سے خون آنے لگا تھا۔

کئی طرح کے ٹیسٹ ہوئے اور یہ پتا چلا کہ ان کے پیچھے مڑے مضروب ہو چکے ہیں اور شہر میں صرف ایک ڈاکٹر ہے جو ان کے پیچھے مڑے مڑے گوا آپریٹ کر کے علاج کر سکتا ہے۔ اس کا نام تھا سرجن حمید۔

”ابے بلا لے۔ اس سرجن حمید کو۔“ ابا نے کہا۔

”ابا، مجھے یہ پتا ہے کہ اس کی فیس بہت زیادہ ہوتی ہے۔“ میں نے بتایا۔

”تو اس کی فکر مت کر۔ کسی طرح اس کی منت سماجت کر ہی لوں گا۔“ ابا نے کہا۔

میں نے اسپتال والوں سے کہہ دیا کہ وہ سرجن حمید کو بلا لیں۔

اور جب سرجن حمید کمرے میں داخل ہوا تو یہ وہی باوقار سا آدمی تھا جو اپنی بیوی کی قبر کے لیے آیا تھا اور ابا نے اس سے پچاس ہزار روپے وصول کر لیے تھے۔

سرجن حمید نے بھی ابا کو پہچان لیا تھا ”اوہ.... تو یہ تم ہو۔“

ابا نے شرمندہ ہو کر اپنی گردن جھکا لی تھی۔ سرجن حمید نے اسی وقت دو چار ٹیسٹ کروائے اور یہ بتایا کہ ابا کا علاج ہو سکتا ہے لیکن فیس بہت بھاری دینی ہوگی۔

”یہ تو بتاؤ ڈاکٹر کہ کتنی فیس لو گے؟“ ابا نے پوچھا۔

یہ مکالمہ بازی کمرے میں ہی میرے سامنے ہو رہی تھی۔

”تم یہ بتاؤ کہ تم نے بزنس کے لیے کتنی قبریں رکھی ہوئی ہیں۔“

”کیوں شرمندہ کر رہے ہو ڈاکٹر؟“

”تم سے ایک بات پوچھ رہا ہوں، اس کا جواب دو۔“

”اب میرے پاس صرف چندہ قبریں رہ گئی ہیں۔“ ابا نے بتایا ”میں نہیں، جن میں سے پانچ سچ چکا ہوں۔“

"ان میں سے دو دھبے دیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔
 "اب تو وہ کیوں؟" ابی بڑی طرح چمک پڑے تھے
 "وہ جو بہت کم ہیں، ایک ایک لاکھ۔"
 "میری نفس بھی اتنی ہی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا "اب
 فیصلہ خود قبائے ہاتھ میں ہے۔"
 "لیکن ڈاکٹر آپ کیا کریں گے؟" میں نے ڈاکٹر سے
 پوچھا۔
 "میں ایک لاکھ ایسی ادارہ بھی چلا رہا ہوں۔" ڈاکٹر نے
 بتایا "جو سرٹیفکٹ بنا رہے ہیں، ان کے کونٹینر کے پاس
 آخری سوالات کی اصطلاحات نہیں ہوتی۔ انھیں ہمارا ادارہ
 مفت سارے انتظامات فراہم کر دیتا ہے۔ وہ دینی کو دود
 قبریں آپ کی طرف سے ہوجا رہی ہیں۔"
 "دے دو! اب یہ تو بہت ثواب کا کام ہے۔" میں نے
 کہا۔
 "ابے چپ! جب قبریں ہی دے دوں گا تو میرے
 پاس کیا کیجیں گی۔"
 "میری ہے تمہاری۔" ڈاکٹر نے کہا اور جانے کے لیے
 ٹوٹا۔
 "ابے بھولا کر آؤ! ڈاؤ دی" ڈاکٹر صاحب، بس ایک
 منٹ۔ بات سننے جاؤ۔"
 "ہاں بھو۔" ڈاکٹر عید دہیں دروازے پر دک گئے
 تھے۔
 "جو ٹھیک ہے، لے لینا دو قبریں لیکن آپشن بائبل
 آپشن بائبل چسک ہو گیا۔ سرجن عید واقعی کیا بل
 سرنج تھا۔ اس نے اب کے پھیپھڑوں کی خرابی دور کر دی۔
 اب اس کے بعد بھی چارہ ہڈیوں تک اپچال میں رہے
 تھے۔
 "اب صحت یاب ہو کر گھر واپس آ گئے۔ گھر واپس آ کر بھی
 وہ صاحب کتاب میں مصروف رہے تھے۔" ابی نے میری قبریں
 دیکھی ہیں؟"
 "بڑھ رہی ہیں ابی!"
 "دیکھ تیرہ لاکھ سے کم ایک چسپی قبول نہیں کروں
 گا۔ خیر خدا اور دل کا نقصان ہو گیا۔"
 "ابا۔ خدا کا شکر ادا کرو۔ تم موت کے منہ سے گل کر
 آئے ہو۔" میں نے کہا "تو کو تو چاہیے تھا صرف ایک قبر
 اپنے پاس رکھ کر اپنی حق لوگوں میں بات دو۔"
 "ابو رو ایک کیوں رکھوں اپنے پاس؟"
 ماحندہ، سرگشت

"خدا رہے۔" ابی تمہاری زندگی کا کیا مجرور سا
 ہے۔" میں نے کہا۔
 "ابے اس کی ہر ایک حد کا لیاں دے ڈالی تھیں۔"
 "مجھ کو دنوں کے بعد امانے دوا دھکا لے گا دیں۔" باری
 کے بعد ان کا دل اور بھی سخت ہو گیا تھا۔ اب وہ قہر مابو کی
 رعایت نہیں کرتے تھے۔
 "ابے یہ بتا کیا اس ڈاکٹر نے میرے ساتھ رعایت کی
 تھی؟"
 "لیکن اب تو دیکھو کس اس ڈاکٹر کی نیت کیا تھی؟" میں
 نے سمجھانے کی کوشش کی "اس نے خیریتوں کی مدد کی ہے۔"
 "ابے، تو پھر میں بھی تو غریب ہوں۔" میں نے کون
 سے دوا کی جان خریدی ہے۔"
 "اب اب کو کون سمجھاتا۔"
 "ایک دن لیکچر لیا ابی کے پاس آ گئی۔ اس لوگ کی کہانی
 اس کے چہرے پر لکھی ہوئی تھی۔ نہ جانے کتنے دیکھ کر
 وہ یہاں تک پہنچی تھی۔
 "ابے اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے خاندان میں اور
 کوئی نہیں تھا۔ نکلے والوں نے سارے انتظامات کر دیے تھے
 لیکن قہر خریدنے کی کھائش نہیں تھی۔ کینکسر اس کی کتنے
 والے بھی خود اسی کی طرح غریب تھے۔
 "ابے خود اس سے بھی ایک لاکھ مانگ لیے تھے۔ وہ
 تو بڑی بڑی تھی۔" خود وہ بھی کہاں سے دوا کی میں ایک
 لاکھ لیکن تک کا بندوبست تو نکلے والوں نے کیا ہے۔"
 "میں سے بھی سب جانتا لو! بڑی بڑی بڑیں۔" ابی نے
 کہا "میں نے آج تک کسی سے رعایت نہیں کی۔ تم چلی
 جاؤ گی تو میرے پاس اب بھی بارش نہیں۔"
 اس وقت میں بھرا تھا "ابا۔ اب یہ نہیں ہوگا۔ اب مجھ
 سے تمہاری باتیں برداشت نہیں ہو رہیں۔ ابے یہ چارہ پر
 رحم کھاؤ، دے دو اس کا ایک قبر۔"
 "لو تو کیوں نکاح میں ہوں؟" ابی نے کہا۔
 "اس لوگ نے چند گھنوں تک ابی کی طرف دیکھا پھر
 دھیرے سے بولی "جو ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے آپ سے
 ضروری بات کرنی ہے۔"
 "ابی بات کرنی ہے، جو کہتا ہے یہ نہیں کہو یہ میرا بیٹا
 ہے۔" ابی نے میری طرف اشارہ کیا۔
 "نہیں۔ ابی، اب ہو کر کہوں گی، کسی کے سامنے نہیں۔"
 "تو پھر آؤ میرے ساتھ!" ابی اسے دوسرے کمرے
 میں لے گئے تھے۔ میں وہیں کھڑا رہا تھا۔

ڈاکٹر ابی دیر میں دونوں کی دوا بھی ہوئی۔ ابی کی گردن
 بھی ہوئی تھی۔ ان کے چہرے کا رہے تھے۔ انہوں نے باہر
 اس کو اس کی کہنا "ٹھیک ہے مجی! ایک قبر تمہاری ماں
 کے لیے، میری طرف سے اور اس۔" انہوں نے ابی
 جب میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹوٹ نکال کر لڑکی کی طرف
 دھکا دیا۔ "یہ رکھو اور ضرورت ہو تو بتا دیتا۔"
 "جرت سے میری؟" میں نے پوچھی۔
 "ابا کی روپ میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہوگا۔
 ابا اور یں پر دم کر جا میں اور وہ اس کی حد تک خود
 اپنی جیب سے پیسے دے رہے تھے۔ ایک لاکھ کی قبر اس کو
 دے دی گئی۔ یہ سب انتہائی جرت انگیز تھا۔
 نہ جانے اس لڑکی نے کمرے میں جا کر ابا سے کیا کہا دیا
 تھا؟ نہ جانے ابے پوچھا "ابا، اس لوگ کی کیا کہا تھا تم
 اس پر اتنے مہربان ہو گئے؟"
 "ابے جانے دے۔ وہ بے چاری اپنی مغلی کا روٹا
 رو رہی تھی۔ کس دماغ ہی تو ہے، پھر کیا اور میں نے اس کی
 مدد کر دی۔ اس اتنی ہی بات ہے۔"
 "نہیں مجھے اعزاز تھا کہ بات صرف یہی نہیں ہے بلکہ اور
 بھی کچھ ہے۔" وہ دن ابی اس طرح اتنی آسانی سے مہربان
 ہونے والے نہیں تھے۔
 "میرا حال اس کے بعد یہ ہوا کہ ابا نے قبروں کا برس ہی
 قسم کر لیا۔ کچھ قبریں انہوں نے مفت میں دے دی تھیں۔
 اصل رقم بھی نہیں لی۔ یہ جرت کی بات تھی۔ نہ جانے وہ
 لڑکی کون سا جادو چھوٹ کر چلی گئی۔
 "مجھ کو دنوں کے بعد ابا نے ایک اور جرت انگیز بات کی
 "دیکھ بیٹے! میری زندگی کا کوئی مجرور نہیں رہا۔
 مجھ پر سے تک جاب میں ہیں۔ اس لیے میں یہ چاہتا
 ہوں کہ تیری شادی کر دی جائے۔"
 "ابا میں اتنی جلدی کیسے شادی کروں؟"
 "جلدی کہاں ہے، اس بیٹے کے آخر تک میری شادی
 ہوئی ہے۔"
 "لیکن ابا! مجھے اپنے بہروں پر تو کھڑا ہونے دو۔"
 میں نے کہا۔
 "اب آپ اور کتنا کھڑا ہوگا، اچھی طرح کھڑا تو ہو
 چکا ہے۔"
 "میرا مطلب ہے کہ ابی کا کام دوا تو کرنے دو۔"
 "سب ہو جائے گا۔ میرے پاس پیسے ہیں، ان سے اپنا
 کاروبار سنبھال کر لیتا۔ میں نے تو میرے لیے لڑکی پسند کر لی
 ماحندہ، سرگشت

"ہے۔"
 "وہ کون ہے؟" ابی نے پوچھا۔
 "وہی، جو اس دن ابی کی قبر کے لیے آئی تھی۔" ابی
 نے بتایا "بہت اچھی لڑکی ہے۔ ذہن بڑے خیر رکھے
 گی۔"
 "ابی کیا تم سے جانتے ہو؟"
 "ابی طرح جان گیا ہوں اس کو۔" ابی نے کہا "وہ
 بہت اچھی بیوی کا ہوتی ہے۔ جی مت بدل دے گی۔"
 میں انکار کرتا ہوا لیکن ابی نے کچھ سامنے ایک کپڑے
 چل کر اس کی اور ہوا میں لپکی۔ ٹھیک ایک مینے کے بعد عالیہ سے
 میری شادی ہو گئی۔
 "شادی کے بعد چچا کھانڈی کی اصل خوشیاں کیا ہوتی
 ہیں۔ عالیہ، اچھی لڑکی تھی۔ انتہائی خدمت گزار،
 قریب دار اور اس کے ساتھ عالیہ بڑا کھانڈی کی نہیں تھا۔
 صرف ایک ہی کپڑے، جس کا رنگ و بون تھا۔
 ماں کی موت کے بعد اس نے کپڑوں کو پڑھنا شروع
 کر دیا تھا۔
 "یہ بہت اچھا تھا کس کا اور عظمت اچھا تھا۔
 کھلے گا پھر اس کی قبر پر کرتا۔ کھلے کی عورتوں نے
 اسے انتہائی کا احساس نہیں ہونے دیا اور کتنے کے مرد اس کی
 رکھوالی کیا کرتے تھے۔
 اس کی شادی کر کے میں نے مل کر کرنا تھی۔
 ابی نے عالیہ کے بارے میں ایک دن مجھے بتایا۔ "ابے
 ایک دن میں نے اس کے بارے میں کتنے والوں سے پوچھ
 چا کر کیا تھی۔ سب ہی اس کی شرافت کی گواہی دے رہے
 تھے۔ پھر میں نے اسے اپنی ہونے کا فیصلہ کر لیا۔"
 "ابا کیا بات بتاؤ؟"
 "کون سی بات؟"
 "عالیہ نے اس دن تم سے کیا کہا تھا؟" میں نے
 پوچھا۔
 "ابے کیوں اس بات کے پیچھے جا رہا ہے۔" ابی نے
 کہا "بھول جا اس کو۔ بس عالیہ نے ذکر کر اس کو کبھی تکلیف
 نہ ہونے دیتا۔"
 "ابا کے پاس اب چھری نہیں رہی تھی۔ اب وہ کسی
 قبر کا محافظ بھی نہیں بنے تھے۔ نہ جانے کیوں، بس ایک آن
 میرا ان کی دیا بل کر گھر لایا۔
 میں نے ایک دو بار عالیہ سے بھی پوچھا "تم نے اس
 دن ابا سے کیا کہا دیا تھا کہ وہ مل کر رہے؟"
 اپریل 2012ء

”کوئی خاص بات نہیں تھی۔“ عالیہ نے جواب دیا۔

اباب بیمار رہے گئے تھے۔ سرجری کے بعد ان کے پیچیدہوں میں وہ طاقت نہیں رہی تھی۔ وہ جاگ نہیں کرتے کرتے ہاتھ لگتے لیکن ان کی زبان کا وہی حال تھا۔ وہی اعزاز نکھو جرات کے حراج کا حصہ بن گیا تھا۔

میری بیوی عالیہ نے اس حال میں ان کی بہت خدمت کی۔

وہ مجھ سے کہا کرتے ”ابے دو کچلا، میں نے عالیہ کے لیے کیا کیا تھا، اس کی بیوی تھمت والوں کو تھی ہے۔“

”ہاں باہم تمکب ہی کہتے تھے۔“

اباب نے صرف ایک تھری زین چاکر کو تھی۔ باقی سب اوجڑا کر دے دیں۔ میں نے ایک دن ان سے کہا ”ابا، اباب یہ آخری زین تھی کی کو دے دو۔“

”اے نہیں، یہ میں نہیں دے سکتا کیونکہ تو میں نے خود اپنے لیے رکھی ہے۔“

ابانے اب نمازیں بھی شروع کر دی تھیں۔ منجے والے انہیں بہت حیرت سے دیکھا کرتے کیونکہ انہوں نے اپنا کوئی نماز روئے کی طرف جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

پھر اباب ایک بیمار بن گئے۔

ان کے پیچیدہوں کی کڑوری پوری طرح سامنے آ گئی تھی۔ میں اور عالیہ ان کی بیماری کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔

ایک دن ابانے بیماری کی حالت میں کہا ”اے جب میں زندگی میں پہلی بار کوئی نیک کام کرنے جا رہا ہوں تو تم دونوں پریشان ہو رہے ہو۔“

”ابا، کس نیک کام کی بات کر رہے ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”اے، میرے چارہ ہوں۔ اس سے زیادہ نیک کام اور کیا ہوگا؟“ ابانے مسکراتے ہوئے بتایا۔

اور ایک دن وہ مری گئے۔

بہت خاموشی اور پرسکون موت ہوئی تھی ان کی۔ وہ رات کو ستر پر لیٹے لیکن درج اٹھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔

وہ سوتے ہی میں گئے تھے۔

اور ان کی تدفین اسی قبر میں ہوئی تھی جس کو انہوں نے روک رکھا تھا۔ اعزازہ کیجئے قبروں کا سیر کیا ہے شروء ہوا تھا۔

میں قبروں کی زمین ان کی سودے ہاؤزی، ایک ایک قبر پر لاکھوں کا منافع، مگر ان کی حالت بدل چکا تھا اور قبریں مفت

تقسیم کر دیا، یہ سب آخر کیا تھا؟

کیسے آدمی تھے ابا!

ان کی موت کے کئی مہینوں کے بعد میں نے ایک بار پھر عالیہ سے پوچھا ”عالیہ! تم ازراہ اب تو تادو کہ تم نے اس دن ابا سے کیا کہا تھا؟“

”ہاں، اب تانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ عالیہ نے کہا۔

کا انتقال ہوا، اس وقت کچھ مہینے نہیں رہے۔ جس وقت اماں مجبور ہو کر ابا کے پاس آئی تھی لیکن انہوں نے زمین دینے سے انکار کر دیا تھا۔

”ارے بھائی، یہ سب معلوم ہے مجھ کو۔“ میں نے کہا

”تم تو ہمیں بات تادو۔“

”صل بات یہ ہے کہ میں نے ابا کو الگ لگے جا کر ان سے یہ کہا تھا کہ میں اپنی ماں کے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں۔ میرے پاس پیسے تو ہیں ہیں لیکن عزت ہے، اگر چاہیں عزت نہیں۔“ عالیہ نے وہ بات بتا دی تھی۔

”خدا! اچھی بڑی بات۔“ میں کا کہنا کہ رو کر گیا تھا۔

”ہاں، اور یہ سنتے ہی ابا کی حالت خیر ہوئی تھی۔ نہ جانے انہیں کیا ہوا، وہ پورے بدن سے کچھ گئے۔ وہ میری طرح رو رہے تھے۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

کہنے لگے، چٹا، آج سے میں تمہارا باپ ہوں۔ میں زندگی میں کوئی دکھ، کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا اور انہوں نے باپ بن کر دکھائی دیا۔“ عالیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

عالیہ رو رہی تھی اور اس کے ساتھ میں بھی رو رہا تھا۔

میرا باپ بہت بڑا آدمی تھا۔ خائرس تھا اور اندر سے کچھ اور۔ دلوں کا سودا کر کے کرتے اس نے بہت خاموشی اور ہوشیاری کے ساتھ اپنی قبر منور کر لی تھی۔

اب میں اور عالیہ جب کسی قبرستان کی طرف جاتے ہیں تو ابی قبر بہت پاکیزہ پاکیزہ کی تھی ہے اور اس وقت ابی کی آواز کاؤنوں میں آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ”اے! میں نے کہا تھا کہ بڑس از بڑس۔ میں بھی گمانے کا سودا نہیں کرتا۔“

”ہاں! ابا تم بھی گمانے کا سودا نہیں کرتے۔ میرا یقین ہے کہ تم نے اپنی قبر میں جنت کی کھڑکی ضرور کھول لی ہے اور یہی کہا ہوگا۔“ اے! تم ازراہ ایک کھڑکی تو کھول دو۔ اور فرشتوں نے تم کی قبر میں کھول دی ہوگی، یہ ہمیں یقین ہے۔“

ماہنامہ سرگزشت



حاله روشنا

محترم ایڈیٹر سرگزشت

السلام علیکم!

امید ہے کہ مکمل طور پر ٹھیک ہو گئے۔ یہ ایک کہانی ارسال کر دیا ہوں گو یہ کہانی مختصر سہمی مگر میں دل کی آواز ہے کیونکہ ہم نے انسانوں کے بنائے ہوئے کھیل میں بہت کچھ کھویا ہے، بہت سنی لاشیں تحفے میں ملی ہیں، میں کوئی باقاعدہ لکھاری تو نہیں ہوں لیکن پھر بھی کوشش کی ہے، امید ہے نوک ہلک ستوار کو کسی قریبی اشاعت میں شامل کریں گے۔

حاجد تابانی

(کابل، سوات)

ہوگا، کیا کوئی دیکھ ہوا ہوگا؟

میں نے اپنی حال کا آخری دیا رنگ نہیں کیا، جب مجھے خبر ہوئی تو وہ ہنسنے سے روک لی گئی۔

روشیاری حال کا نام تھا۔ وہ بہن ہائیوں میں سب سے چھٹی تھیں۔ سب سے بڑے ہاؤس اور خالوں میں سب سے

میری حال، میری سب سے چھٹی اور میری سب سے پیاری خال اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔ ان کی یاد تازہ آتی ہے، جب بھی میں ان کو یاد کرتا ہوں تو دل خن کے آندہ روتا ہے۔ وہ میری بیوی کی، کیسے جان دی ہوگی؟ یہی سوچ، یہی لگات تھے راتے ہیں، کیا ان کی میت پر کوئی رویا

محبت کیا ہے

حضرت منصور علان کو قید میں جب اٹھارہ دن ہوئے تو شبلی نے جا کر دریافت کیا۔ منصور محبت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ سوال کل پوچھتا۔ دوسرے دن اسے عقل کی طرف لے جایا جا رہا تھا کہ شبلی پہنچ گئے۔ انہوں نے اس سے کہا۔ محبت کی ابتدا جلتا اور انتہا جوتا۔

اس بات پر آئیں، آرہی ہیں کہ تعاون

پلہ نہ ٹاؤن کراچی سے

کے ساتھ باپ کے گھر آ گئیں لیکن وہاں ان کے ساتھ بھائی اور باپ کا روٹیہ اچھا نہیں تھا۔ ان کی بیٹی سے تو وہ سے زیادہ نفرت کرتے تھے۔ خالہ نے ان کے روٹیے کو دیکھا تو داپس اپنے گھر چلی گئیں۔ وہ دارکھانسی، گایاں، شیخ اور جب بہت زیادہ تنگ آ جاتیں تو اپنی بہنوں کے ہاں چلی جاتیں اور کچھ دن گزار آتیں لیکن کب تک، رفتہ رفتہ لوگ ان سے بیزار ہونے لگے۔

خالہ ہمارے گھر بھی آئیں۔ میری ماں ان کو بہن سے زیادہ بھی جتنی تھیں۔ ان کی گود لی جتنی تھی سے بھی پیار کرتی تھیں۔ جب بھی خالہ آتیں، میری ماں کے سامنے روئیں، فریاد کر دیں۔ میں نے ہمیشہ ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ ماں ان کو حوصلہ دیتی تھیں اور میری تعلیم کو بھی دے رہی تھیں۔ یہ نامراد بھائی کی۔ رشتہ داروں کے سامنے خالہ کی گود طرف سے بھی خالہ کی۔ کسی نے بھی خالہ کی دھڑکن کی۔

جب بھائی اور باپ نے اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں لیا تو دوسروں نے کیا کیا بات، ایک دفعہ میرے بڑے ماموں سموی عرب سے تقریباً تین سال بعد لوٹے تو خالہ نے ان کو اپنا معاملہ بتایا۔ خالہ کو بڑی امیدیں ان سے تھیں انہوں نے بھی اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا حالانکہ بڑے بھائی کے ناتے ان کا فرض تھا۔ بڑے ماموں بھی سب سے ڈر رہتے تھے۔ جب وہ واپس پر مدینہ آئے تو انہوں نے بھی کچھ کوارا نہیں کر سکا کہ وہ اپنی چھٹی بہن سے مل لیں۔

خالد اسانی آسوں سے درجہ پائیں ہوئی تھیں۔
 شوگر کی ہر وقت ان کی منتظر جو تھیں۔ اسی دوران اچانک
 ہمارے علاقے میں خوش کے خاتم کچل کے اور ہمارے
 علاقے پلینٹ میں آئے۔ ہر پکی ہتھوڑا بند ہو گیا تھا، علاقے
 میں حکومت کی کوئی داری نہیں مل رہی تھی کہ سوچے۔ منصوبہ
 کی تحت حکومت کی کوئی کارروائی نہ ہو سکی تھی۔ ہر آدمی
 ہر روز سر پہ لاشا بن چکوں میں مٹی تھیں۔ کسی شپ کیل
 کا پڑوں کی ہر دواؤں اور شیک نے لوگوں کو کھانسی
 جھکڑا کی تھیں کہ لاشا بن گئے۔ کسی تازہ ہوئے تھے۔
 مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ خالد رو شاپ حجتہ رمضان
 المبارک کو آجس سے گھر آئی کہ وہاں حالات تھیں
 تھیں، ہمارے کو آجس سے گھر آئی کہ وہاں حالات تھیں
 تھیں، ہمارے کو آجس سے گھر آئی کہ وہاں حالات تھیں

خالہ کا گھر دوسرا تھا، وہاں حالات نارمل تھے۔ اس دن تقریباً تین بجے ٹانگ شروع ہوئی اور اس میں شدت

ماہنامہ سیرگشت

and d

یہ بات ہمیں بعد میں معلوم ہوئی کہ خالو کی ایک شادی
 ام ہو گئی تھی۔ جب شادی کو دو سال گزر گئے تو خالو نے اپنا
 دکھانا شروع کر دیا۔

وہ خالد روٹھا سے بیزار رہنے لگے۔ خالہ نے اپنے
 نوکر کو لے کر مکان میں رہنے کے لیے کہا تو خالو نے ان
 دو یوں وہ کرپے کے مکان میں آگئے تھے۔ وہ بھی باڑی
 بنے تھے۔ موٹی بنے تھے۔ کسی دیکھی طرح زبردست
 بن جاتی تھے۔ دوشتا خالہ تھابت بنے کناٹا خالو حسین۔ وہ
 بچت کر لیا کرتے، ان کا خواب تھا کہ انگریزوں۔
 دارساں کوڑے کریں خالد کو اور بی بی سہیل، بھڑ معلوم
 کر خالو کو کوئی خامی ہے۔ خالہ نے اپنے خاندان علاج
 کیا لیکن یہ سود۔ سود کو بچوں کی بہت خواہش تھی، انہوں
 کی لکڑی کو سود لگایا۔

وقت گزرتا رہا۔ خالو کا جی تو اڑ ہی گئے۔ وہ نشہ
 نے لے گئے تھے۔ خالو نے جو رقم بچائی تھی، وہ خالو کے علاج
 کے لیے بھجوا دی۔ لیکن وہ خالو کو کبھی اس کے ہونے بچتا
 خالو کے علاج کے سلسلے میں کسی نے بھی خالو کی مدد نہیں
 کی۔ غمروں نے انہیں ڈاکٹر کے پاس پہنچایا۔ خالو کو ٹھیک
 لگنے لگے لیکن ان میں پہلے جیسا جوصل حاصل رہا۔ کام کاج کوئی
 نہ کر سکتے تھے۔ ایک سرٹ پیسے، دوسرا سگائے۔ وہ دھوکہ
 کھانے والے مرد سرٹ پیسے لے گئے۔

خالہ کی کوئی دوسری بیٹی تھی کہ ان کا مالی بوجھ اٹھاتی
 تھی۔ اس دوران لوگوں نے میرے نانا کو مجبور کیا کہ آپ
 کو زیادہ زمینیں دیں، اپنی بیٹی کو کھر کے لیے ٹھوڑی سی
 دے دیں۔ نانا راضی ہوئے اور تقریباً تین مرلہ زمین
 گھر کے پیرے کے لیے دے دی۔ خالہ نے بیرونچ کر ایک
 اور چار دیواری اٹھائی اور کرایے کے مکان سے نجات

جب خالہ اپنے نئے مکان میں شفٹ ہوئیں تو وہ بہت
خمس۔ ان کی خوش ویدنی تھی۔ مس ماں کے ساتھ ان کو
دینے کے لیے گاتا تھا۔

مگر تکی خوشی کی لیکن شوہر راہ راست پر نہیں آیا۔ کہتے
ہے انسان تقدیر کے آگے بے بس ہے۔ وہ تقدیر کے آگے
پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حالہ بھی بے بس قسم۔ شوہران سے
گلزار تاور ہے ملتا، یہاں تک کہ برتن وغیرہ بھی بیچنے
وہ روز کے چھڑوں سے نکل آ کر وہ اپنی گود لی گئی

1991

پھوٹی۔ جبکہ مری ای اپنے بہن بھائیوں میں بڑی تھیں۔
 مری ہمارا روشنا خانہ کو اپنی اولاد دجیہاں بھی تھیں۔ وہ اکثر
 تھیں کہ جب ان کی شادی ہوئی تو اس وقت روشنا تقریباً
 ایک سال کی تھی۔

کہتے ہیں کہ زندگی آزارشوں کا مکس ہے۔ پھر زندگی کا
دوسرا نام آزارش ہے۔ خالہ روشنی کی زندگی آزارشوں اور
پہلے کی آزارشوں سے ہماری تھی۔ وہ سب کے لیے میں
تھیں جو کہتے ہیں کہ جو لالہ لالہ ہوتا ہے وہ زندگی میں ہمیشہ
خوار اور ذلیل ہوتا ہے۔ روش خالہ کے ساتھ بھی کچھ ایسی
حادثہ تھا۔ ان کے صرف دو بھائی اور چار بیٹے تھے۔ چاروں
بیٹے ان کے اپنے گروں میں خوش تھے۔ ان کے بھائیوں کی
میں شادیایں ہو چکی تھیں۔ وہ اپنے بھائیوں اور ماں باپ کے
ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن وہ بیمار ہو گئے۔ مگر یہ بیمار
رہا تھا۔ ان کی مثال ایک درخت کی ہے، وہ کہتے ہیں
کہ کے لیے خشکی چھاؤں پیدا کرتی ہے۔ جب ماں سامنے ہو تو
انہیں جاننا اس حوصلہ ہوتا ہے۔ جیسے یہ خالہ، روشنی کی ماں تھیں
پھر کیا تھی اس دنیا سے رخصت ہو کر تو خاندان کا شیرازہ
تھا۔ ان کے بھائیوں کو پتہ نہیں تھا کہ وہ تو پہلے ہی ایک
بڑے گھر کے گورنر یا پرنسپل تھے۔ مگر یہ تھی کہ انتقال کے بعد
ان میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ بڑے ماموں تو زیادہ تر
دشمن میں ہوئے اور ان کی بیویاں تو بہت بات بہت بھڑکا
کر رہی تھیں۔ جب دونوں بھائیوں میں بیٹھ کر ہوئی تو انارور
لے کر بڑے بھائی کے ساتھ تھے لیکن بھائی کے جد ان کے
اپنے تھے۔ یہ نہیں سمجھ سکتے۔ وہ ہمیشہ خالہ کو ذلیل کرنے کا بہانہ
دیتے تھے۔

خالد کی گھر پر عمرانی قسم ہوگئی اور وہ بھائی اور بھالی کی
راج ہو گئیں۔ حالانکہ ۱۹۸۱ء کی نعرہ تھے لیکن جنابیں خالد کی
بائی نے ان کو کیا بین پر دعا کی کہ وہ اپنی بیٹی کی بجائے اپنی
بھیلی کی طرف داری کرتے۔ اس دن لوں ان کی قسم خالہ کے
لوگ تھے۔ خالہ بہنوں نے یہ رشتہ توڑ کر لیا۔ وہ دھن جو وہ
میرے خالہ تھیں۔ پہلے فیک خاک تھے لیکن جنابیں شادی
کے بعد ان کو کیا ہو گیا تھا۔ میرے خالو کے والدین مر چکے
تھے، صرف ایک بہن اور ایک بھائی تھے جو اپنے اپنے گروں
میں رہتے تھے۔ خالو کے پاس کچھ نہیں تھا۔ دو دھت اور دو رکی
رہتے تھے لیکن ان میں سے کسی نے اپنی رچے نہ تھے۔ اسی بہن نے
میرے خالو کی بات کی کہ جیسے بہن کی شادی ہو گئی ہے۔ بھائی
نے شہر ادیا کہ کہ مصیبت نہ لگے۔ وہ خالد کو ہمیشہ مصیبت کہتی

جناب ایڈیٹر صاحب
سلام علیکم

ہوں اس سے پہلے کوئی کہانی نہیں لکھی۔ یہ بھی کوئی فرضی کہانی نہیں ہے۔ اس کے کئی کردار آج بھی زندہ ہیں۔ میں خود بھی اس کا ایک کردار ہوں۔ گروگہ یہ قصہ میرے بچپن کا ہے لیکن اس لیے لکھ بھیجا ہے کہ بڑے والوں کو سبق حاصل ہو۔ امید ہے، اسے سرگزشت میں جگہ ضرور ملے گی۔

محمد متور

محمد منور
(سابو وال)

مکمل ہے۔ قارئین کو اس عجیبائی میں کہانی کی کی
سوسوس ہو سکتی ہے یہ حسب حال۔ دو حال جس سے ہم سب
بے نیاز رہتے ہیں جس سے یہ ہم پر کمزور رہا ہے۔ روز ایک
مقام تھا اور کہتے ہیں کہ حقیقت کا تھا ہمارا ہوتا ہے روز کا تھا
کی ہر خودی ہوتی ہے۔ مگر یہ حقیقت ہمارے کی کمال کشمکش
ہو رہی ہے۔ ہمارے سامنے خود ہماری اور کرب باز ہیں

ان کے پاس کوئی کتب خانہ نہ تھا۔ انہیں سے دو اصل میں
میں اسے پہلے سے آئینہ دکھائی گئے کہ ہر اسے کتنا عجیب
یاد اور دیکھ کر کتنی خوش ہو گیا۔ یہاں پہلے سے، کبھی کبھی
تو وہ قرآن پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے، مگر وہ کچھ بیشعور
لکھاتے ہیں۔ یہاں سے ان کا تھکنا بھیج کر دیکھیں گے۔ اور
جب میں چوتھا تھا تو والد صاحب معمولی لکچر کے طور
پر اس مانت سے ہم ایک چھوٹی سی آبادی میں رہتے تھے۔ یہ
میں کیونکہ ان کے پاس زیادہ تر فارسی اور اردو میں سے معمولی
مزمزم رہتے تھے، بعض ایسی طرح واپس کا لکھ کر بھی تھے۔
یہ اور بات بھی کہ شام کے جب وہاں میں سے گئے کھاتے
تو ان کی کھس کا لکھ کر ایسی دوسروں کی طرح سیاہ وہاں
دو دفتر سے اصل آبادیوں سے بہت پرے تھے۔ یہاں تھا
یہ چند گھنٹوں کے بعد ان کے طرف میں تھا۔ یہاں پہلی
تھیں۔ یہ قیاد اور کاؤں کے دور میں کا علاقہ تھا۔ یہاں پہلی
تھیں۔ یہ سرج کے لئے کوئلے کے تھنا گئے تھے
رویس کی کلکری یا بجلی کا استعمال وہاں کچھ دیکھ کر
لوگوں جس آسانی سے جاتی تھیں۔ یہاں کوئلے کی ماحولوں

ماہنامہ سرگزشت

246

اپریل 2012ء

لڑکوں کے ساتھ چلا گیا۔

میں اسکول سے نکلا تو کوئی بھی ساتھ جانے والا نہیں تھا۔
میدان سے گزرنے کی وجہ سے کوئی لڑکا لپکا جانے کو تیار
نہیں ہوتا تھا اس لیے مجھے ہمارے دل جتنا تیار ہوا وہ
روانہ ہوا جانے لے۔ اس روز کوئی ایسا ہوا میرا کہ میں خیال ہی
دیں گا کہ مجھے بھی اسے کرنا ہے۔ ہر آدمی تنگ ہو کر ہر جگہ
کر کہ مجھے اس کیلئے اس میدان سے گزرنہ ہو گا۔ مجھ سے دل
یہ دل میں اور دوسرے لڑکوں کو دل بھر کر پتہ چلا کہ جو
مجھے انکا چھوڑ کر چلے گئے تھے، چاہے چاہتے تھے میں کر سکتے
تھے۔ میں تو لنگ رہا تھا۔ کان جاہوری تھی۔ میں نے
قدموں سے چل پڑا۔ اسکول کے ساتھ والی آبادی ختم ہو گئی
اور میدان شروع ہوا۔ میرے پاؤں کا قاعدہ مارنے سے
تھکتے۔ تو اور ہوتا تھا کہ میرے پاؤں کو رکھ کر چلتے ہیں یہاں
تو چنانچہ یہ حال ہو رہی تھی۔ میرا دل بھی تو سرسبز تھا
چل چلی بھی محسوس ہو رہی تھی اور جگہ جگہ تو نہیں لیکن میرے کان
یوں نہ تھے۔ میرے پیچھے چاند لڑکے سے میرے سامنے ایک سدا
آ رہی ہو۔ میں بس سر جھکا سے چلا جا رہا تھا۔ نظر کسی اٹھا کر نہیں
دے سکتا تھا۔ میرے پیچھے چاند لڑکے سے میرے سامنے ایک سدا

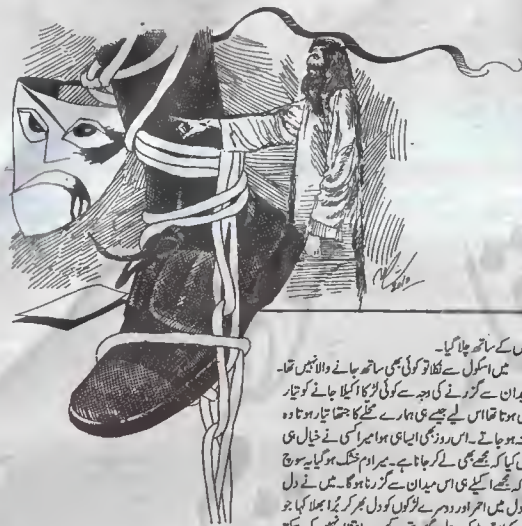
شعور میں جس گیا

اچانک ہی آواز آئی تو میں اُچھل پڑا تھا۔ دہشت زدہ
نظروں سے جا رہوں طرف دیکھا تو مہمازی تلے ایک آدمی

ماہنامہ سیرگشت

247

اپریل 2012ء



یہاں تو سب اپنے دوست ہیں، کوئی نقصان نہیں کرتے۔
کیوں دوست ٹھیک کہنا میں نے؟ اس نے شائے پر پھینچے
پر تھوڑے سے کہا اور اس نے کوڑے کی طرح کرخت کا چین
کا چین کی طرح ہجوم پر ڈھاکا۔
”تو کوڑے... سفید کوڑا؟“

اس نے سر ملایا۔ ”میرا کوڑا سفید ہے۔“
ابھی تک میں اس سے دور کڑا تھا مگر سفید کوڑا کیسے
کی جاہ میں اسے پاس چلا آیا۔ تو آج کاچ چاک اور پورا تھا اور
تھامس سے ڈانک۔ صرف اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ
سفید دھت خون کا لگ رہی تھی۔ ”میں نے آج تک سفید کوڑا
نہیں دیکھا۔“

”یہ میرا کیا ہے۔“ وہ فخر سے بولا۔ ”میں نے کہا تھا میرا
تو سفید ہوتا ہے۔“
اس وقت تک مجھے معلوم نہیں تھا کہ تو سفید ہوتا ایک
عادیہ ہے۔ اس لیے میں اس کی بات کو عام محفل میں لے
رہا تھا۔ میرا سارا خوف غائب ہو گیا تھا اور اس کی تکیہ کی
چمکانہ جھنجھٹ سے لے لی تھی۔ میں نے ہانگ پاس سے گئے
مناظر کیا۔ ”آپ نے کہاں سے لیا ہے اسے؟“

”یہ میرا ہے۔“ اس نے بھر پور جواب دیا اور تو گے کو
گود میں لے لیا۔ میں نے پر چھا۔
”کہا میں اسے ہوسٹل ہوں۔“
”نہیں۔“ اس نے فوراً انکار کر دیا۔
میرے پیش کا رخ اس کی طرف مڑ گیا۔ ”آپ کون
ہیں؟“

میں اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب
میں وہ کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ”میں تمہاری بستی میں رہتا ہوں۔“
”متور۔“
مجھے تعجب ہوا۔ ”آپ کو میرا نام معلوم ہے۔ لیکن میں
نے آپ کو پہلی نہیں دیکھا۔“

”میں بھی اُنی ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”آؤ“
میرے ساتھ میرا پناہ گزین لگاؤں کا تم اپنے مجھے سب سے
چاہو مجھ سے ملنے آ سکتے ہو۔“
میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ ہم بستی کا آئے اور وہ
میدان کی طرف سے پہلے مکان کے سامنے رکا۔ ”یہ میرا گھر
ہے۔“

بستی کا کلچر مگر مکان سے خالی پڑا تھا، ایک
کمرے کے اس مکان میں صرف ایک دروازہ تھا اور یہ بھی

جھروا رہتا تھا کیونکہ جب مکان خالی تھا تو مچنے کے لڑکے
دروازے پر لٹاچیں مارتے تھے۔ یہ ان کا کینا تھا۔ یہاں پانی
اور کھانسی کی بھٹی تھی۔ گویا وہ شخص یہاں آ گیا تھا۔ وہ یقیناً حال
میں ہی آیا تھا ورنہ سب ایک گھر سے گھر میں بھی اس کا ذکر ہو
چکا ہوتا۔ پہلی بستی کی یہاں کینا بہت ہوتی ہے تو کینا بہت
ہوادار نہیں کیوں نہ ہو زیادہ سے زیادہ وہ دن میں سب کے
علم میں آ جاتی ہوتی تھی۔ میں نے گھر آتے ہی اسی کو اس آؤ
کی جاہ میں اسے بتایا۔ اسی کو سفید کوڑے کا تعجب ہوا تھا اور
اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ سفید دھت خون کا لگ رہی تھی۔ ”میں نے آج تک سفید کوڑا
نہیں دیکھا۔“

”اس کی نصیب ملتی ہو۔“
”کہا وہ باہمی؟“ نصیب دوا دوا پر نمودار ہوئی۔
”کوئے والے کلچر میں، ایک آدمی آیا ہے جس کا کوڑا
سفید ہے۔“

”پڑوں نصیب بھی۔“ تو سفید ہے؟“
”اس کی تیرہ باہمی۔“ میں نے مداخلت کی۔ ”میں نے
ابھی اسکول سے آتے ہوئے دیکھا ہے ہانگ ملنگ کوڑا ہے اس
کے پاس۔“
”تجھے کیسے چلا کر تو گھر، ہو سکتا ہے کوئی اور برنہ
ہو۔“ اس نے بحث کی۔ وہ میٹرک پاس تھا اس لیے برہات
میں بھرت کر لی تھی۔

”میں نے خود کس کا نہیں کا نہیں کرتے جاہے اور اور آدمی
بھی بار بار کہہ رہا تھا کہ میرا کوڑا سفید ہوتا ہے۔“
میری اس بات پر اوری اور زینو باہمی نے خوب قہقہے
لگائے تھے۔ میں اس وقت بھی نہیں سمجھ رہا تھا کہ انہوں نے قہقہے
کیوں لگائے تھے۔ ہر سال شام تک ساری بستی کو معلوم ہو گیا تھا
کہ کلچر کوڑا میں ایک شخص آیا ہے جس کے پاس سفید کوڑا
ہے۔ جب مرد گھر آئے اور ان کو بتا دیا تو کچھ دھڑک کر آدم کے
بعد وہ خوب مسمول ہنسیک جہانے سب صاحب کے مکان کے
سامنے پہنچے۔ سب صاحب کا مکان انہیں کی طرف سے
بستی کا پہلا اور سب سے بڑا مکان تھا۔ بستی میں سب سے
اچھی حالت ان کی تھی۔ اس لیے وہ ایک طرح سے بستی
کے سربراہ تھے اور لوگ معاملات اور جھڑپے کرنے کے سامنے
انہی کے پاس جاتے تھے۔ شام کو ان کے مکان کے سامنے
خالی جگہ پر گریبان اور چار پائیاں رکھ کر ہنسیک جاتی تھی
جس میں کھٹے کے مرد بیٹھ کر شب کو کھٹے کے سامنے تھے اس
غریبوں کی بستی تفریق کی کیونکہ وہی بہت کم گھروں میں

تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ ریل پر اور سب پر کارڈر تھا وہاں بھی
موجود اور لوگوں کی تفریق کی چیز تھا جاتا تھا۔ سارے دن
کے کھٹے ہارے مرد اس طرح تازہ ہو جاتے تھے۔

مردوں کی طرح عورتیں بھی لڑکیاں بنا مختلف بھینچوں
پر جمع ہوتی تھیں۔ یہ مختلف بات کے کھانے کے بعد ہوتی
تھیں۔ لیکن ان میں صرف بڑے ہی حصہ لے سکتے تھے۔
بچوں اور نوجوان لڑکے لڑکیوں کو ان میں شرکت کی
اجازت نہیں تھی۔ لڑکیاں تو گھر میں رہتی تھیں لیکن بڑے
لڑکے موقع پر نکل جاتے اور کھانے اپنی نکل جاتے تھے۔
اس رات ان کا سب کا بھتیجہ تھا وہاں آئے تو انہوں
نے اسی سے کہا۔ ”یہ ماموں بڑا آدمی ہے اس کے پاس
صرف سفید کوڑا بھی بلکہ اور بھی چیزیں ہیں، ہنسیا کا ہوا بھی
ہے اور مال بھی۔“

”اچھا چادو مٹر جاتا ہے۔“ اسی نے حیرت سے
پوچھا۔ ”اور یہ ماموں کیا نام ہیں؟“
”یہ نام تو ماموں بتا دیا ہیں۔“
اسے ماموں کہتے ہیں۔ کچھ بھینچ ہیں کہ چادو مٹر بھی
جاتا ہے کہ کچھ نہیں اور کوئی کام بھی نہیں کرتا۔ سارا دن جنگل
میں گھومتا رہتا ہے۔ شاید وہاں سے جڑی بوٹیاں جمع کرتا
ہے۔“

”کوئی تو پڑو تو نہیں ہے؟“ اسی نے تشویش سے
کہا۔ ”ہماری بستی میں سارے اچھے اور صرف لوگ رہتے
ہیں۔ اگر یہ فلسفہ لگا لگا پڑی بستی کا حامل خراب ہو جائے
گا۔“

”میں اس فتح صاحب نے اے تعارف کے لیے
ہالیا تھا گھر میں دھت بھی کی تھی۔ اس کے بعد وہ وہاں کھٹے
ہارے ساتھ رہا ہے۔ پہلے کو دوسرے شہر میں خراب یہاں
آ گیا ہے۔“

”دوسرے شہر سے کیوں آیا؟“
”آپا ہو گا کہ کہہ دے۔“ ابو نے چھپایا۔ ”چلا دیکھ کر
نیک نہیں کرتے جب تک اس کی کوئی غلط حرکت نہ دیکھ لو۔۔۔“
بہن باہر پر طرف اور چھپا دی۔ ”باتوں اور کیچے سے
پڑھا کھانسی کھانسی پائیاں اس پر نہیں کیوں پڑ گیا؟“
”جنگل میں گھومتا ہے، بچے کی آنکھ کھینچے ہوئے اسی
طرف چلے جاتے ہیں۔“
”بچے ہیں تنہا رک کہتے ہیں۔ خود اور احرار تو مقرب
سے پہلے گرتے ہیں؟“

اتفاق میں برکت ہے

31 مارچ 1948ء کو کراچی کا صدر مہتمم

جناح نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”اگر ہم خود کو
بھلی، بھلی، بھلی اور سندی پہلے اور مسلمان اور
پاکستانی بعد میں نہیں سمجھیں گے تو پھر پاکستان لاؤں یا نہ
لاؤں ہو کر رہ جائے گا۔“ آج جب پاکستان میں
مسلمانوں کی حالت درگزر دیکھا جاتا ہے تو دل میں سب
سائق پیدا ہو جاتا ہے کہ یہاں ہر کوئی نفسا کی عالم
میں مبتلا ہے۔ کوئی آپ بھلی، کوئی گھٹیا، کوئی
پھانسا، کوئی سندی اور کوئی بھلی سمجھ رہا ہے اور کسی
دوسرے پر بھتیجہ اور کھ کی نگاہ رکھ رہے ہیں۔ اگر
اتفاق کا کبھی عالم رہا تو ہم کسی بڑے خاندان کا شکار
ہو جائیں گے اور اراکینوں کو تو بستی میں رکھیں۔“
مرسلہ: ذرا فخر، کوٹ، ڈیجی

”ہاں، اگر ایک مٹھ کی دیر کریں تو کسی مرمت

کرتی ہوں کہ دماغ ٹھکانے آ جاتے ہیں۔“

ای ہی ہم سے بحث کریں مٹھ کی دیر کریں تو کسی مرمت

مٹھ میں بہت سخت ہیں، اسی کی دیر کریں پچ چھ جاری

شامت آ جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مٹھوں کو بھائی اسی اور ابو

کی دیر دیا جاتا ہے۔ سارا ہی اُٹھ نہیں کرتے۔ یہ مصرعہ

کا لفظ ہے جس میں ہاں پر جا کر کھینچنے کی اجازت تھی، اس کے

علاوہ کہ مٹھوں کے کھینچنے کے لیے وقت

میں شاید بارہ سال کا تھا اور تو میں جماعت میں پڑھتا
تھا۔ احرار اور جماعت میں مجھ سے ایک سال کے تھا۔ اس
لے میں میں مجھ سے بڑے بھائی والی بات میں کی آپس میں
برابری کا پیارا اور لڑائی ہوتی تھی۔ سرے کی بات تھی کہ ہماری
لڑائی میں اس کی اولیٰ نہیں دیتے تھے، چاہے یہ ایک
دوسرے کے ساتھ رہا یہ بات کیوں نہ کریں۔ البتہ کوئی ایسی
چوٹ لگانے کی سمجھتی تھی جس سے خون نکل آئے۔
البتہ اسی ایک عجیب سوادہ میں میں کڑائی کے بعد ہم
بارہ کھینچنے کا کھانسی دوسرے سے بات نہیں کرتے تھے۔ آپ
یقین کریں کہ ایک بار ایسا نہیں ہو گا کہ یہ بارہ کھینچنے
گزرنے کے بعد ہمارے دلوں میں کوئی کدورت باقی رہی
ہو۔ بلکہ ہم دونوں بھائی فطرت کرنے کے لیے سے تاب
ہوتے تھے۔ آج خیال آتا ہے کہ بھائیوں کی لڑائی میں اس

دینا اور اسی وقت اپنے سامنے استعمال کرتا تھا۔ وہ کسی کو دروازہ پر کھینچ کر اس کے لیے نہیں استعمال کیا۔ چاہے کسی موت کی خبر کیوں نہ دوا دینی ہو۔ بے چارے غریب کی اس کی یہ شرط بھی نہ جانتے تھے۔ وہ اسے دو کی کوئی قیمت نہیں لیتا تھا۔ جسے تانکھیز بھی کہیں اس کی دوا کی ایک ہی خوراک سے لوگ ٹھیک ہو جاتے تھے اور انہیں دوبارہ اس کے پاس نہیں جانا پڑتا تھا۔

شاموں کی کچھ گھنٹیں جاتا تھا اور نہ کوئی اس کے گھر آتا تھا۔ کین رفتہ رفتہ دوسری کچی کا شامناں گیا۔ وہ ان کا نہ جاتا تھا اور ہر فرد کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ کیا کرتا ہے۔ اس کا ذریعہ معاش بھی اس کے اور کس گھر میں کیا ہے اور کیا کتا ہے۔ یہ شروع میں بڑوں کو اس کے بارے میں بتا کر تھا۔ کین رفتہ رفتہ انہیں اس سے ان پر کھینچ کر لیا کہ شاموں کی شخصیت ہی سب کچھ ہے، انہیں اس کے سامنے سے کچھ لے کر دینا نہیں ہے۔ ہم بچوں کو اس کے ہاتھی سے کوئی دیکھ نہیں گئی تھیں۔ ہم اس کے بارے میں ضرور متحسب رہتے تھے۔ گھر لڑنا کہہ کر، یہ میدان اور بھلے گھس میں نہ رہا۔ بار بار دیکھا کہ وہ بھانڑیوں اور کھاسوں میں گھسا ہوا چڑیا تلاش کر رہا ہے۔ زمین سے چڑیا پھینک نکال رہا ہے اور بھانڑیوں سے گرمت اور نونے کی کشل کے جانور پکڑ رہا ہے۔ وہ درختوں سے لٹکے والے کوئی بھی چیز کھاتا اور ان میں چڑوں کو اپنے قبیلے میں ڈال کر کھڑی میں لاکر اپنے پر نہ جانے کیا کر رہتا تھا۔

ہم بچوں اور خاص طور سے مجھے اسی بات کا متحسب تھا کہ وہ آسمان سے کی گھر میں اپنے دو بڑے بڑے ذرم لے کر دیتا ہے۔ پانی آتا تو وہ میرے اور شام کو شاموں ذرم اپنے گھر لے جاتا تھا۔ یوں رفتہ رفتہ شاموں کا سستی میں ایک تار بٹنا گیا تھا اور اس کا ایک حصہ نہ گیا۔ کسی کو اس سے کچھ بات نہیں تھی اور کوئی اس سے خوش نہیں تھا۔ بلکہ اسے لوگوں سے پسند کرتے تھے۔ اس پر اصرار کرتے تھے کیونکہ اس نے آج تک کوئی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو لوگوں کے اعتقاد کو کھینچتی ہو۔ انہوں نے لوگوں کے دکھ درد میں اس کے کام آتا تھا۔ جیسے اس نے غریب گھروں کے بچے کو پھانسیا اور اس طرح وہ ہر گھر لوگ جو ڈاکٹروں کے کھن اور دواؤں کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے وہ انہیں اپنے پاس سے دوائی دے دیتا۔ گھر اس کے دوائی دینے کا انداز بڑا عجیب تھا۔ وہ بیمار کو دیکھا اور میرا سے اپنی کھڑکی کے پاس بلا کر اپنے ہاتھ سے دوا

میرے پاس ایک گیند تھی۔ اس زمانے میں ہم بریکی کئی گیند سے کرکٹ کھیلتے تھے۔ ہمیں دلی گیندوں زمانے میں بہت پسند تھی۔ چنی چنی۔ میری یہ گیند فوٹ کی۔ اسے اسی دن شاموں میں کرب دکھا رہا تھا اور اس نے دوسری گیند بھی کرب پر اسی جاوے دی۔ مجھے خیال آیا تھا اور میں نے جب سے فوٹی گیند کے دونوں گولے کرب اس کی طرف بڑھا دیے۔ "اگر تم مجھے جاوے جاتے ہو تو اس گیند کو جڑو دو۔"

شاموں کو لڑا گیا۔ "میں.... اسے جڑو دو۔"

"ہاں! تم کہتے ہو کہ تم جڑو جاوے جاوے۔" میں نے کہا تو دوسرے نے مجھے شرمناک کر دیا۔ جاوے جاتے۔ ہماری گیند جڑو کر دی۔ شاموں نے غصوں کیا کہ وہ کچھس کیا ہے اور کرب اس نے گیند کرب کرکٹ دی تو بچوں پر اس کی جھڑواک بڑھ چکی تھی۔ وہ تم جڑو جاتے کی۔ اس نے اچھا کرکٹ کیا۔

"اچھا کرکٹ کا وقت ختم۔" میں نے گیند بھدے جاؤ میں کل اسے جاوے جاتے ہاتھ کل کر دوں گا۔"

اب بولے کہ شاموں اتفاق سے ہمارے اسکول کے پاس ہی واقع گھیلوں کے سامان کی دکان سے گیند خرید رہا تھا۔ میں نے اور بھنگے کے چند دوسرے بچوں سے اسے دیکھا۔ یہ وہ گیند خرید کر چلا گیا۔ ہم نے کچھ سے باوجود بھنگے تھے کہ اس نے کیا چالاکی کی ہے۔ وہ شام کو اس گیند کو کھینچتا تھا دیکھا کہ یہ میری گیند ہے۔ اس وقت بچوں نے مجھ کو کہا کہ اس گیند کو ہم سے گھر لے کر کھینچنا چاہتے تھے۔ شام کو اس کی دکان سے اسے لے کر گھر لے کر دے۔ یہ میدان اس کی طرف ہے۔ آیا اور ہمیں کھڑکی کے پرانے دیکھ کر کہیں کہیں کہنا۔ "اچھا ہے۔" میں نے تمہاری گیند ٹھیک کر دی ہے۔ رو کو بھی لا تا ہوں۔"

وہ کھڑکی کے اندر گیا اور گیند لے آئی۔ اس نے چالاکی سے کی کہ گیند کو ایک ہی پیر سے زور کر دیا۔ مگر اس نے کوشش کی تھی جیسی میری گیند کی۔ اس کوشش میں کامیاب بھی رہا تھا۔ سامنے سالم ہونے کے یہ اصرار تھے۔ میری گیند گیند کی تھی۔ لیکن وہ ایک چیز بھول گیا تھا کہ وہ جو گیند لایا تھا وہ دوسری گیند کی تھی اور یہ انداز سے بالکل مختلف تھا۔ شاہ جے جی اس نے گیند مجھے دی تو مجھے وہ کہہ دیا۔ "شاہ جے جی اس نے یہ گیند مجھ سے نہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔"

"میں نے بے وقوف نہیں بنا رہا یہ وہی گیند ہے۔" اس نے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"یہ گیند مجھ سے۔" میں نے کہا اور ایک پتے سے بولا۔ "بچو جا کر پھر سے چھری لے آؤ۔"

بچا ہمارا گھر میری لے آیا اور میں نے اسے گیند کا بر کاٹ دیا۔ وہ اندر سے لال لال کی جب ک میری گیند اندر سے چاہی۔ شاموں کو سامنے کیا۔" لکھا ہے جاوے کا اثر ہے گیند اندر سے بدلا ہوا۔"

"میں نے خود نہیں دکان سے یہ گیند خریدے دیکھا ہے۔" میرے ساتھ کھڑے لڑکے نے چلا کر کہا۔

"ہاں ہم نے بھی دیکھا تھا۔" دوسرے لڑکے بھی چلائے گئے۔ "شاموں ہم نے دیکھا تھا۔"

وہ دیکھا کہ میں نے بے وقوف کیا ہے۔ اس کے پاس لے اس نے تسلیم کر لیا کہ اس نے گیند خریدی تھی کیونکہ وہ جاوے سے ہماری گیندیں چڑھا تھا۔ پھر اس نے ہمارا بند رکھے کے لیے میں مثالی کھلائی کی۔ ہم بچے اس سے بہل گئے۔ اس نے کہا کہ میں کھینچ کر بچوں کے لیے بچے کھینچ رہی تھی۔ یہ بات بتائی بھی ہوگی تو کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ شاموں نے لوگوں پر اپنا اپنی اعتبار رکھا تھا۔ کتا بھی اس میں چڑھا ہوں تو کھنگلے ہے اس نے اس طرح لوگوں پر اپنا اعتبار چیک کیا تھا۔ اگر لوگ اپنے بچوں کے حوالے سے کہہ تو وہ جاتا کہ اس کا اعتبار کچھ بڑا کرنا ہے۔ لیکن جب کسی نے کچھ نہیں کیا تو وہ کچھ کچھ کیا کہ اس بات بھی ہے اور اس کے اصل کھیل کا وقت سامنے آیا ہے۔

میں نے بتایا کہ شاموں نے دوسرا میں جان اپنا تھا کہ کس گھر کی اس حالت ہے اور کہاں سے اسے مال مل سکتا ہے، اس نے ان گھروں کی طرفوں کو تار۔ وہ ان کے چھوٹے موٹے مسائل حل کرتا تھا اور جواب میں کئی معاوضہ بھی طلب نہیں کرتا تھا۔ یہ گھر میں اسے برا بھلا دیکھ کر نہ تھے۔ انہیں۔ یہ سستی کے ایسے گھر تھے جہاں کتا بھی نہ تھے اور یہاں کوئی بھی کتا نہ تھا۔ وہ بچے سستا زمانہ تھا اور غریب سے غریب موت کے پاس کی سونے کی کوئی گولہ نہیں ہوتی تھی چاہے وہ معمولی کیوں نہ ہو۔ ان طرفوں کے اس زیادہ سونا تھا۔ شاہ انداز میں اسے اس طرح اس کے ایک بات کی اور انہیں اسے ڈھب پر لے آئے۔ اس نے انہیں جھانسا دیا کہ وہ کیا کر سوتا ہمارا یہ ہے لیکن اسے ایک سرخ ہونے کے لیے پانچ تو لے اس سونہی دوا کر رہا ہے۔ اگر کوئی اس کے ساتھ سونا ملانے تو اسے آرومانا ہو گا۔"

تصفیر سونے کا لاچ لیا تھا کہ اسے نظر انداز کیا تھی جاسکتا تھا۔ پانچ تو لے گا کہ چپاس تو لے سکتا ہے

ماہنامہ سرگزشت

اپنی زمینوں کو بہت اچھے طرح استعمال کیا تھا اور اس کی آمدنی سے حاصل ہونے والی رقم کو اڑانے کی بجائے تنصیف سے استعمال کیا تھا۔ ہمارا مکان بڑا اونچا تھا تین کتب آباد کے چند خوب صورت مکالموں میں سے ایک تھا۔ ابائی اپنی آمدنی کے خوب سے ایک اسکول بھی چلا رہے تھے جہاں چھ ماہ مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ ابائی اکیسہیں تھے، ان کے ساتھ چند اور تخریص حشرات بھی تھے لیکن سب سے زیادہ حد ابائی کا تھا اس وجہ سے ابائی کی گاؤں میں عزت میں اور لوگ اپنے تازہ جات اور دوسرے مسائل کے گرد ابائی کے پاس آتے تھے اور وہ انھیں ملنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

ماہنامہ سرگودھا

نہیں تھی۔ شاید اسی لیے ملک سکندر کی اپنی نظر بھی سکندر کی وجہ تار میں نہیں تھی۔ پہلی بار ابائی ہوا تھا کہ اس کے ”اور ابائی کے رہنے میں آئی تھی۔ ملک سکندر ابائی کے دور کے ماموں کا بیٹا تھا۔ اس کے پاس درخوش سے زیادہ زمین تھی اور گاؤں میں سب سے بڑا مکان بھی اس کا تھا ملک سکندر خود بھی مولوی پر حاکم تھا اور اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بھی اسکول کی حد تک پر حایا تھا۔ سات تخریص حشراتیں پر اچھڑا انھوں نے خود اسکول چلایا۔ اسے انکار دیا تھا۔ ابائی نے سنیا لے لے۔

ماہنامہ سرگودھا

ہوا تھا۔ کم سے کم میں نے بھی فادر خیمے یا صرف آرام اور بک شپ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اس بارے میں ابائی سے بات کی تو وہ بولے۔ ”فرزاد تو اس بارے میں نہ سوچ، انکی ساری فوج اپنی تعلیم پر دے۔ یہ میرا تجربہ نہیں کہ آخری سال ہے۔ میری خواہش ہے تو بہت سارا پڑھے۔“

”پر ابائی آپ کی پڑائی میری ہی تو ہے۔“
”بھتیجی ابائی میں دیکھ رہا ہوں، جب تمہاری ضرورت پڑے گی تو میں تمہیں کہہ دوں گا۔ ابھی اپنی پڑائی پڑھو۔“

ابائی کے حکم پر میں مجبوراً اس معاملے سے دور رہا۔ حالانکہ میرے کزن اور دوست اس بارے میں تو کچھ بھی قول نہ چاہتے اور کوئی حوالہ دینا تو ہوتی کہ مجھے پیرا ساتھ دیں کہ میری چھٹیاں بھی اتنی نہیں تھیں۔ میں جلد گاؤں سے چلا گیا۔ اس زمانے میں سوانہ فون جا میں ہوا تھا خاص طور سے گاؤں دیہات میں یہ سہولت نہیں پہنچی تھی۔ بلکہ گاؤں میں فون لانگ وائیج بھی بہت کم تھے اس لیے باہر تفریں کم پہنچتی تھیں۔ آخری سال جب میں گریوں کی ٹولٹی چھینوں میں کھڑا ہوا ابائی نے دہانے سے مجھے یہ دفتر کھانے کے لیے ٹالی بھیج دیا۔ اس دوران میں مجھ کو خدمت اختیار کیا تھا اور ملک سکندر ابائی کے بیٹوں کے لیے مولوی اور کھانہ کی ضرورت کر دی تھی جس دوران دھمکیاں میرے حوالے سے تھیں۔ میں ابائی کی ایک ہی اور اتفاقاً اردو میرے خاندان سے مولیٰ خرم مول لینے کو تیار نہیں تھے اس لیے کھر آنے کے چند دن بعد ہی انھوں نے مجھے دہانہ چل دیا۔ اتفاق سے کان کے دو دھتوں نے ہو کر نام بھی دیا تھا کہ آخری اختتام سے پہلے ہم گھومتے پھرتے جا رہے تھے۔

لے ابائی سے کہا کہ وہ نیا کار مشین میرے لیے مانگ لیں۔ ابائی راکھی ہو گئے۔ دیکھیں یہاں کے باب ملک اندوسایا سے ان کی دوستی تھی۔ جن دنوں میں گرجین قاضی کے پیچھے دے رہا تھا۔ ابائی ابائی ابائی کے کھر گئے اور میرا رشتہ ڈال آئے۔ میرے کھر آنے سے پہلے یہاں کے رشتہ اثبات میں جواب کیا اور اس نے پاپا کیری دیا کہ بعد کا وعدہ رسم کی جائے گی۔ اسے نکلتی تو میں کہہ سکتے لیکن اس نے کتنی باتیں کہیں۔

مجھے اس بارے میں سر سے سے علم نہیں تھا۔ جب میں مجھے دے کر واپس آیا تو ابائی میں مجھے بتایا کہ انھوں نے میرا اور ابائی کا رشتہ نہ کر دیا ہے۔ مجھے کسی اعتراض نہیں تھا۔ میں نے یہاں کو نہیں دیکھا تھا لیکن مجھے بتی تھا کہ میرے کھر آنے سے میرے سے بہترین بھائی کی ٹولی بھی گئی۔ یہاں کوں سے ایک دو بار سرسری دیکھا تھا لیکن مجھے یاد تھا وہ اچھے نقش میں کی خوب صورت لڑکی تھی۔ میں خوش تھا کہ یہ میری بیوی ہے کی۔ ابائی چاہتے تھے کہ میں آگے کا سفر میں داخل ہوں اور اس سے پہلے وہ میرا میرا آگے کا سفر میں داخل دینا۔ مجھے یہی بعد میں ہوئی۔ اتفاق سے یہاں بھی میری طرح اگلی تھی۔

میرے آنے کے بعد ماں جی اور ماں جی کا قاعدہ رسم کی اور نیا اور میرے رشتہ کا اعلان ہو گیا۔ اس اعلان سے جہاں بہت سے لوگوں کو خوش کیا وہ ہیں ملک سکندر اور اس کے بیٹوں کے سینور پر سنا پ لوٹ گئے۔ خاص طور سے اعظم آجپے سے بہت پروردہ تھا۔ اس نے سرعام قسم کھائی کہ وہ نہا کی کسی اور کی نہیں ہونے دے گا۔ یہ بات ہمارے کھر کھانے کی اس پر ابائی نے ملک سکندر کو پیغام بھیجا کہ اب ہماری عزت ہے اور وہ اپنے لڑکے کو سٹ کر کہہ دو اس کے بارے میں بات نہ کرے۔ ملک سکندر نے اس پیغام کا جواب دیا کہ بات تو بڑھے گی۔ ابائی کھر منہ ہو گئے انھوں نے مجھ سے کہا۔ ”تھر کٹر ہے یہ لوگ نہا کر کے پرستے ہوئے ہیں۔“

”اگر وہ فساد کرتے ہیں تو کر نے دیں، ہم نے بھی چڑیا نہیں بنیں مگر بھی ہیں۔“
”میں چڑھ رہا ہوں لوگ ہیں پر ہم پڑے ہوئے ہیں۔ لڑائی جھگڑے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تو فساد کرنا نہیں چاہتے۔ شہر چلا جا اور آگے کی بیویوں میں داخلے لے۔ یہاں کے حالات میں دیکھنا ہوں گا۔“
خود میرا بھی ابائی ارادہ تھا کہ رزلٹ آتے ہی میں

مخوف لٹھا کا صرف دم سے لے سکا تھا۔ ہم دونوں ہی کھاتے بیٹھے کھراٹوں سے کھنک رہے تھے۔ پیچھے ہمارے سروں میں لاکھوں کی رقم اور جتنی سامان موجود تھا اس سے کہیں زیادہ مالیت کی دیکھیں اور مکان سے کہیں کم اس میں سے بچہ حاصل ہوگا۔ ہم نے تین گھنٹہ دلیں جا کر طلب ہمارے لیے موت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ہم اپنی کشتیاں جلا کر لٹکے تھے دلی کی گاؤں راستہ بنی تھیں اور تھا۔

مہم سڑک کے ساتھ چل رہے تھے کہ ایک بس عقب سے نمودار ہوئی۔ میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا اس بس کو بھی ہم اس میں سوار ہو گئے۔ سب نے خاص طور سے توجہ دینے کی کوشش کی۔ میں ہم جیسے وہاں ہی سوار تھے۔ میں نے مثال سے اپنا سامان چھپا لیا اور میں نے بھی اپنی چادر اس طرح اوڑھ لی جیسے سردی سے بچنا چاہ رہا ہوں۔ اس طرح میری شکل بھی عجیب تھی۔ کئی میٹر آگے بڑھ کر پتھر سے چھپا کر جا رہی تھی۔ اس نے فرار سے ان مقامات کے نام لیے جہاں سے کس کو روکیں میں نے ایک چھوٹے شہر کے دو گتے لیے۔ یہاں سے ہم کراچی جانے والی دلی ٹرین پر کھڑے تھے۔ یہ ٹرین ریلوے کے بھی آگے تھی۔

دو گتے بعد ہم شہر میں اترے اور میں نے سید صاحب کو ہول کار خرچ کیا۔ جہاں ہم نے ہیڈ کوارٹر سارا رات بھوکے سکر کر گزارا۔ ایک دو گتہ جاری ہو گئی تھی۔ اس کے بعد میں نے نیا کوٹ کے کراڈ کار خرچ کیا جہاں بنیادوں کی دکان میں ہو گئی میں نے منہ ہاتھ جھوڑ کر اس کے انچا پلہ ٹھیک کر لیا تھا اس لیے ساروں نے شک نہیں کیا۔ دو گتے سے پچھلے کے بعد ہم نے سارا رات ایک لاکھ تین ہزار روپے میں فروخت کر دیا۔ اس دوران میں میں پوری طرح چونکا تھا جیسے سب سے زیادہ خوف میں تھا اگرچہ میری جہاز تصویر پر ابھی یہاں کی پولیس کی پاس میں آئی ہوئی تھی لیکن علیے کے ساتھ ایک ٹکی کی واردات میں لوٹ ایک جڑے کے بارے میں یہاں کی پولیس کو لاڈلی خبردار کر دیا گیا ہوگا۔

میں نے اپنے اور تباہ کے لیے بچے جڑے کے ایک سو پتھ کس اور ایک سو پتھ کے خرید لینے کے لیے سیلڈر ہتھل اور وینڈیک وغیرہ لیے۔ دلی انجین کے وینڈیک روم میں ہم نے لباس بدلے اور وہاں سے ایک جڑے میں آ گئے۔ میں نے کراچی جانے والی ٹرین میں ایک دو گتوں والے سٹول پر بک کر کیا تھا۔ اس میں میں نے اپنی نظر سے آنے بغیر سڑک سے تھکے ٹھکڑے کے آنے سے بھی دھمکتے کا وقت گناہٹ کی وجہ سے یہ وقت ہم نے وینڈیک روم میں

مناسب وقت نظر آ رہی تھی لیکن یہ بھی ایسے تھے کہ یہ مشکل ہمارے ملے سے اترے تھے۔ بھوک کی وجہ سے ہم نے ڈبر دار کر لیے۔

آرام کر لیا تھا اور بیٹھے بھی بھر گیا تھا۔ باہمی کونسلوں کے بارے میں سب میں تشکیک کی گزرتا ہے۔ کیا ہے کہا۔ "مگر یہاں میں تم کہاں جا رہے ہو؟" یہ تو میں نے بھی نہیں سوچا تھا۔ "میرا خیال ہے میں یہاں پر مکان لینا پڑے گا۔" "مگر اسے نہیں ملے گا؟" "یہ وہاں کی کرسی پر پانچے گا۔" "یہ کون سا شخص تھا؟" "یہ ریلوایا پر ہے۔" میں نے بتایا۔ "ابھی کراچی بہت دور ہے۔"

یہاں نے اگلا سوال فرماتے ہوئے کیا۔ "آپ نے ہمارے بارے میں سوچا کہ ایسے ہی ساتھ کس طرح رہیں گے؟" میں اس کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ "نیا اگر تراسی ہو تو ہم کراچی پہنچنے کی کج کر لیتے ہیں۔" وہ کراچی۔ "میں نے۔۔۔ ہمارے تمام معاملات آپ پر چھوڑ دیے ہیں۔"

میں اس قریب ترین حیدر آباد میں آئی اور دو گتے بعد ہم کراچی میں آئے۔ اس وقت فریون کا نظام آج کے مقابلے میں نہیں بہتر تھا اور بھوکوں کے ساتھ فریون کی آہود تھی یہی وقت پر ہوئی تھی۔ انجین سے نکل کر میں نے ایک کھل گئی تھی۔ اگلے دو گتوں کو پھر چھوڑ کر میں نے ایک کھل ہوئی کا دیا۔ ہم نے وہاں ایک کمر لے لیا۔ لوگ نے صرف میرا شاخشی کارڈ اور کراڈ اور کراڈ سے دیا۔ دے والے دو گتوں میں ہم نے کرنے والے تمام کام کرنا چاہے تھے۔ گھنٹان جہر میں دو گتوں کا چھوڑ دینے پر نکل آئے۔ ہم نے کھان کر لیا تھا اور اب مایاں ہوئی تھے۔ گھر میں معمولی سامان اور تھوڑا کچا کھان کھان روگ کھان کھان لگ گیا تھا۔

بات یعنی میں بھی مفروضہ تھیں میرے لیے یہ بھی اطمینان کی بات تھی کہ ہمارے کمروں کی برادری کا فائدہ نہ داری مفروضہ اور ہمارے ہی طرح پولیس سے بچنا پڑتا تھا۔

ابتدائی مشکلات کے بعد حکومت بھی مہمان ہوئی تھی۔ مجھے ایک اسٹیٹ انجینیئر میں ملازمت ملی۔ وہاں میں دفتر کی سرپرستی کرتا تھا۔ دے والے کو کھانا لے کر ساتھ لایا اور کھانے لگتا تھا۔ صرف ایک کھانا ہوئی تھی پھر سو دوں میں کھینچ میں لے گا۔ کمرال کے اندر ہی کاروبار چھینے گا۔ اس دوران میں میں نے اپنا میڈیکل ڈسٹنکشن کارڈ بنوایا اور پھر کچا کھان کھان بنوایا۔ چنانچہ میں نے دو گتوں پر کراچی کا پتہ لکھ کر دیا۔ یہی تو میں نے گھر میں کس حد میں کر لیا تھا لیکن زیادہ خرچ نہیں کیا تھا۔ میرے دو گتے میں تھا کہ میری راز کوئی سنا ہے، پولیس یا دکن میں فلاں کر سکتے ہیں اور ہمیں یہاں سے ہٹا کر ڈرے تو ہمارے پاس تو ہم چاہے یہاں سے ہم کس طرح فرار رہے۔

شاری کے بعد ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک ہم خطرے والی زندگی سے باہر نہیں نکل جاتے ہمارے بچے نہیں ہونے چاہئیں۔ دو گتوں کے ساتھ دو دبدی بہت مشکل کام تھی اس اگر پولیس پکڑ لیتی تو ہمارے بچے دو دبدی ہو جاتے اس لیے بہتر یہی تھا کہ ہم ایک لے رہیں۔ جب کاروبار کم ہوا تو اسٹیٹ انجینیئر کا مالک جو دھری اکرم انجینیئر میرے بہرہ رک کے خود اسٹر پیلو گیا۔ اس نے اگلے دو گتوں میں خوب کھانا کھایا اور اپنی کمانی کو اسٹر پیلو کیا۔ اس لیے اب وہاں پھر کچا کھان کھان لے لیا اور اسٹیٹ انجینیئر کو پولیس میرے بہرہ رک گیا تھا۔ میں نے اسے بھی بھی انجینئر تھیں بتائی کس اس احتیاج تھا کہ کر لیا سے پندرہ کی شادی کی وجہ سے خاندان میں دشمنی ہو گئی تھی اور اب میں کراچی آ رہے تھے میں لکھتا تھا اور میری دلیں جاسکتا تھا اور میری کراچی سے ملے آتا تھا۔ یہ کہاں کی ہم یہاں سب لوگوں کو سنا لی تھی۔

اب میں اسٹیٹ انجینیئر کا مالک تھا۔ اگرچہ کاروبار جیسا کہ میں تھا لیکن پھر بھی اگلی آہنی ہو جاتی تھی جو میرے اور تباہ کے لیے بے کار ہے۔ کئی زیادہ کی۔ ہم اس میں ابھی کام کر رہے تھے۔ جاکد کو خرید و فروخت ہوئی تھی لیکن کراچی پر دینے کے کام میں تیری آئی تھی اور پہلے جان میں دے ہو جاتے تھے۔ میں نے اپنی کرسی سے ایک ساکس میں لایا اور اگلے خاتون سے صاف سڑا کر کھان کھان لے گیا۔ صاف کام کرنے والے

میرے پاس آتے تھے۔ دو سال بعد چوہدری اکرم پاکستان آیا تو مجھے کاسپالی سے اسٹیٹ چلائے دیکھ کر خوش ہوا لیکن اس سے مشورہ ہوا۔

”فرز پڑا اور حالات ٹھیک ہوئے نہیں لگ رہے ہیں اس لیے میری مان تو میرے ساتھ آکر بیٹا چل، میں نے وہاں اپنا قلم چلا لیا ہے، ایک ہزار ایکڑ سے زیادہ زمین ہے۔ مجھے بندوں کی ضرورت ہے تجھے اور جیری بیوی کو بڑا دلوا دوں گا ایک بار وہاں آکر چند سال میں شہرت بھی مل جائے گی۔“

مجھے اس کی پیش کش اچھی لگی تھی میں نے اس سے کہا۔ ”چوہدری صاحب میں سوچ کر جواب دوں گا۔“

”کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یاد آ رہا ہے ابھی طرح سوچ کر جواب دیجئے۔ پراپے پاسپورٹ مانو اگر ضرورت پڑے تو بڑا انگلے میں دفتے سے زیادہ کالٹ نہیں لگے گا۔“

میں نے یہاں سے بات کی خلاف توقع اس نے مخالفت کی تھی۔ ”یہاں ٹھیک تو ہیں اپنے ملک سے اتنے دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟“

”اب کسی قوم اپنے رشتوں سے دور ہیں۔“

”اپنے ملک میں اور اپنے لوگوں کے درمیان تو ہیں۔“ اس نے کہا۔

میں نے کہا باریا تو کھانے کی کوشش کی کہ ہم یہاں کتنے ہی عرصے رہیں مسئلہ پر بیٹائی میں رہیں گے کیونکہ ہمارے سرور پر کن اور پوسٹ کے خضر سے کی تواریش پیش رہی ہے۔ مجھے چوہدری اکرم کی پیش کش اچھی لگی تھی جب نیا نہیں ملی تو میں خاموش ہو گیا لیکن میں نے کیا کر اپنے اور یہاں کے پاسپورٹ بنوالے۔ اس طرح کوشش کر کے اپنی کٹیج میں کی ڈکری اور نیا کی میزبانی ڈکری نکلائی گئی۔ بعد میں نے پرائیویٹ پڑھ کر آکر لیا تھا لیکن اس سے آگے بڑھنے میں اس نے دھچکی نہیں لی تھی۔ میں نے بھی زور دینا دیا تھا۔

چالنے چلے کیوں کراچی آئے اور یہاں اتنے سال سکون سے رہنے کے باوجود میرے ذہن میں نہیں تھا کہ کبھی خضر خدیجہ ہمارے سامنے آگئے گا میں نہیں یہاں سے بھاگتا پڑے گا۔ اسی لیے میں کوئی ایسی چیز لے لیا تھا جس سے بڑے قریب سے چھو کر جانا پڑے یا وہ مشکل سے فرخت ہوئی میں نے نیز کو بیرو پر دیا تھا اور باقی بچت سے میں دارلر خرید کر رکھ رہا تھا۔ میں نے کی ٹیک کا ڈنٹ نہیں کھلا تھا کیونکہ مجھے خضر تھا کہ اس کی مدد سے میرا امر اس ترکہ لیا

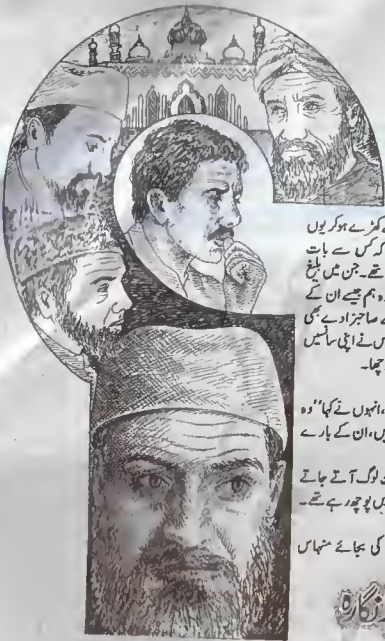
جائے۔ پولیس بینک ریکارڈ حاصل کر کے تھی تھی۔ ڈاکری قیامت بھی ہو تھی راقی اور جب بعد میں اسے فرخت کرنے کو زیادہ رقم مل گئی تھی۔ یہ سب میں نہیں کر رہا تھا میرا لاشوگر وارہا تھا میں میں فرخت دیا ہوا تھا کہ ایک دن دکن ٹھیک ہو جائے گا اور پھر وہ دن آ گیا۔ یہ چوہدری اکرم کی پیش کش کے کوئی آٹھ مہینے بعد کی بات تھی، میں کی کام سے طاق روڈ گیا تھا۔ وہاں میں دکان سے نکلا تو میں نے ایک کار سے ملک سکندر کو گرتے دیکھا۔ کچھ رشتا عام کی گئی اور سکندر کے چلے سے ملک رہا تھا وہ بھی میں کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ گزشتہ پانچ سال سے مجھے اس کے بارے میں علم نہیں تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ اب بھی مغرب ہو گیا لیکن اسے اس طرح دیکھ کر میں ناچینٹین غلط ہوتا محسوس ہوا تھا۔ ملک سکندر بچے والا اور میرا آدمی تھا۔ وہ کار کی حکام میں اس کی کچھ چیزیں اس نے شاید چکر لگا کر اپنے خلاف مقدمات ختم کر دیے تھے اور اب آزادی سے کھڑا رہا تھا۔ اسے کراچی میں دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ میں نے بڑے خطرے سے بے نیاز ہوں۔ بے غمگی سے یہاں رہ رہا ہوں۔ اگر ملک سکندر مجھے دیکھ لیتا تو اسے دینا میں میرا آخری دن نہ ڈاڑی کا آخری دن ہوتا۔

میں نے کمر کر لیا کہ کیا کوئی تیار ہو بھی کر مند ہوئی اس نے مجھ سے کہا۔ ”اب کیا ہوگا؟“

”یہاں میں یہاں سے جانا ہوگا۔“ میں نے فیصلہ لیجے میں کہا۔ ”اب یہاں رہنا محانت ہوئی تم کی وقت بھی بکڑے جا چکے ہیں یا ملک سکندر اور اس کے آدمی ہمارا خاتمہ کر سکتے ہیں۔“

”ہم کہاں جا سکتے ہیں؟“

”مشرقیہ۔“ میں نے جواب دیا اور اس بار میں نے مخالفت نہیں کی تھی۔ چوہدری اکرم سے میرا رابطہ تھا میں نے اسے کہا کہ میں آسٹریلیا آنا چاہتا ہوں۔ وہ میرے اور نیا کے دو بچے کا بندوبست کرے۔ اس کے بعد ویزے کا بندوبست بھی ہو گیا۔ ایک دن داستان سے کیونکہ امریکا کی طرح آسٹریلیا کا ویزا ایک ایسی مشکل سے ملتا ہے چوہدری اکرم کی وجہ سے یہ مشکل آسان ہو گئی۔ میں نے جو سامان تھا وہ فرخت کیا۔ اسٹیٹ بینک کی ایسی چل رہی تھی اس لیے اس کی قیمت بھی مل گئی۔ میں نے اسے فرخت کیا اور باقی تمام رقم پٹنی دارلر میں بدلوا لی اس سے چند دن بعد میں اور نیا ہمش کے لیے یہاں سے جا رہے ہیں۔ یہاں سے نکل کر ہم کونوں اور دکن کے ہاتھوں سے محفوظ ہو سکتے۔



ایک صاحب نے دکان کے سامنے کڑے ہو کر یوں بیٹھ دیکھا جیسے وہ فیصلہ کر رہے ہوں کہ کس سے بات کریں۔ دکان کے اندر میں لوگ سوچ رہے تھے۔ میں میں لڑکھن جو دکان کے مالک تھے، کے علاوہ ہم بیٹے ان کے دوست جاوید منہاس اور دکان دار کے صاحبزادے بھی تھے۔ ہم جس شخص کو ایک کچھ بھرے تھے اس نے اپنی سائیں دوسرے کس کو بیخ الرحمن نے اس سے پوچھا۔

”جی افرامے کیا چاہیے؟“

وہ صاحب جن سے سوال کیا گیا تھا، انہوں نے کہا ”وہ صاحب جو ذرا دیر پہلے یہاں سے گئے ہیں، ان کے بارے میں آپ کچھ نہ سکتے ہیں؟“

عجب سوال تھا۔ دکان پر تو ہر وقت لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ صاحب کس کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ بیخ الرحمن کے ساتھ ہم بھی بیٹھ گئے۔

”اے صاحب! بیخ الرحمن کی بجائے منہاس

تہذیبی پرانگہ

جناب ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم!

ایک کہانی تہذیبی پرانگوارہ، آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ یہ ایک مسچی کہانی ہے۔ محض ہی شہر سے اس کا تعلق ہے۔ اس کے سارے ایک مسچی کہانی ہیں۔ میں نے محض کسی فساد کے اندیشے کو در اس اور وقت بھی موجود ہیں۔ میں نے محض کسی فساد کے اندیشے کو پیش نظر رکھ کر نام اور مقام تبدیل کر دیے ہیں۔ میں چونکہ کہانیاں لکھتا رہا ہوں اس لیے میں نے اس مسچی صمد مسچی کہانی کو بھی دلچسپ پیرانی میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ پتا نہیں اس میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔ البتہ یہ یقین ہے کہ آپ کو اور قارئین کو ضرور پسند آئے گی۔

انور قباد
(کراچی)

صاحب بول پڑے "میں ان تو ہر لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ آپ کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟"
ان صاحب نے ایک ہوشیار، پھر بولے "وہ..... جو ذرا سا سنگوار کر چلتے ہیں، جن کے ہاتھ میں ایک تھملا سا تھا....."

مہم سب نے ایک دوسرے کو کئی خبر کئی بولوں سے دیکھا جس کا مطلب تھا، یہ شاید دیکھ رہا ہو چھ رہا ہے۔ لیکن کا بیٹا شاید کچھ کہنے والا تھا کہ منہاس صاحب نے اسے ہاتھ کے اشارے سے دھوکے سے اسے انھیں سے ہٹا دیا "آگ روک پ" کہ مظلوم تھے تو آپ نے انھیں روکا کیوں نہیں؟
"ہاں، ہاں، پھر بلا "ہات" دراصل یہ ہے کہ وہ اس مکان سے نکل کر روڑ گزر کر رہے تھے۔ میں ان کے پیچھے بھاگا۔ وہ تو سڑک پار کر چکے تھے، میں گاڑیوں کی صفائی چور سے پیچھے رہ گیا۔ جب مجھے سڑک پار کرنے کا موقع ملا تو وہ جاتے ہی ہالام ہو گئے تھے۔"

"آپ کو ان سے کوئی کام تھا؟"
"دراصل وہ میرے بڑے چچانے ساتھی ہیں، انھیں ایک مرے سے بعد دیکھا ہے اور ان کا نام دیکھ اچھا ہے۔ ایسے چارے فیس کو ایک تھکے بعد کے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ لوگوں سے ان کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"
اب یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ شخص دیکھ اچھی کو پوچھ رہا ہے۔ ذرا تو حق یہ تھا کہ وہ اس نے کہا "آگ روک لوگ" ڈر نہ ہو کہ وہ تو حق و سچ صاحب کے بارے میں بتاؤں کہ میرے ان سے کیسے تعلقات تھے؟

"مئی جی، ضرور بتائیے، مگر ڈر نہ ہو کہ میں ہوں گے۔" بلخ الرحمن جھٹ بول پڑے "آئیے! ہمارے پاس اعداد چلے آئیے۔" وہ وہاں سے پاس آ کر بیٹھا گیا۔ یہ سہ پہر کا وقت تھا اور اس وقت کا بھول کی آمدورفت بہت کم تھی کہ اس نے خیر کر میں ان کا سارا لپا کر بولا۔

"میں نے دیکھ صاحب کے ساتھ مسلح کسی بڑے بیٹوں کا کام کیا ہے۔ وہ خیر باد میں آ کر باؤں کیل جتنی کھڑی کیے۔ شہر کے۔ وہ بہت اچھے آدمی تھے۔ اچھے ان معنوں میں کہ انہوں نے ہمیشہ کئی کے مفاد میں بہتر کام کیا۔ ایک پیسے کا بیہرہ خود کر گئے تھے، نہ ہی کسی کو کرنے دیتے تھے۔ اپنے اصولوں کے بڑے پابند، فخر کے چہرہ ایک تک سے بڑی محبت، شفقت اور انانیت سے بڑے۔ ان کے کہہ نہ سکتے تھے کہ شریک ہوتے تھے مگر ہر ایک سے کام لینے کے معاملے میں بے رحم نہ تھے۔ ان کے لئے سے پہلے، ان کی جگہ جو غیر

تھے وہ خود بھی کھیلنے تھے اور ان کا پورا اسٹاف بھی کھیل کر چکا تھے میں جتن جتن تھا۔ دیکھ صاحب کے لئے سے دیکھ صاحب کا بارہ آدمی تھے جہیل ہو گیا، جس کا احساس جلد ہی ہوئی کے اسے اپنی بہت و کشادہ ہو گیا۔ جبکہ اسٹاف کے ہاتھ ان کے ذہن میں بھی گئے۔ انہوں نے ان کے خلاف کچھ سازشیں بھی کیں مگر کابھی نہیں ہوئے۔ دوسری طرف دیکھ صاحب نے در پردہ دشمنوں کے خلاف بھی کوئی انتقام کارروائی نہیں کرتے تھے بلکہ جب تک ممکن ہوتا جانتا، طریقے سے ان کے دکھ میں ان کا ساتھ دیتے تھے۔ انتقام کروانے وہ صاحب کے پھر ذرا وقت کے بعد اپنے "میری ان باتوں سے آپ لوگوں کو نادمہ ہو گیا ہوگا کہ دیکھ صاحب ایک نیک، دیانت دار اور اصول پرست شخص تھے۔ اگر آپ لوگوں سے ان کے مراسم میں آپ کو لوگ بیٹھا میری ان باتوں اور درست فہم کریں گے۔"

"ہاں، ہاں۔" بلخ الرحمن بول پڑے "وہ اب بھی ایسے ہی شخص ہیں۔"
"دیکھ صاحب کی یہ ملازمت تھی تو حیدر آباد میں مگر ان کا کردار بھی نیچے کر رہی میں رہتے تھے، وہ کئی اینڈ پر مگر آتے تو دھمکی زار اور دینے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان سے کہا کہ ہم آپ کو مکان لہراؤں کر دیں گے، آپ نہیں اپنی بیٹی کو ملائیں۔ یہ ہر ہفتہ آنے جانے کی مشقت سے تھکا جائیں گے مگر وہ مضامین ہوتے اور کہا کہ میرے یہ بیٹے کچھ کر رہی کے علاوہ کبھی اور رہتا نہیں چاہتے۔ یہی ہم چھپنے کا بہترین وقت ہے۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں میں اس قدر سخت کمر واقع ہوا ہے، یہی بچوں سے اپنی ذات منانیں سکھ کر اپنے معاشے میں ہم نے بھی ان سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ فخر کے قریب ایک نہایت فخر سے کرانے کے مکان میں رہتے تھے اور اس کے قریب یہ بھی نہیں نمازیں پڑھتے تھے۔ اس سب سے شک ایک مدرسی میں تھا جس میں کلام پاک کی تعلیم کے علاوہ خواہش مندرجہ بالا کو قرآن کریم حفظ بھی کرایا جاتا تھا۔ میں ایک عرصہ کے بعد جب دیکھ صاحب اس ملازمت سے ریٹائرمنٹ کر کے جا چکے تھے معلوم ہوا کہ انہوں نے ساتھ ساتھ کو حفظ کرانے میں دوسرے کے سارے اخراجات اس خاموشی سے برداشت کیے کہ کسی کو ان کا ان خبر تک نہ ہوئی۔ ان کے جانے کے بعد جب دوسروں کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان پر اتنا نہیں کیا۔

کہ ان کوں سے رجوع ہوتا پڑتا تھا۔ لہذا ہاں میں صاحب نے کہا "باقی رواداں بیک پر چھوڑیں۔ آپ اب سے سکون کے ساتھ باقی میں ہو سکیں گے۔"
"فیک" نے میں کئی کئی لمبے لمبے کے بعد اس کا۔ ان کے جانے کے بعد بلخ الرحمن نے کہا "اس تو نے باقی میں پتلی میں، اس کا تو کم و بیش میں بھی معلوم ہے۔ یہ شخص یقیناً اس دور میں دیکھ صاحب کا سارا ہاؤس۔" اس کے روز وہ صاحب دیکھ دکان پر آگئے۔ ذرا دیر تک موجود وہ سیاہی حالات پر بات چیت کرنے کے بعد اصل گفتگو کی طرف آئے۔ وہ صاحب نے بولے "آپ لوگوں کو دیکھ صاحب ان کا ایک ریٹائرمنٹ کے بارے میں بھی معلوم ہے؟"
"میں نہیں صاحب نے اس شخص کی بات کا جواب دینے کے بجائے ان اس سے سوال کر دیا۔"
"آپ نے دیکھ صاحب کے بارے میں اسے اتنا کچھ بتایا مگر اب بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ میں انہی کہا کہ آپ ان کے ساتھ ان کی بیٹی میں ملازمت کرتے تھے۔"

"اسے بارے میں اور کیا بتاؤں؟" اس نے عجیب سے انداز میں ایک پھر ذرا سوچ کر بولا "میرا نام بلخ الرحمن ہے، میں اس بیٹی میں ایک وقتے درمیان سے پکارتا تھا داروں کے اصولوں پر کاربند تھا کہ اپنا کام نہایت دیانت داری سے کرنا چاہیے اور جن حلال کی روزی کما لی چاہیے۔ دیکھ صاحب بھی جاننے کے بعد ان کی جگہ جو صاحب آنے لگا۔ یہاں تک کہ میری عمر تھی کہ وہ لوگوں سے گئی۔ یہ مطلب کا کہ کر دانا چاہتے تھے کہ اب میں حرام کی کما لی کما لی نہیں پڑتا تھا۔ اللہ نے میرے حال پر بڑا کریم کیا کہ مجھے اس سے سال بہتر ملازمت ملا دی اور میں ہر دن ملک پر گیا۔ میں دو سال بعد یہاں آ کر ہوں مگر کبھی دیکھ صاحب نے ملازمت میں ہوئی۔ یہ بھی ان کے کہہ کر ان کا بیٹا بھی معلوم نہیں کیا تھا۔ کل کوئی بارہ برس کے زیادہ کا عمر گزارنے کے بعد ان پر نظر پڑی ہے۔ ماسخ ان کی طرف لگا تھا۔"

"بلخ الرحمن نے ہم سب کے لیے چائے منگوائی لی جس کی چٹی پیلیو سے منہاس صاحب نے اسے خراب کر کے ہوئے۔"
"دیکھ صاحب سے ہماری ملاقات بہت لمبی تھی، تھوڑے دن دن ہوئے ان سے شامساں ہوئی کے مگر ان کی محبت، ان کے غلٹ اور ان کی انہی طبیعت کی وجہ سے وہ ہمارے دوست بن گئے ہیں۔" بلخ الرحمن "اس کے علاوہ بڑے دن فیس ہیں۔" بلخ الرحمن "چٹ سے بول پڑے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" امین الدین نے چرک کر ان کی طرف دیکھا "میرا خیال ہے کہ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد ابھی اس نام سے کر رہے تھے۔ ہاؤس پر دلا کہ سے نہیں ہوگی۔ وہ نہ منقول خرچ سے نہ ہی ان کی خاص بات کیست تھی۔ ایسا ہی ان دن بارہ برسوں میں سے غلط ہو گیا؟ کیا وہ ساری دولت فخر ہو گئی کہ آپ انھیں دیکھ تارے ہیں؟ دیکھ تو ایسا ہی شخص ہوتا ہے جو جو زندگی آسائشوں اور آرام سے محروم ہو؟"

"میں ہاں، آپ کا سوال بالکل سچ ہے۔" منہاس صاحب نے غصی سانس بھرے ہوئے کہا "آج انھیں، اس عمر میں، جب وہ ہر ماہ اپنے سر پر خرچ ہے ہیں اور انھیں آرام اور آسائش کی سہولت کی سخت ضرورت ہے، وہ ان سب باتوں سے محروم ہیں۔"
امین الدین نے حیرت سے جاوید منہاس کو دیکھا "اور وہ ہاؤس پر دلا لاکھ پڑے..... کیا کوئی بڑا کر لیا؟"
"ہم سب کے منہ سے آؤ گئی۔" جاوید صاحب نے یہ۔

"آپ نے دیکھی کی طرف اشارہ کیا ہے نا؟" جاوید منہاس بولے۔ "یہ مجھے، ان کی ہر باہر کی کمالی پر ڈاکا پڑا کیا اور دیکھ، بالکل نکال ہو گئے۔"
امین الدین نے ایک سی غصی سانس لی پھر بولے "اس شرم کا الیہ یہ ہے کہ اس نے کبھی نہ کوئی حقیقت کوئی حاصل نہیں۔" اور پھر اس کے بعد یہاں کے سیاسی حالات پر ایک تقریر کر دالی۔ جب وہ خاموش ہوا تو بلخ الرحمن نے کہا۔

کرتے پر مجبور ہو جاتا۔

میں جو بڑی پھنسی ہوئی تھی وہ لگی نکل ہے۔ ان کی جگہ ہم

ہوئے تو شاید ہم بھی بھیجی کرتے۔
بلخ الرحمن کا بیٹا جو چائے لایا تھا، وہ ہماری طرف
ہو جاتی، گرم گرم چائے نے میں مزید سکون پہنچایا تھا۔ ذرا
دیر بعد ان الدین نے دسم صاحب سے پوچھا۔ ”بھئی آپ
نے پوچھنے کی کوشش کی؟“ آپ کا جواب کہ اسلوگ آپ
کا ساتھ لیا گیا کیوں ہے جبکہ میں تو یہ ظلم تھا کہ آپ ان سے
اور ان کے بچوں سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی ہر سائز
خواہش پوری کرنے میں، میں، نہیں لگتا تھے۔“

”ہاں۔“ کہہ کر وہ ذرا ہر ایک خاموش رہے۔ ان کے
چہرے پر ان کے اندر کے غم کا نظر آئے گا۔ ”میں نے معلوم
کرنے کی کوشش کی تھی کیونکہ یہ تو ایک فکری بات تھی۔“
”پھر انہوں نے کیا کہا، کیا جواب دیا؟“

انہوں نے کہا۔ ”میرے لیے تمہارا حقیقت اسکا ہے
مجھے کسی کی جھلپ پر کوئی اگلا نہ رکھو۔ اب تم خود سوچ سکتے
ہو کہ میں نہیں اس طرح برداشت کر رہی ہوں۔“
ان کی آواز بھراؤنی تھی۔ جاوید تنہا نے ان کے ہاتھ
پر اپنا محبت بھرا ہاتھ رکھ کر گویا انہیں دلاسا دیا۔ شیخ الرحمن
بولے۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سراسر انتقامی کارروائیوں
پر گری ہوئی ہیں۔“

”مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس بات کا انتقام لے
رہی ہیں؟“ یہاں شیخ الدین کا سوال تھا۔

”تمہارا بھائی کا یہ معاملہ ہے۔“
”میں متاثر ہوں، لیکن ذرا دیر تو یہ برداشت کر رہی ہیں۔“ تنہا
صاحب نے کہا۔ ”ان کے والدین نے زبردستی ان کے ساتھ
شاہی کر دی ہوئی۔ ان کا دل میں اور ان کا ہوا ہوگا۔“
”یہی نا، آپ کا اعزاز وہ بالکل درست ہے۔“ دسم
صاحب بولے۔ ”انہوں نے اس راز سے پردہ اٹھایا کہ تمہارا
رفتہ پاؤ میرے ہاں باپ نے میری پسند کے رشتے پر یہ کہہ
کر مسموم کر دیا کہ رشتہ ضرورت میں بہت مناسب ہے۔ یہ کہہ
لڑکا صرف خاصا پردہ چاٹھا ہے بلکہ ابھی ملازمت بھی کرتا
ہے اور نیک طبیعت اور خوش اطوار بھی ہے۔ صوم وصلوۃ کا
پابندی ہے۔“

میں نے ان کی زبان پر یہ بات سنی تو مجھے دو ہاتھ دکھ
میں نے ان سے کہا۔ ”یہ بات اب بتا رہا ہوں، اللہ کی بندی
شاہی سے پہلے میں تو شاہی کے قورباہوں ہوتا رہی تھیں، کدواں
ذہن نہیں تھا، قورباہی کے ذرا دیر گئے کہ تمہارے پسندیدہ شخص
تمہاری شاہی بھی کرنا تھا۔“

میں نے ان کی زبان پر یہ بات سنی تو مجھے دو ہاتھ دکھ
میں نے ان سے کہا۔ ”یہ بات اب بتا رہا ہوں، اللہ کی بندی
شاہی سے پہلے میں تو شاہی کے قورباہوں ہوتا رہی تھیں، کدواں
ذہن نہیں تھا، قورباہی کے ذرا دیر گئے کہ تمہارے پسندیدہ شخص
تمہاری شاہی بھی کرنا تھا۔“

میں نے ان کی زبان پر یہ بات سنی تو مجھے دو ہاتھ دکھ
میں نے ان سے کہا۔ ”یہ بات اب بتا رہا ہوں، اللہ کی بندی
شاہی سے پہلے میں تو شاہی کے قورباہوں ہوتا رہی تھیں، کدواں
ذہن نہیں تھا، قورباہی کے ذرا دیر گئے کہ تمہارے پسندیدہ شخص
تمہاری شاہی بھی کرنا تھا۔“

میں نے ان کی زبان پر یہ بات سنی تو مجھے دو ہاتھ دکھ
میں نے ان سے کہا۔ ”یہ بات اب بتا رہا ہوں، اللہ کی بندی
شاہی سے پہلے میں تو شاہی کے قورباہوں ہوتا رہی تھیں، کدواں
ذہن نہیں تھا، قورباہی کے ذرا دیر گئے کہ تمہارے پسندیدہ شخص
تمہاری شاہی بھی کرنا تھا۔“

میں نے ان کی زبان پر یہ بات سنی تو مجھے دو ہاتھ دکھ
میں نے ان سے کہا۔ ”یہ بات اب بتا رہا ہوں، اللہ کی بندی
شاہی سے پہلے میں تو شاہی کے قورباہوں ہوتا رہی تھیں، کدواں
ذہن نہیں تھا، قورباہی کے ذرا دیر گئے کہ تمہارے پسندیدہ شخص
تمہاری شاہی بھی کرنا تھا۔“

میں نے ان کی زبان پر یہ بات سنی تو مجھے دو ہاتھ دکھ
میں نے ان سے کہا۔ ”یہ بات اب بتا رہا ہوں، اللہ کی بندی
شاہی سے پہلے میں تو شاہی کے قورباہوں ہوتا رہی تھیں، کدواں
ذہن نہیں تھا، قورباہی کے ذرا دیر گئے کہ تمہارے پسندیدہ شخص
تمہاری شاہی بھی کرنا تھا۔“

میں نے ان کی زبان پر یہ بات سنی تو مجھے دو ہاتھ دکھ
میں نے ان سے کہا۔ ”یہ بات اب بتا رہا ہوں، اللہ کی بندی
شاہی سے پہلے میں تو شاہی کے قورباہوں ہوتا رہی تھیں، کدواں
ذہن نہیں تھا، قورباہی کے ذرا دیر گئے کہ تمہارے پسندیدہ شخص
تمہاری شاہی بھی کرنا تھا۔“

میں نے ان کی زبان پر یہ بات سنی تو مجھے دو ہاتھ دکھ
میں نے ان سے کہا۔ ”یہ بات اب بتا رہا ہوں، اللہ کی بندی
شاہی سے پہلے میں تو شاہی کے قورباہوں ہوتا رہی تھیں، کدواں
ذہن نہیں تھا، قورباہی کے ذرا دیر گئے کہ تمہارے پسندیدہ شخص
تمہاری شاہی بھی کرنا تھا۔“

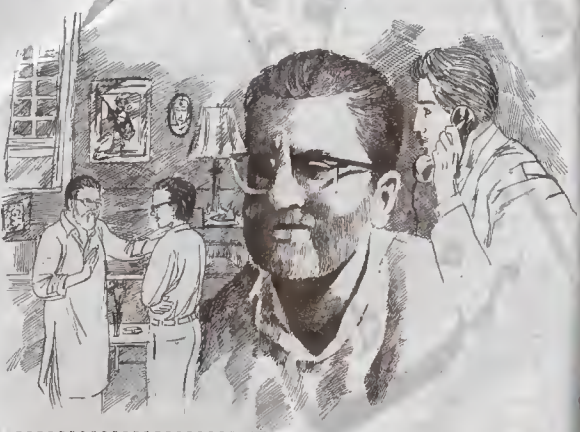
میں نے ان کی زبان پر یہ بات سنی تو مجھے دو ہاتھ دکھ
میں نے ان سے کہا۔ ”یہ بات اب بتا رہا ہوں، اللہ کی بندی
شاہی سے پہلے میں تو شاہی کے قورباہوں ہوتا رہی تھیں، کدواں
ذہن نہیں تھا، قورباہی کے ذرا دیر گئے کہ تمہارے پسندیدہ شخص
تمہاری شاہی بھی کرنا تھا۔“

باجھ

محترم مدیر اعلیٰ
السلام علیکم!

کافی عرصے بعد ایک تحریر ارسال کر رہا ہوں، گوکہ یہ جگہ بیٹی
لیکن نفسیاتی گتھوں کی وجہ سے بہت دلچسپ ہے۔ کچھ حادثات
واقعات انسانی زندگی پر کیجیے اور انداز ہوتی ہوئی اسی کا خلاصہ ہے
یہ۔ گھریلو رنجشوں پر ایک حادثہ کو جنم دیا اور اس حادثہ نے کس
طرح ایک طویل عرصے بعد بیوی کو قتل اور شوہر کو جیل پہنچا دیا۔
سبق کے لیے یہ سبھی اس سچے بیانی کو ضرور جگہ دیں

نوشاد عادل
(کراچی)



میں نے دیکھ کر طرف قدم دوہرائے تھے کہ ٹھک
گیا۔
”میں نے دیکھ کر طرف قدم دوہرائے تھے کہ ٹھک
گیا۔“
میں نے دیکھ کر طرف قدم دوہرائے تھے کہ ٹھک
گیا۔“
میں نے دیکھ کر طرف قدم دوہرائے تھے کہ ٹھک
گیا۔“

دولہ کے اسی گھنٹے میں اور ملا کر نکلتے

گرمیٹھ
رسالے حاصل کیجیے

جاسوسی ڈائجسٹ
پاکستان کی سب سے بڑی خبریں

ایک رسالے کے لیے 12 کارڈز سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے تمام شہریوں کے لیے 600 روپے

امریکا کی ڈیٹا ایبل اور بریڈ لینڈ کے لیے 7,000 روپے

جمہوریت کے لیے 8,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے ایک سے زائد
رسالے کے خریداریاں کر سکتے ہیں۔ تقریباً حساب
اصل کریں۔ ہم فوراً آپ کے فیڈ بک ہونے پر
رجسٹرڈ ڈاک سے رسالے بھیجنا شروع کر دیں گے۔

پاکستان کے تمام شہریوں کے لیے ہر سال کی ایک بار

رقم ڈیٹا ڈرافٹ، منشی آرڈر یا ڈیٹا ڈرافٹ
کے ذریعے بھیج سکتے ہیں۔ مقامی حضرات دفتر
میں اقتدار دہلی کے رسید حاصل کر سکتے ہیں

رابطہ تحریک (فون نمبر: 0301-2454188)

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C، پشاور، پاکستان ڈاک افسانہ، کوئی ریکارڈ
فون 35895313 فکس 35802551

کردیے۔ میرے والدین سیدے سادے تھے، لڑائی
جگڑوں سے بہت بچتا تھا۔ بڑی بچی تھوڑی سی تھی۔
ابھی طرح واقف تھے لہذا اسے کچھ بھی نہیں سکتے تھے۔
اس کا سیدہ سادہ دل میں نے یہ ظاہر کر چھوڑ کر کہیں اور
شفٹ ہو جاؤں۔ میں نے اس سلسلے میں ایواری سے بات
کی۔ ”اب آپ ہی بتائیں کہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ
درست ہے یا نہیں؟“

”ہاں، ہماری توہمیں یہی خواہش اور کوشش رہی کہ ہم
سب ایک ساتھ ہی رہیں، ہماری اولاد ہی ہماری نظروں سے
دور نہ ہوگی لیکن حالات کے تحت تمہاری تائید کر رہی ہے
ورنہ..... حالات مزید کیا روئے اختیار کریں گے۔ اب بولے دینی
لیجئے کہ خیر کیا تھا۔ ان کے چہرے پر حزن و ملال کی چھپا جیوں
اگر رہی تھی۔“

”میں نے بھی یہ فیصلہ اسی لیے کیا ہے..... میں نہیں
چاہتا کہ میری لڑکی جو کچھ آپ کو دیکھ رہی ہے، اسی معاملہ کم
توہمت نہ کر لیں یا ہوتے ہوئے نہیں لگی۔“ میں ہودھ آئے
سے پہلے کی یہاں سے چلا جاتا ہوں۔“ میں نے ابو کے
کھلے چہرہ کو دیکھا۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ بھرا۔

ایک بدستور معاملہ میں میرا کہنا کہ چہرے سے ہاتھ ہٹا
کہ اندر دیکھ کر سمجھو۔ میرا کہنا کہ اب اس کے ہر دوسرے
پاس بھیجنا اور اس کے ہوا لائی آپ کو گھر کر کے، میں
اور شادی نہیں بہت دور نہیں جاؤں گے۔ آتے جاتے رہا
کر رہیں گے..... کسی آپ دونوں ہمارے لیے دعا نہیں کرتے
رہیں۔“

”تو میں ہمیشہ کرتی ہوں..... سب کے لیے تم سب
میری دعا کرتے ہو۔“ اسی کی آنکھوں سے اس کی آنکھیں بہہ
نکل گئیں۔

اس طرح میں شادی کو لے کر اس فلیٹ میں شفٹ ہو گیا
تھا۔ دو کمرے کا مختصر کالینڈر باصاف تھا۔ یہاں پہلے یہاں
باک اپ لٹی میں کے ساتھ خود رہا کرتا تھا۔ چھوڑ کر پوچھ
علاقے میں چلا گیا اور یہ فلیٹ میں کرائے پر رہ گیا۔ کرایہ تو
زیادہ تھا۔ کہیں اس علاقے میں اور نہیں فلیٹ نہیں مل رہا
تھا۔ یہاں فلیٹ میں ضروری تھا۔ کچھ یہاں سے میرا گھر
نزدیک تھا۔ شادی کے بعد گویا میں نے گھر و سرسرا کر
دیوان میں دوا رہا تھا۔ میرا دماغ اس میں ہوتا تھا۔
شادی کو مدافعت کے لیے پریشانی ہوتی تھی۔ لیکن عدنان

کہتے تھے۔ ان جیسی شخصیت سے ایسی حرکت کا منسوب ہونا
تجربہ نہیں تھا۔

میری اور شادی کی کوہنچ تھی۔ ہماری شادی کو دوسرا
مہینہ تھا۔ میرے بڑے بھائی میری کوہنچ سے خوش نہیں تھے۔
اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ میری شادی اپنی بیوی کے پاس سالی سے
کرنا چاہتے تھے اور انہیں اس بات پر آکاسے والی ان کی
بیوی بھی بڑی بھائی صاحبہ تھیں۔ میں خوش حال تھا۔ قادی
کوٹھانہ کے ایک صاحب نے جواب دیا تھا۔ بھائی نے یقیناً شروع سے ہی
مجھ پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ ان کے ایما پر اکثر ان کی چھٹی بہن
بھٹی میں ہمارے گھر کی بیوی کے طعنا و قیام کے لیے آکر دیکھتی
تھیں۔ مقصد میری خصوصی توجہ کا حصول تھا۔ بھائی اور بہتر
جیسی کے خیر کیا کہ عزم نہ تھا کہ میں نے خالصتاً انعامات
کر لیے اور بشری کی موجودی میں گھر سے اکثر باہر ہی
رہتا تھا اور راتوں کو میرے گھر میں آتا تھا۔ ایسے میں بھائی
اور بشری ہٹا کر رہا جاتی تھیں اور مجھے اور دلا فلیٹ کے
پرٹنر ملنا پھرے دیکھنے اور محفوظ ہونے کے متعدد مواقع میسر
آتے تھے۔

شادی پر لٹی ابھی تک بہت ہی طبیعت کی تھی۔ مگر میری
اس پر توجہ نہ دینے کی سب سے بڑی وجہ شادی تھی۔ گھنٹہ
میں میرے ساتھ ہی ہوتی تھی اور ہماری دو ہوتے ہوئے بڑے
محبت میں ہوتی تھی۔ وہی ایسی ہی تھی کہ میرے
تصور میں تھی۔ اس کے گھر والے بھی مجھے پسند کرتے تھے۔
ان کی طرف سے کوئی مسئلہ تھا۔ میرے گھر میں بڑے بھائی
اور بھائی کا مسئلہ تھا۔ بڑے بھائی اکثر شادیوں کتابوں میں
مجھے کہہ سکتے تھے کہ انہیں میرے لیے بشری پسند ہے۔ ہمیشہ
میں نے بشری کو خیر کیا تھا۔ چاہے میں نے ان کی بات بھی نہ
نہیں۔ آخر کی مراحل سے گزر کر شادی اور میری شادی
ہو گئی۔ بھائی بڑے بھائی اور بھائی نے شرکت تو کی لی لیکن
انہیں اندر سے معمولی سی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ میری شادی
ہونے ہی بشری پر دلا فلیٹ کے قادی ہوئی تھی۔ تاہم اس
کے ہمارے ہاں آنے کا کوئی جواز ہی نہیں رہا تھا۔ شادی
بہت آگے تھی اور ہوا بات ہوئی۔ اس نے چھٹی ہوتی
میں گھر کو بلایا۔ شادی کی ایواری میں کہیں نہیں گئے تھے
تھے۔ میرا چھوٹا بھائی عدنان تو اپنی بھائی کا پوتا تھا۔ یہ
حسبے سے میری بشری پر دلا فلیٹ سے قادی ہوئی تو ابھارنے
شادی سے بات سے بات لڑائی کے بہانے ڈھونڈنا شروع

تھوڑی سی دیر میں دروازہ کھلا اور شادی کی شکل نظر
آئی۔

میں اندر آیا تو اس نے پچھا ”طبیعت تو ٹھیک ہے
نا..... چہرہ اترا سا لگ رہا ہے؟“
”طبیعت تو ٹھیک ہے۔ میں سمجھتا ہوں آج زیادہ ہی محسوس
ہو رہی ہے۔“ میں نے بیک کا ربڑ پرکتے ہوئے شادی کی
جانب استقامت نظر سے دیکھ کر کہا ”چاہے نہ جائے نہ
گی؟“

”وہ سکرانی“ بالکل جا بے گی..... تیار کر دی۔“
میں نے سر ہلایا اور وہ بچن کی طرف چلی دی۔ میں
صوفے پر آکر بیٹھ کر دلا فلیٹ پر رہا۔ وہی ہم سب
سے ٹوٹ رہا تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ
آدمی کھلے کار سے سٹوٹے یا ڈیڑھ گھنٹے میں نہ ہوتا تھا۔
پورا دن آفس میں داغ سوزی کے بعد ٹریفک کے ڈیوڈام
میں رہتی تھی تو اتنا ہی زائل ہو جاتی تھی۔ بلکہ آفس میں بھی
اتنی محنت نہیں ہوتی جتنی شادی کے بعد ہو جاتی تھی۔
میرا تو یہ بہانہ ہے کہ ہم لوگ آفس میں کام کرنے کی نہیں بلکہ
ٹریفک کے سلاب میں پھنسے ہوئے گھومنا پار ہے۔ اسے میں
شادی چاہنے کے لیے۔

چاہے نہ گھنٹہ بھر تے ہوئے مجھے دینے پر پڑی رہیوں
لی کہ کچھ بڑوں کا خیال آیا ”شادی ابھی میں اور رہا تھا تو
میں نے دینے پر رہیوں کی کئی ہوئی دیکھیں دیکھیں.....
پتا نہیں کس نے ڈالی ہیں..... تم نے دیکھیں؟“
”ہاں، دیکھ چکی ہوں۔“ شادی نے اثبات میں گردن
ہلاتے ہوئے بتایا ”میں جو ہمارے اوپر دلا فلیٹ ہے نا.....
وہ مقصد صاحب کا..... وہی ڈالی ہیں۔“
”وہ مقصد صاحب..... مجھے خاصا عجیب ہوا“ جنہیں کس
نے بتایا؟

”اب یہ بات ہے..... وہ تو بتا رہی تھیں کہ چار سال سے
دو تیار دیکھ رہی ہیں۔“
”بڑی حرکت کی بات ہے۔“ میں نے ہونٹوں کو کھینچ کر
کہا۔

میں اس فلیٹ میں شفٹ ہونے سے ابھی محض پانچ ماہ دور
تھا۔ مقصد صاحب سے آتے جاتے، ایک دو بار میری سلام
داد اور تحریکی دیکھتے ہوئے۔ خاصی اچھی پرستانی کی ان
کی۔ چڑھ کے تھے اور کسی بڑی پانچویں قدم میں جا ب

یہ ہے مسئلہ حلی کر دیا تھا۔ وہ روزِ شام چنگا کا تھا۔ اس کے پاس بائیس گنا اس لیے ایک روز میں دوبار آنے میں کوئی بائیس ہوئی تھی۔ وہ سودا سلف لانا تھا۔ اس طرح کوئی مسئلہ ہو گیا تھا۔

اگلے روز چنگی، جس کی کسی کام سے بچے اُترا تھا قاتو آخری زینے پر مقصود صاحب سے ٹھیکر ہوئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے انہیں سلام کیا تو وہ سلام کا جواب دے کر بولے "نعان صاحب! اب تو آپ کا قاعدہ ہمارے پڑوسی ہو گئے ہیں۔ کسی روز ہمارے غریب خانے پر تشریف لائیں نا۔"

تھے۔ وہ پورے پارک میں بھاگتے دوڑتے رہتے تھے۔ بڑے یا تو بیٹھ کر باتوں میں مگن رہتے یا بیٹھتے ہوئے باتیں کرتے تھے۔ ہم تینوں بھی ایک بیٹھ کر آ کر بیٹھ گئے۔ عدنان ہم دونوں کو مسلسل ہنسا رہا تھا پھر وہ آگس کریم لینے کے لیے چلا گیا۔

اتنے میں شازیہ نے میرے کندھے پر ہلکے سے ہاتھ مارا اور سامنے کی جانب اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ مقصود صاحب اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ ہماری جانب ہی آرہے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ مقصود صاحب نے اپنی گود میں ایک لمبی لمبی ہوئی تھی۔ وہ لمبی کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اور دھیرے دھیرے اس سے کچھ کہتے ہوئے آرہے تھے۔ ان کی بیگم صاحبہ کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو رہے تھے۔ وہ پارک میں کھیلنے کودتے بچوں کو نفرت انگیز نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔ وہ دونوں ہم سے خاصے فاصلے پر ایک بیٹھ کر بیٹھ گئے۔

اسی لمحے عدنان آتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا جس میں یقیناً آگس کریم تھی۔ میں اٹھتے ہوئے بولا۔
”عدنان آ رہا ہے، تم اس کے ساتھ بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔“

شازیہ نے حیرت سے پوچھا ”مگر آپ کہاں جا رہے ہیں؟“

”کہیں نہیں جا رہا..... ادھر ہی ہوں..... بس باغ منٹ میں آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر میں آگے بڑھ گیا۔ شازیہ مجھے دیکھتی رہ گئی۔ میرا رخ مقصود صاحب کی جانب تھا۔ عدنان نے بھی مجھے اٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میں نے اسے شازیہ کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھنے کے انداز میں مقصود صاحب کے سامنے سے گزرا تو انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور دلہانہ انداز میں بولے۔

”ارے ابھی، کہاں جا رہے ہیں..... ہم ادھر بیٹھے ہیں۔“

میں نے چونک کر انہیں یوں دیکھا جیسے وہاں سے گزرتے ہوئے میری ان پر نظر نہیں پڑی تھی ”ارے مقصود صاحب، آپ..... سوری، میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔“ انہوں نے اپنی بیگم سے مخاطب ہو کر کہا ”بھئی، آپ ادھر ہی بیٹھیں، ہم ذرا کپ شپ کر لیں ان سے..... کبھی کبھی ہاتھ آتے ہیں۔“

ان کی بیگم نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔ ان کی نظریں مسلسل وہاں کھینچے کودتے بچوں کا تعاقب کر رہی تھیں۔ یہ

ظاہر مقصود صاحب تو عام سے شخص دکھائی دیتے تھے، ان کا انداز بھی بے تکلفانہ تھا لیکن ان کی بیگم صاحبہ واقعی کچھ مچا سراسری دکھائی دیتی تھیں۔ ہم دونوں وہاں سے بیٹھنے کے انداز میں آگے بڑھ گئے۔ مقصود صاحب کی گود میں اب تک لمبی موجود تھی۔

”لگتا ہے یہ لمبی آپ کی بڑی چیتھی ہے اس لیے آپ اسے بھی ساتھ لے آئے ہیں۔“ میں نے لمبی کی طرف اشارہ کیا۔

”لمبی.....؟“ مقصود صاحب تھوڑا سا ٹھکے ”نہیں بھئی..... یہ لمبی نہیں بلکہ میرا بیٹا ہے..... میری اولاد ہے یہ..... مہربانی کر کے آئندہ اسے لمبی مت کہیے گا..... مجھے تکلیف ہوتی ہے..... میں نے ہر کسی سے یہی کہا ہوا ہے کہ یہ میری اولاد ہے۔ دو دن کا تھا یہ..... جب سے میں نے اس کی پرورش کی ہے۔“

”اوه..... سوری، مجھے علم نہیں تھا، آئندہ خیال رکھوں گا۔“ میں نے معذرت کی۔ ان کا چہرہ مل گھا۔
”کوئی بات نہیں..... آپ کو پتا نہیں تھا کہ اب تو پتا چل گیا ہے.....“

پھر وہ کرکٹ پر باتیں کرنے لگے۔ مجھے کرکٹ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی اور جب سے قوی ٹیم مسلسل ناقص کارکردگی دکھا رہی تھی تو میں مزید بدول ہو گیا تھا۔ مگر وہ مسلسل ٹیم کی حمایت میں زور و شور سے بولے جا رہے تھے۔ بڑی مشکلوں سے بہانہ کر کے ان سے جان چھڑائی تھی۔

دو تین دن کوئی خاص بات سامنے نہیں آئی۔ چوتھے روز شازیہ نے مجھے بتایا کہ آج مقصود صاحب کی بیگم صاحبہ نے ایک عجیب حرکت کی ہے۔

”کیا ہوا تھا؟“ میں نے کھانا کھاتے ہوئے چونک کر اسے دیکھا۔

”اپنے بلاک کے کچھ نیچے میز میوں پر اوپر نیچے بھاگتے پھر رہے تھے اور شور بھی کر رہے تھے۔ مقصود صاحب کی بیگم صاحبہ نے اپنے قلیٹ سے باہر نکل کر ایک نیچے کوچہ چھٹ کر کھڑکیا اور اس کے منہ پر دو تین پتھر جڑوئے۔ حالانکہ وہ بچوں کو ڈانٹ بھی لگتی تھیں، انہیں پیار سے سمجھا سکتی تھیں۔ پتا نہیں کیا ہو گیا تھا انہیں اچانک؟ مجھے تو وہ عورت دماغی مر لیض لگتی ہے۔“

”شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ خود کے نیچے نہیں ہیں.....“ میں نے پُر خیال انداز میں قیاس آرائی کی۔

”میرے دماغ میں بھی یہی بات آئی تھی..... ناہید

[illegible]

ان کوئی پروا نہ تھی۔ میں اپنی خوشی میں گم تھا۔ باغ شانِ باغی
عقبات کی سرحد تھی۔ وہ تو گھر ہے کہ نایبِ باغی آجانی
میں ان کی وجہ سے میں خاصی حد تک بے فکر ہوا تھا۔

ایک روز شانِ باغی نے مجھے ایک عجیب بات بتائی ”راج
میں کس سے میں کوئی تعلق نہ تھا۔ نایبِ باغی کی تیرا ذاتی
ہی۔ وہ مجھے آواز دے رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر
نہا۔ اب یہ باغی کے قہقہے کے دروازے کی تھی نہ باہر سے
آئی لگا رہی تھی۔ میں باہر نکل کر دوڑ پھو کے لیے پوچھی تو
مفتقد صاحب کی جانب متوجہ رہ کر لپڑے لپڑے وہ عجیب فطرت
برائے شانِ باغی مجھے دیکھ رہی تھی۔ ”شاہجہان نے اپنے
بیٹ کی جانب اشارہ کر کے کہہ دیا تھا۔

”ہاں کیا فطرت عورت ہے اگر دیکھی ہے تو دیکھنے
وہ۔۔۔ ہاں کیا جانتا ہے۔ تم بوجہ دہمت کرو۔“ میں نے
سے کہی۔ وہ نے جان بوجہ اس سے یہ بات کہی تاکہ اس
کی توقع ٹھیک کی جا سکے۔ عورت چاہے کتنی
کتنی بھی عین کیوں نہ ہو وہ ضرور ہوتی ہے۔ چوٹی موٹی
تو سنے چکوں نے۔ میں نے اس حد تک کہ نہ ہونے والی
تھی نہ ہوا تھی۔

شاہجہان کو کچھ دنوں کے لیے اس کے گھر چھوڑ آیا۔
میں کی والدہ بہت اصرار بھی کر رہی تھی۔ آفس میں بھی کام
رہا تھا۔ میں اپنی دنوں تک بہت محروم رہا تھا۔ سبھی
پر سے آنا ہوا تھا۔ اس کے اگلے بیٹے کے والدین کے گھر جاتا
تھا۔ وہاں سے لینے میں داکھی ہوئی تھی۔

میں کو شجہاں سے قہقہے میں آنا ہوا تھا تو صاحب کو
دیکھ کر کھنکھ گیا۔ وہ میری طرف پلٹ
سے خاموش فرمے تھے۔ میں نے انہیں آواز دی ”مفتقد
کی خبر تو ہے؟“

میں ان کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میں
تس ہو کر آگے بڑھا اور لپڑے لپڑے مجھے کہہ دیا
کا لگا۔ مفتقد صاحب سے ٹھوڑے عرصے کے پران کی چھٹی
میری بی بی کی اس کا سر چھوا ہوا تھا۔ خون اس کی گردن
پر جمے کے بالوں پر جم کر لگا تھا۔ لگا تھا۔ صاحب کے سر سے
وہ خاصی دور ہو گئی ہے اور کسی لگا کے سر پر بھی عمارتی
کی زوردار ضرب لگائی تھی۔ مفتقد صاحب پچرائی ہوئی
روں سے آئے دیکھے جا رہے تھے۔

”تو۔۔۔ کیا ہوا۔ کس نے مارا ہے؟“ میں نے
کہے تو سب نے ہجرت ہو گیا۔

مفتقد صاحب نے میرا کچھ انداز میں گردن ہٹا کر مجھے

کی نظر دیکھا اور مجھ رو بارہ بی کی جانب بھٹکے گئے۔ ان کے میرے ایک نظریں مل گیا تھا۔ اسے میں سمجھے گی کہ کسی آزاد میں غائب کیا۔ میں نے دیکھا اور تاہم یہابی کی کڑی سمجھے اشارے سے باری میں۔ میں ہمگی سانس لے کر اوپر آئی۔ تاہم یہابی آزاد کے شوہر ہاں موجود تھے۔ دیکھے سے قلب میں اس نے..... ان کی کی "؟"

"یہ کیا قصہ ہے..... کیا ہو گیا ہے..... ان کی کی "؟"

میں نے اندر لے ہوئے ہو چھٹا جا۔

"ان کی تیر سابعہ نے یہ بتایا ہے..... تاہم یہابی نے میری کیا کہتا ہے وہ میری کی ہے..... اس کے سر پر زخا اور تھا۔ تیرپ تپ کر جان دی ہے اس نے..... خدا نارت کر ہے اس کے پر دم گور..... اور پتا ہے کیوں بارے اس نے بی کی؟"

"نہیں..... میں دہلی میں سر ملا ہے..... تاہم یہابی کی بی بی کے جوڑے والی تھی..... اسے..... تاہم یہابی کے شوہر شکر بھائی نے کہا۔

اور حال میرے سامنے واقع ہو گیا..... میں نے سر ہٹو لیا "آف خدا..... وہ ان کی خبر لے گور تے..... تاہم یہابی نے "خو خدا..... اور لورست نے اولاد کے محرم رکھا ہے تو دیکھی اور کے باہمی اولاد دیکھیں کتنی کی ایک جانوری اولاد دیکھیں..... تاہم یہابی نے کہا۔

"میں نے اور واقعہ دو صاحب بچوں کو دیکھنے لپٹے رہتے ہیں لیکن معذور صاحب کو تو وہ اپنی اولاد کی طرح عزت دیتے ہیں..... ان کی بی بی کو بچہ نہیں.....

"انہیں علم ہی نہیں ہے کہ کی کو کس نے مارا ہے..... بلکہ اس پر اس کوئی بھی نہیں جاتا..... وہ تو میں نے جن کی جالیوں سے دیکھا تھا..... تاہم یہابی نے بتایا۔

میں سمجھن ان کے انداز میں سوچا کہ کیا کہتے تھے گور اگر باہمی تو نفسانی میرے سرور ہے..... اولاد کوئی نے اسے مانگی کر دیا ہے۔

پھر اس کے کاموں میں اگر کچھ میں نے یہ واقعہ بھلا دیا تاہم یہابی کی گھر آئی..... ان کو نے درج ذیل کے دی گئی۔

ہم نے بی بی کے والے بچے کے استقبال کی تیار کیا کر گئی کاموں کے لیے وہی طور پر ایک ملازمہ رکھ لی گئی تاہم یہابی کی آدم کا کہنا تھا..... ملازمہ اس کے پہلے ہی تمام کام مکمل کر جاتی تھی..... ایک روز اس کی میں کام کر کے دیکھے میرا بہت ہی کمسن ہو گیا..... یہ ظاہر ہو کر

طبیعت ٹھیک ٹھاک تھی۔ گہراہٹ کی وجہ سے میں نہیں آتی تھی۔ بار بار شازدہ کی جانب دھیان جارہا تھا۔ ملازمہ کے جانے کے بعد وہ اسی بوتلی سے جب تک میں گھر میں پہنچ جاتا تھا۔۔۔ میں نے اپنے پاس سے جلد بھی لے لی اور گھر روانہ ہو گیا۔ جس میں ٹیبلٹ پر پچھتاؤ قریب ہوئی۔ شازدہ نے دروازہ کھولا تھا۔ اس کا گھر صاف بھرا چہرہ دیکھ کر مری تمام گہراہٹ اور شین دور ہوئی۔

”کیا ہوا؟ کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں اور آج جلدی ہے؟“

”ہاں،“ طبیعت ایسی ہو رہی تھی اور تو کوئی خاص بات نہیں.....“ میں نے اعدائے ہوئے کہا۔

”آپ؟ کہاں ہیں.....“ میں نے چارے سے، میں گرم کر کے لا دیتی تھی۔ وہ دکان کی طرف بھاگ گیا۔

میں گرم سے جا کر ٹیبلٹ پر پچھتاؤ لیا اور آٹھس بند کر لیں۔ ابھی نہانے کا دل نہیں جا رہا تھا۔ اسی لمحے دروازے پر پہنکی کسی دھک ہوئی۔ میں تیزی سے اٹھا اور دروازے کی جانب بڑھا لیکن کچھ سے پہلے شازدہ نے دروازے تک پہنچ کر چل کر اس سے دروازہ کھولا۔ دروازہ کھولنے وقت شازدہ نے دروازے اور دروازے کے درمیان کھڑی ہوئی تھی۔

شازدہ کے عقب سے میں نے عقود صاحب کی تلم کھ دیکھا۔ ان کا چہرہ میں بھی نہیں بھول سکتا۔ وہ لالہ پھونکا اور ہر تھاوارے..... اور ان کے ایک ہاتھ میں پھری بھی تھی۔ شازدہ کو دیکھتے ہی وہ خوف ناک انداز میں پیچ کر اس کی جانب پھری اٹھا کر کہیں۔

”اُف خدایا..... وہ بہت ہولناک حالت تھے۔ میں بھی جانتی بھول سکتا۔ وہ چھری سے شازدہ کا پیٹ چاک کر دیتا تھا۔“ میں نے اسے دروازے سے لے آؤٹے کیا بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے شازدہ کو اور میرے والدے کے بچے کو بچایا، بس اگلے ہی لمحے میں، میں نے پوری قوت سے چلائے ہوئے ٹکلی کی طرح پک کر باغی اور جنونی صورت کا چھری والا ہاتھ پکڑ لیا۔ شازدہ مسلسل چلائے جا رہی تھی۔ میں نے چپا کر اسے اندر کر کے میں چاہنے کا ہاتھ دو جنونی صورت تھے۔ زبردستی زبردستی کر دی۔ اس کا چہرہ جنونی کیفیت میں بڑھ کر بہت سیباک لگ رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کے ہاتھ سے چھری بچان لوں۔ مگر نہ جانے اس صورت سے جسم میں کہاں سے چھری کی ٹکلی کی

ایزیز کر۔ شازدہ کی جان کو وہی زبردستی طرح چھری کی

میں اور خود کو چھڑانے کی جان تو زبردستی کر دی۔ بلاخر

میں اس کے ہاتھ سے چھری کرانے میں کامیاب ہو گیا اور اسی شور و غل کی آواز میں سن کر بہت سے افراد وہاں آ گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا لہذا سب نے ہی یہ تماشا دیکھ لیا۔ ناہید باہنی اور پردوں کی دو دو گھنٹاں سے لے لے لے گئیں۔ کئی عورتوں نے پاگل صورت ہو کر لڑائی مارتا۔ اب اس کی مزاحمت ختم ہو گئی تھی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ اپنے قصود میں کامیاب ہو کر نکلیں ہو سکتی۔

”یہ یہ پاگل ہے۔ اسے پاگل خانے میں داخل کروادینا چاہیے۔ یہ چھری لے کر آئی کئی اور شازنیہ کو کٹ کر چاہتی تھی۔ اس کے پیٹ پر چھری مارنا چاہتی تھی۔“ میں نے ہاتھ بڑھتے ہوئے کہا۔

”اے تو سیدھا سیدھا پوئیس کے حوالے کر دینا چاہیے۔ کسی نے علاج دی۔“

”ہاں شک ہے۔ یہ تو اللہ اجل کا کسب ہے۔“

”ہر تو پہلے ہی کہتے تھے یہ عورت پاگل ہے۔ ہزار بار سب نے دیکھا ہے کہ کس طرح وہ تیر رہتی ہے یہ بچوں کی تو دشمن ہے۔“

”جیسا کہ کیا اسے اللہ نے اولاد سے محروم رکھا ہے۔“

یہ اس کا پہل بول رہا تھا۔

”جتنے مناس سے زیادہ باتیں ہو رہی تھیں۔ ایسا منس کے پوئین والے آ گئے۔ ایک خلقت کے بچے تھے۔ کچھ کا کاکا عجیب عالم تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی رائے دے رہا تھا۔ مقصود صاحب بھی آ گئے۔ ان کے پاس کہنے کے لیے الفاظ نہیں تھے، وہ خاموشی سے کمرے سے ایک ایک کی صورت تک رہے تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ تب تک میں اپنے حواس پر قابو پا چکا تھا۔ مجھے ان کی شکل دیکھ کر دم آ گیا۔ میں نے پوئین والوں سے کہا کہ میں مقصود صاحب کی پیغم صابر کو معاف کرنا ہوں، آپ لوگ بھی اس قصے کو سنیں ختم کر دیں۔ مگر پوئین والے اور دیگر لوگ مان نہیں رہے تھے۔ پالا خرابت یہاں آتے ہوئی کہ مقصود صاحب ٹی الفاوانا غلیظ خالی کر کے کہیں اور چلے جائیں۔ یہ فیصلہ ہوتا ہی بیٹھ چھٹ کی اور لوگ چہ بیگونیوں کرتے ہوئے اپنے اپنے گھر وں کو چلے گئے۔

ناہید باہنی بہت دیر تک شازنیہ کے پاس رہیں۔ وہ مسلسل رونے جاری تھی۔ میں بھی اسے تسلیاں دے رہا تھا۔ مسلسل رونے اور ذہن پریشانی لینے سے شازنیہ کی طبیعت بگڑنے کا خدشا تھا۔ ناہید باہنی کے جانے کے بعد میں اس وقت تک باگسا رہا جب تک شازنیہ سو نہیں گئی۔

اگلی صبح کچھ رات سے زیادہ بیابان اور لرزہ دینے والی تھی۔

مقصود صاحب نے رات کو کئی وقت اپنی بیگ صابر کو ڈنڈا مار کر ہلاک کر دیا تھا اور انہوں نے اسے ڈرے سے اپنی بیگ کا سر پھاڑا تھا جس سے انہوں نے کئی بار کہا تھا۔ اس کی طرح انہیں بھی علم ہو گیا تھا کہ ان کی جھپٹ کی کوہارنے والا کوئی اور نہیں بلکہ ان کی پیغم صابر ہیں۔ اس کی پیغم صابر میں مقصود صاحب کی کران کی جھپٹ کو کہاں جتا کر اور انہیں تھا اور پھر انہوں نے اسی خون کی ہڈ سے کہ تخت میری بیوی کی شازنیہ کو بھی قتل کرنا چاہا تھا۔ کیونکہ وہاں میں اپنے والی۔ مقصود صاحب نے سوئے ڈرے کی ضرب اپنی طاقت سے لگا کر بھی کران کی جھپٹ کی کوہارنی کی حصوں میں مقسم ہو گئی تھی۔ ان کی سرچھی لاش کی سے دیکھی نہیں جاری تھی۔ انہوں نے لوگوں اور پوئیس کے سامنے اعتراف جرم کر لیا تھا۔

مقصود صاحب کا کہنا تھا کہ انہوں نے اپنی بیگ کو اس لیے ہلاک نہیں کیا کہ انہوں نے ان کی جھپٹ کی کوہارنی کو شازنیہ پر حملہ نہ کیا بلکہ اس لیے ہلاک کیا کہ انہیں اپنی بیگ سے شاد دہمت تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ آئندہ انہیں اور چھری کران کی جھپٹ کو بھی قتل کر دیں اور لوگ انہیں پاگل قرار دے کر پاگل خانے بھجوا دیں۔ وہ یہ بات قطعاً برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

جب انہیں پوئیس سے جاری تھی تو ان کے دو عزیز بھی آ گئے تھے، کارروائی کے بعد میں انہیں اپنے قیث میں لے آیا۔ وہ دونوں ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ بڑے بھائی کی گرفتاری پر منقسم تھے۔ اور گورنری باتوں کے بعد بھائی کی کہا ”اگر آپ کی بھائی یا بھتیجی کو بھائی کی دوسری شازنیہ کیوں نہیں کرانی؟“

”وہ بھتیجی تھی۔“ ان میں سے ایک نے کہا ”بیابان حادثے کا نتیجہ ہے۔ بھائی نے پسند کی شازنیہ کی گئی۔ میری ای تیز مزاج کی تھی۔“ انہی نے بات اندھیری کی بے پروقت گھر میں عازر جنگ کا سماں رہتا۔ ایک دن بات بڑھ گئی۔ پھر چائیں تھیں بھائی بڑھتیوں سے مجھے کرکے۔ امان اور سے چائیں تھیں چھپ چھپ چھپا۔ بھائی کو اسپتال لے گئے۔ محل صانع ہو گیا۔ واکر نے کہہ دیا کہ اب یہ ماں نہیں بن سکتی، تب سے بھائی کو کوئی عارضہ لاحق ہو گیا۔

وہ بے اعتنائی میں کئی باتوں نے سب کچھ بھجوا دیا کہ ان کے ساتھ جو ہوا وہی دہریا کوہارنی تھی۔

گمشدہ

جناب معراج رسول صاحب

السلام علیکم

اللہ کے بھید اللہ ہی جانتے اس دہریا جس پر وہ زور عجیب عجیب سے واقعات جنم لیتے ہیں۔ ایسی ایسی باتیں طہور میں آتی ہیں جن کی عقلی توجیہ بھی ممکن نہیں مگر انہیں رد نہیں کیا جاسکتا۔ اب ایسی واقعے کو لے لیں، یہ سب کچھ اگر میرے ساتھ آہو تو میں بھی ایسے سن کر ہنسنا لگتا۔ اگر پسند آجائے تو شامل اشاعت کر لیں۔

عرفان رضا

(حال مقیم الدین، دیالہ ای)

کے فکے پر۔

میں اس رات بہت ہی طرح بھڑک رہا تھا۔ بادل تو شام سے چاہ بارش کی اور کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں؟ میرے پاس جو گاڑی تھی۔ اس کے سائیکس میں باقی چلا گیا تھا۔ وہ اچانک خراب ہو گئی تھی اور میں اتنی رات گئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ میں اس گاڑی کو دھکا دے کر ایک سائڈ میں کر دیا اور یوں ہی اس بائی وے پر چٹا شروع کر دیا۔ میرے پاس میں ابھی بائی وے پر چٹا شروع کر رہا تھا۔



مواہل تو تھیں وہاں سیکل موصول نہیں ہو رہے تھے اور اس کی بیکری بھی ڈاکٹور ہوئی تھی۔

کچھ دو سیکل تھیں یوں ہی چلتا رہا۔

اس پرانے میں بے شمار خوف کی محسوس ہو رہا تھا۔

نیراوٹ کس کر گئیں! آتا نہ جانے کیا ہو جائے۔ سراسر اصرار

کی کہ انیاں سیکل ہی راتوں میں ختم ہوتی ہیں۔

آج ایک اندھیرے میں، پہلی رات روتی دکائی دے گی۔

یہ روتی نوک پر نہیں کی بلکہ دائیں طرف میدان میں

کافی فاصلے پر تھی۔ بارش کے بارے میں روشنی واضح ہوئی

بھی نہ ہو جاتی۔

ایک رنگ رہا تھوہیرے کو ہر کسی روشنی ہے۔

حالانکہ اس بات پر حیرت ہوئی جانتے ہی کہ اس

دیرانے میں کھر کھانے آ گیا لیکن بے وقت ایسی باتوں پر

دھیان دینے کا نہیں تھا اس روتی کی طرف چلتے رہنے کا

تھا۔ اور اس کی طرف ہرستا چلا گیا۔

سڑک سے آکر کھلے میں اور بھی شواہد ہو رہی تھی۔

ایک توڑا کھانا۔ پھر ہر طرف پانی بھرا ہوا۔ میں پھپھ پھپ

کرتا ہوا چلتا رہا تھا۔

میں بھی ایسا لگتا جیسے وہ روشنی غائب ہو گئی ہو

پھر پوری طرح واضح ہو جاتی۔ آئینیں پوری طرح ٹھہر گئیں

پارسی میں۔

آہستہ آہستہ روشنی واضح ہو چلی تھی۔ اس دیرانے اور

اندھیرے میں کسی مکان کے خدو خال واضح ہوتے چلے گئے۔

وہ روشنی اس مکان کی ایک کڑکی سے باہر آ رہی تھی۔

وہاں پہلی کڑکی کھینچے وغیرہ تو کہیں تھے۔ نہ جانے اس کھر کے

نہیں نے کون کیا بندہ دوست کیسے کیا ہوگا۔

کچھ دیر کے بعد میں اس مکان کے بندہ دروازے پر

دنگ دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھول دیا گیا۔ دروازہ کھولنے والی

ایک عورت تھی۔ میں اسے ٹوکی نہیں لیوں گا۔ وہ ایک عورت

تھی۔

میرے اعزاز کے مطابق جائیں اور چپاس کے

دور میں۔ مجھ پر سلیقے کا لباس۔ اس نے میری طرف دھڑک

میں بھی اندر آ کر خاموشی سے سونے پر بیٹھا۔

”بہت بیک کئے ہو نا۔“ اس عورت نے کہا۔ ”سستی

وہ کسا سزا کو میرے لیے۔“

”مختصر۔ آپ کوئی کھانا اور کچھ دہی ہیں۔“ میں نے

جلدی سے کہا۔ ”میں اپنی گاڑی میں جا رہا تھا گاڑی خراب

ہوئی اور مجھے کہا آپ کے پاس آنا۔“

”بہت سستی تھیں۔“ بک کی گاڑی خراب ہو جاتی

ہیں۔“ اس نے ایک کھانسی سانس لی۔ ”خیر۔ تم چلو۔ میں

تجاربہ سے لیے پڑے کے کر آئی ہوں۔ سردی لگ جائے

”یہاں رہا جاؤ گے۔“

”یہاں رہا کر اندر چلائی۔“

کئی سالیہ نشانات سامنے آ گئے تھے۔ ایک تو اس

دیرانے میں اس مکان کا ہونا۔ پھر اس کا میرے ساتھ دو۔

دیسے وہ جسے جاتی ہو اور پھر میری انتظار کر رہی ہو اس کی

باتوں میں بھی شگنی تھی۔ وہ کوئی انار مل بھی نہیں تھی

دے رہی تھی۔

میں ابھی یہ سوچ رہی رہا تھا کہ پڑے کے لے کر آئی۔

اسی کیسے ہوئے کرنا اور شواہد۔ تھوہیرے کی ایک ساف

توہید بھی لپٹی آئی تھی۔ ”لو۔“ اس نے ایک دروازے کی

طرف اشارہ کیا۔ ”اس کھرے میں جا کر لباس بدل لو۔“

میں اس کے بتائے ہوئے کھرے میں آ گیا۔ یہ کرا

شاہد خواب گاہ کے طور پر استعمال ہوتا ہوگا۔ یہاں ایک سہمی

کھی اور دروازے کے ساتھ ایک لمبائی کڑی ہوئی تھی۔

میں نے اٹھالیا تبدیل کیا۔ جیسے وہ پڑے کے پڑے ایک

طرف دھکے اور کھرے سے باہر آ گیا۔ وہ میرے ساتھ نظر میں

تھی۔ میز پر بیٹک اور گارم جاتے رہ گئی تھی۔ ”یہ لیوٹیک

کھا کر جاتے ہیں۔“ پران کھر کی کڑی آ جاتی تھی۔

میں اس کا کھر پر ادا کرتے ہوئے چائے پین

شروع کر دی۔ اس وقت چائے کی شدید ضرورت تھی۔ وہ

کچھ دیر تک کھری گاڑیوں سے میری طرف دھکتی رہی۔ پھر

اس نے پوچھا۔ ”تو بتاؤ۔ اتنے دولوں تک کہاں ہیں۔“

”وہیں۔“ آپ کو شاید غلطی ہو رہی ہے۔ ”میں نے

کہا۔ ”میرا نام عرفان رضا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کو کھسکا

اس دوران ایک لڑکی تیزی سے کھرے میں داخل

ہوئی۔ وہ ایک جوان اور خوبصورت لڑکی تھی۔ اس نے اس

ماحول کے برعکس بہت ڈارن ڈرلنگ مین رکھا تھا۔ ”آپ!

آپ یہاں کیا کر رہی ہیں، اندر جائیں۔“

”میں امانت سے بات کر رہی ہوں۔“

”نہیک بہ۔ یہ ابھی بیٹھے ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔

”آپ اندر جائیں۔“

عورت نے کھری کہاں سے میری طرف دیکھا اور

اندر چلی گئی اس کے جانے کے بعد لڑکی نے کہا۔ ”آپ

پریشان نہ ہوں۔ یہ میری کیا بات ہیں۔ ان کی ذاتی ٹھیک

نہیں ہے۔ ان کی ذمہ داری امانت علی نام کا ایک آدمی آ رہا تھا

لیکن اس کے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا۔ اس کے بعد سے آپ کو

اس کا انتظار ہے۔“

”افس وہاں نہ کر۔“ میں نے کہا۔

”دیسے آپ کون ہیں؟“ لڑکی نے پوچھا۔

میں نے اپنے بارے میں بتا دیا کہ میں کون ہوں اور

یہاں کس طرح پہنچا ہوں۔ پھر میں نے اس لڑکی سے سوال

کیا۔ ”لوئے اس دیرانے میں ایسے مکان کو کیسے کھینچے حیرت

ہو رہی ہے۔“

”در اصل یہ ہمارا قارم ہاؤس ہے۔“ لڑکی نے بتایا۔

”آپ سامنے کی طرف سے آئے ہیں۔ اس لیے آپ دیکھ

گئے۔“ پیچھے کی طرف بہت قارم ہے۔ ہم نے یہاں

جنرل کا بندو بھ بندھی کر رکھا ہے۔ اسی لیے آپ یہاں روشنی

دیکھ رہے ہیں۔“

”تو آپ دولوں کا نہیں رہتی ہیں۔“

”نہیں۔ ہم خیر میں رہے ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”دیکھ اینڈ پر یہاں آ کر رہتے ہیں۔ اپنے ایک ملازم کے

ساتھ۔ وہ اس وقت قارم رہتا ہوا ہے۔“

”بارش ابھی تک نہیں رہی۔“ میں نے کڑکی کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔ آپ بات بات میں گزارا کرتے ہیں۔“

یہاں کی کھرے ہیں۔ بہت بارش آ کر جاتے تو طے پانے لگے۔“

”دولوں کا بہت قصور ہو رہا ہے۔“

اس وقت وہ عورت پھر اندر آئی۔ وہی جیسے اس لڑکی

نے آ رہا تھا۔ اب اس کی نیت کچھ اور ہو رہی تھی۔ ”نانک

آنے اس لڑکی کو قحط کیا۔“ میرا خیال ہے کہ ان

صاحب کو سب کچھ بتا دو۔ ان سے کچھ پچھنے کی ضرورت

نہیں ہے۔“

اس وقت وہ عورت پھر اندر آئی۔ وہی جیسے اس لڑکی

نے آ رہا تھا۔ اب اس کی نیت کچھ اور ہو رہی تھی۔ ”نانک

آنے اس لڑکی کو قحط کیا۔“ میرا خیال ہے کہ ان

صاحب کو سب کچھ بتا دو۔ ان سے کچھ پچھنے کی ضرورت

نہیں ہے۔“

اس وقت وہ عورت پھر اندر آئی۔ وہی جیسے اس لڑکی

نے آ رہا تھا۔ اب اس کی نیت کچھ اور ہو رہی تھی۔ ”نانک

آنے اس لڑکی کو قحط کیا۔“ میرا خیال ہے کہ ان

صاحب کو سب کچھ بتا دو۔ ان سے کچھ پچھنے کی ضرورت

نہیں ہے۔“

اس وقت وہ عورت پھر اندر آئی۔ وہی جیسے اس لڑکی

نے آ رہا تھا۔ اب اس کی نیت کچھ اور ہو رہی تھی۔ ”نانک

آنے اس لڑکی کو قحط کیا۔“ میرا خیال ہے کہ ان

صاحب کو سب کچھ بتا دو۔ ان سے کچھ پچھنے کی ضرورت

نہیں ہے۔“

اس وقت وہ عورت پھر اندر آئی۔ وہی جیسے اس لڑکی

نے آ رہا تھا۔ اب اس کی نیت کچھ اور ہو رہی تھی۔ ”نانک

آنے اس لڑکی کو قحط کیا۔“ میرا خیال ہے کہ ان

صاحب کو سب کچھ بتا دو۔ ان سے کچھ پچھنے کی ضرورت

نہیں ہے۔“

اس وقت وہ عورت پھر اندر آئی۔ وہی جیسے اس لڑکی

نے آ رہا تھا۔ اب اس کی نیت کچھ اور ہو رہی تھی۔ ”نانک

آنے اس لڑکی کو قحط کیا۔“ میرا خیال ہے کہ ان

صاحب کو سب کچھ بتا دو۔ ان سے کچھ پچھنے کی ضرورت

نہیں ہے۔“

اس وقت وہ عورت پھر اندر آئی۔ وہی جیسے اس لڑکی

نے آ رہا تھا۔ اب اس کی نیت کچھ اور ہو رہی تھی۔ ”نانک

”نہیں۔“ لڑکی جلدی سے بول پڑی۔ ”آپ! آپ اندر جائیں۔“

”میں لازمی چیز چھڑے بتائے دو۔ ورنہ میں کھٹ کر

مر جاؤں گی۔“ میں نے پوچھا۔ ”آپ کو کھٹ کر مرنا

”دیکھیں۔“ میں نے جلدی سے بولا۔ ”اور مجھے آپ کے معاملات

سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو صرف پناہ کے لیے آیا ہوں۔“

آپ کے اس راز میں شریک ہونے نہیں آتا ہوں۔“

”اب تم آگے ہو تو مجھ میں ہواگا۔“ اس عورت نے

کہا۔ ”سنو ورنہ میں بھی ہوا جاؤں گی۔“

”دیکھیں۔“ میں نے بولا۔ ”وہ لڑکی جتنا اچھی۔“ بتا دیں کہ آپ

نے امانت علی کا مرفور کر دیا ہے۔ اس کی لاش اندر کھرے میں

رہ گئی ہے۔“

میں اس دولوں کو دیکھ کر کیا۔ پتا نہیں کیا ہوا تھا۔ یا

تو یہ دولوں کا نہیں۔ یا پھر شاید یہی کھری میں۔

”دیکھیں۔“ میں نے دولوں کو مخاطب کیا۔ ”آپ

نے چاہے کچھ بھی کیا ہو۔ یہاں کوئی سٹل نہیں ہے۔“

”جواب۔“ آپ نے یہاں تک نہ ہی لیا ہے تو آگے

بھی نہیں لیں۔ اس لڑکی نے کہا۔ ”آپ کا ٹھیک ہو رہی ہیں۔“

اگر انہوں نے نہیں بتایا تو شاید یہاں ہوا جاؤں۔“

”وہ بے وقاحت ہے۔“ اس عورت نے کہا۔ ”یہاں تو بہر۔“

امانت علی۔ جس سے میں نے عمت کی تھی۔ جس پر اترتا ہوا

کرتی کھی کے قارم ہاؤس اس کا رہتا تھا۔ ”آپ کا ٹھیک ہو رہی ہیں۔“

”یہ قارم ہاؤس آ پناں کا ہے۔“ اب اس لڑکی نے کہا۔

”امانت بھائی پر پھٹے یہاں آ کر رہتے تھے۔ یہ قہقہے سننے میں

”کئی بیٹھوں نے آ کر تھا کہ وہی لڑکی کو اپنے ساتھ لائے ہیں

لیکن میں یقین نہیں آ رہا تھا۔ ان جتنی سے آ کر کوند جانے کیا

خیال آتا کہ وہ کھینچے ساتھ لے کر یہاں پہنچیں۔“

”اور یہاں میں نے اپنے اس وقار شوہر کو کئی اور

کے پہلو میں دیکھ لیا۔“ اس عورت نے بتایا۔ نہ جانے کچھ پر

کیا جنوں سوار ہوا کہ میں نے اپنے شوہر کو کھڑا کیا کھڑا

بار بار کھڑے کر کے اس کے اور اس لڑکی کو قحط کر دیا۔“

اجازت دے دی۔ کیونکہ قصور دار امانت علی کو اس لڑکی کو

مارنے سے کیا ہوتا۔ کچھ کچھ نہیں۔“

”اور اب سلسلہ امانت بھائی کی لاش کو کھانے کا لے

”آپ اس لڑکی نے کہا۔“ ہم ابھی یہ سوچ رہے ہیں کہ

اسے میں آگے لے کر آئے۔ آپ تو دنوں کی نیت ظاہر ہو گئی تھی۔“

وہی کچھ دیر میں کس کا مات بھائی تھا وہاں آگے ہیں۔“

”اور اب سلسلہ امانت بھائی کی لاش کو کھانے کا لے

”آپ اس لڑکی نے کہا۔“ ہم ابھی یہ سوچ رہے ہیں کہ

اسے میں آگے لے کر آئے۔ آپ تو دنوں کی نیت ظاہر ہو گئی تھی۔“

وہی کچھ دیر میں کس کا مات بھائی تھا وہاں آگے ہیں۔“

”اور اب سلسلہ امانت بھائی کی لاش کو کھانے کا لے

”آپ اس لڑکی نے کہا۔“ ہم ابھی یہ سوچ رہے ہیں کہ

اسے میں آگے لے کر آئے۔ آپ تو دنوں کی نیت ظاہر ہو گئی تھی۔“

وہی کچھ دیر میں کس کا مات بھائی تھا وہاں آگے ہیں۔“

”اور اب سلسلہ امانت بھائی کی لاش کو کھانے کا لے

”آپ اس لڑکی نے کہا۔“ ہم ابھی یہ سوچ رہے ہیں کہ

اسے میں آگے لے کر آئے۔ آپ تو دنوں کی نیت ظاہر ہو گئی تھی۔“

وہی کچھ دیر میں کس کا مات بھائی تھا وہاں آگے ہیں۔“

”اور اب سلسلہ امانت بھائی کی لاش کو کھانے کا لے

”آپ اس لڑکی نے کہا۔“ ہم ابھی یہ سوچ رہے ہیں کہ

اسے میں آگے لے کر آئے۔ آپ تو دنوں کی نیت ظاہر ہو گئی تھی۔“

وہی کچھ دیر میں کس کا مات بھائی تھا وہاں آگے ہیں۔“

”اور اب سلسلہ امانت بھائی کی لاش کو کھانے کا لے

”آپ اس لڑکی نے کہا۔“ ہم ابھی یہ سوچ رہے ہیں کہ

اسے میں آگے لے کر آئے۔ آپ تو دنوں کی نیت ظاہر ہو گئی تھی۔“

وہی کچھ دیر میں کس کا مات بھائی تھا وہاں آگے ہیں۔“

”اور اب سلسلہ امانت بھائی کی لاش کو کھانے کا لے

”آپ اس لڑکی نے کہا۔“ ہم ابھی یہ سوچ رہے ہیں کہ

اسے میں آگے لے کر آئے۔ آپ تو دنوں کی نیت ظاہر ہو گئی تھی۔“

وہی کچھ دیر میں کس کا مات بھائی تھا وہاں آگے ہیں۔“

”اور اب سلسلہ امانت بھائی کی لاش کو کھانے کا لے

”آپ اس لڑکی نے کہا۔“ ہم ابھی یہ سوچ رہے ہیں کہ

اسے میں آگے لے کر آئے۔ آپ تو دنوں کی نیت ظاہر ہو گئی تھی۔“

وہی کچھ دیر میں کس کا مات بھائی تھا وہاں آگے ہیں۔“

میں یہ کہانی سن کر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ ”کیسک..... کیا
چاہتا ہیں آپ دونوں میں..... میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا
ہوں۔“

”ہماری عادت“ اس لڑکی نے کہا۔ ”اہانت بھائی کی لاش کو کھانے سے لگاتے ہیں ہماری مدر کی۔“

”کیا؟“ میں نے پوچھا۔ ”خدا نے یہ تم کی کیا اس کر دی ہو۔“

”میں جا رہی ہوں۔ یہ مسلمان دونوں کا ہے۔ تم کی خفاہ۔“

”میں تیزی سے دوڑنے کی طرف لپکتی لیکن اس صورت میں مجھے کسے چکرایا۔ دوڑا کی بھی اس کا ساتھ دے ہوئے مجھے سے لپٹ چڑی تھی۔“

”خدا کی عادت کی چیخیں سن کر سبھی واسطہ میں چڑا ہوگا۔“

”میں نے خود کو پھینکا۔ اس کی گھٹن کی دوڑوں کو لپکا لپکا کر۔“

[illegible]

”بات یہ ہے بھائی کہ ہم ایک ڈراما نویس کے افراد ہیں۔“ اس نے بتایا۔ ”ہم یہاں ڈرامے کی نیا نوک کے لیے آئے ہیں۔ یہ دونوں ہماری نئی آرٹ ہیں۔ ہمیں ان کی صلاحیتوں پر شہنشاہی ہے۔ دونوں کی پلاننگ بھی کرنا اس طرف کوئی ٹھوس مسافر کو یہ دونوں اسے یہ دوق

میں پھلکارا کس مکان کے چھپے دروازے سے باہر نکل آیا۔ دو دروازے پر ریت اڑاتا ہوا میدان۔ وہاں کسی قسم کی کوئی قائم دھڑ نہیں تھا۔

میں بالگوں کی طرح اس گھر سے دوڑتا ہوا مزاح پر ہم

دولوں نے رخصت نہیں کیا تھا۔۔۔“

آگیا حیرت اور خوف نے میرے اہصاب کل کر دیے تھے۔ میرے خدا۔ میں نے آخر کار لوگوں کے درمیان رات گزار کی۔ ایک لوگ نہ دیا!

وہیں جاؤ گی اور۔۔۔

میری کڑی، میری کڑی، میری کڑی جہاں میں ہے چھوڑ گیا تھا۔ اب چھوڑ گیا کہ وہ خدا کا خدا ہمارے کچھ بھی نہیں تھی۔ اس لیے اس روز کڑی کوئی دل اور قدرت نہیں تھی۔

”اب کیا کہوں۔۔۔ بہت دیر سے تم دونوں نے۔۔۔“

اس کے بعد میری دیر سے اس کے رہے میں تھا۔

چھوڑ کر بدکاری سوز کی دالا تھے اپنے ساتھ تھاکر
گاز کی کوٹھنچو اور شہر لے آیا تھا۔
اس لڑکی نے مجھے اپنا بیڑا ریس بھی بتایا تھا۔ میں جانتا
تھا کہ جب میں وہاں پہنچوں گا تو کسی ایسی کہانی سننے کو ملے
جو مجھے نئے دور پرانے کرے گی۔
یہی سہرا ہم کی کوئی لڑکی اس گھر میں نہیں رہتی۔ ہم
کسی اکبر کو نہیں جانتے۔ یا اکبر کو دو سال پہلے انتقال ہو چکا
ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔
یا پھر کسی ہو سکتے کہ وہ ایک ریس علی غلط ہو۔ لیکن
ایسی کہانی بات نہیں ہوئی۔ تو وہ ایک ریس غلط خداوند نہ کرے
یہ بتانا کہ میرا بیڑا اس لڑکی کا جو دیکھیں ہے، بلکہ وہاں میری
سے ملتا تھا۔ کوئی نہ۔

اس نے میرے لیے دروازہ کھولا تھا۔
 "ابم۔" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
 "یہ سب کیا ہے؟ تو لوگ کہاں غائب ہو گئے تھے؟"
 مجھے اعازہ تھا کہ آپ میری تلاش میں یہاں تک
 ضرور آجائیں گے۔" اس نے ٹکراتے ہوئے کہا۔ "آئیں
 اندر آ جائیں۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دیتی ہوں۔"

میں اس کے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔
 ”ہاں اب تازہ گیات ہے؟“ میں نے پوچھا۔ ”تم
 لوگوں کے رویے سچے پراسرار کیوں ہیں۔“
 ”عراقان صاحب۔ میں آپ کو یہاں بلانا جانتی
 تھی۔“ اس نے کہا۔ ”اے الے آپ کو اس گھر کا پتہ تھا۔“
 آپ کی نگاہوں کے سامنے صرف دو محلے ہیں۔ وہاں میں اور
 یہاں بھی۔ آپ کو دھڑک رہی کہ میں جو کچھ کہی ہوں کیا اسے
 سنا کر اس پر مٹاؤں یا اسے بڑھاتا ہوں؟

”اب تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں پریشان یا خوفزدہ ہو جاؤں۔“

”تو تجربہ کن لیں کہ میں سچکی ہوں۔“ اس نے بتایا۔

”یعنی اب تم مجھے مزید بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔“

میرا نام ابھری تھا اور آپ جس گھر میں ہیں۔ میں اس گھر میں ابچے والدین کے ساتھ رہتی تھی۔

سب تو خیر ٹھیک ہوگا۔ لیکن تم جو کچھ کہہ رہی ہو۔

میں اس پر یقین کر لوں۔

”نہجراؤ۔ میں تمہیں اپنی اصلیت دکھاتی ہوں۔“

اس نے ایک بددرواز کے طرف اشارہ کیا۔ ”اس کرے

میں ہاؤ۔ تمہیں بہت کچھ دیکھنے کو مل جائے گا۔
 ”امبر۔ پلیز۔ ایسی باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جو
 کچھ بتانا چاہتی ہو بتاؤ۔ میں خوف کھانے والوں میں سے
 نہیں ہوں۔“

"اب سے کئی سال پہلے کی بات ہے۔" اس نے ایک ہمراہی سائنس لے جے ہوئے یونانی شروع کیا۔ "کچھ لوگ میرے پاس آئے۔ وہ کئی دسائے پر دوشن آؤس سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے میرے والدین کو مجبور کر دیا کہ وہ مجھے کام کرنے کی اجازت دے دیں چونکہ ان کے ساتھ ڈیزیز بھی آتی تھی۔ اس لیے والدین نے اجازت دے دی۔"

"اور بزرگ رہے یوں سے؟"

”وہی عورت جس نے تم اس کو دیرانے میں لے گئے۔“ اس نے بتایا۔ ”وہ ملازمہ ہی تھی جس نے تم کو اس کے پاس لے گیا تھا۔ اس کو ڈراے میں بھیجے ایک اہم کردار کا تھا اور تم اس دن جو کہہ چکے وہاں دیکھا تھا۔ وہ اس ڈراے کا ایک عین تھا۔“

”خوب۔“ میں سرکرایا۔ ”یعنی کسی اجنبی کا آنا۔ اس عورت کا اسے امانت لی کہنا۔ وغیرہ۔“

”ہاں۔“ اس نے اٹھ کر دن لادی۔ ”مجھے یہ ہوا کہ
ڈرامے کی شوٹنگ اس قافم ہاؤس میں رہی تھی جہاں تم بکے
تھے اور وہ میرے۔ میرے ساتھ بہت بڑا سلاٹکس ہوا تھا۔
اس سلاٹکس میں خودزیر پینڈیج شامل تھی۔ ان لوگوں کا تعلق کسی
پرڈکشن ہاؤس وغیرہ سے نہیں تھا۔ وہ سب میاں اور
بیواں تھے۔ وہ مجھے ملین کرنے کے لیے اسی
سینٹر کی رہنمائی کرتے رہے تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ
وہاں پر ڈرامے ہوتے رہے۔“

”بھرا ہوں نے اس زینہ کی عدسے مجھے بے آبرو کر دیا۔“ امیر کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ”بے آبرو کر دیا مجھے۔ پرے ایک بڑے تک وہ سب کے سب مجھے ہرادر کرتے رہے اور جب حاظر میری برداشت سے ہا ہوا تو میں نے ایک رات ان سب کو ہار دیا۔“

واہ۔ یہاں کہاں ہے۔
 ”ہاں۔ ابھی تو تم اس کہانی ہی سمجھو گے۔“ اس نے
 کہا۔ ”تو میں ہی بتا رہی ہوں کہ میں نے ایک مدت ان سبوں کو
 ٹھکانے لگا دیا ہے۔ پتھر لکڑی چمڑک آگ گدگدی اور باہر
 سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ سب لوگ وہاں میں سے
 ہوئے۔ ان میں سے کوئی بھی باہر نہیں نکل سکا اور سب بچ
 بچ کر مر گئے۔ اس وجہ سے میں ان کی آواز میں سننے والی

بھی نہیں تھا۔

”بہت خوب۔“ میں مسکرایا۔ ”تو اس طرح تم نے سب کو مار دیا۔“

”ہاں۔ پورے یونٹ کو مار دیا مرنے۔ اور اس کے بعد خود مر گئی۔“

”اور خود کس طرح مر گئی۔“

”میں نے خود کوئی کرلی تھی۔“ اس نے دیر سے بتایا۔

”واہ۔ کیا کہانی ہے۔“

”ہاں۔ میں نے خود کوئی کرلی۔ اور اب میں یہ جانتی ہوں کہ تم میری لاش کو دفن کروادو۔ وہ اسی قادم پاؤں کے ایک سو گئے ہوئے تو میں کے پاس پڑی ہوئی ہے۔“

”شاید تم اس دور کی سب سے بڑی کہانی نہیں ہو۔“

”میں نے کیا۔“

”جانتی تھی کہ تم یقین نہیں کرو گے۔“ اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”خیر۔ میں سامنے والے کمرے میں جا رہی ہوں تم میرے پیچھے آ جانا۔“

”وہ اس بندوڑ والے کے پیچھے چلی گئی۔ میں اس کے جانے کے بعد اسے یہ بتانے کے لیے اس کمرے میں بھی گئی۔“

”میرے لیے وقف نہیں بن۔“

”میں نے وہی بتایا تھا۔“

”اس کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ ایک خالی کمرہ تھا، بالکل خالی۔“ اس کا ایک دروازہ تھا جس سے میں داخل ہوا تھا۔

”کمرے کی قسم کہ غیر خیر نہیں تھا اور کمرے کا فرش گروے بھرا ہوا تھا۔ اس پر کسی کے قدموں کے نشان تک نہیں تھے۔“

”میں نکلا کر اس کمرے سے باہر آ گیا۔“

”پھر اس مکان سے بھی باہر آ گیا اور اسی وقت کسی نے مجھے آواز دی۔ وہ ایک بڑا بڑا انسان تھا۔ مٹی بڑی اور انتہائی نورانی چہرہ۔ وہ اس مکان کے برابر دے مکان کے گھٹ سے بڑھ نکلا۔“

”میں اس کے پاس پہنچ گیا۔“

”تم اس مکان میں کیا لینے گئے تھے۔“

”جواب۔ ایک جگہ کی بات ہے۔“

”تو مجھے اس کمرے میں کوئی شہرہ سے نکلوں۔“

”میں نے اس کمرے کی ساری کہانی بتادی۔“

”وہ لڑکی ایک ہی تھی۔“

”بوز سے۔“

”ایک گہری سانس لی۔“

”تم نے جو پتہ دیا۔ وہ فریب نظر نہیں تھا بلکہ اس

لڑکی کے ساتھ جیسا کہ ہوا ہے۔“

”جی۔“ میں حیران رہ گیا تھا۔

”ہاں۔“ اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”خدا کا شکر ہے کہ اس لڑکی نے تمہارے ذریعے اپنی لاش کی نشان دہی کر دی ہے۔ اس کی روح بچک رہی ہے۔“

”اس کا نام پاؤں میں بار بار پکارتی کہانی تو کہانی چاہی ہے۔ ذرا سے اس کا نام سن کر دیکھ چکے ہو۔ اس کی تقدیر کی کوئی بات ہے۔“

”آپ کیا اس لڑکی سے واقف ہیں؟“

”ہاں جیسا۔ بہت اچھی طرح۔ وہ سب میرے پڑوسی تھے۔ اس لڑکی کی موت کے بعد اس کے والدین گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ اب یہ گھر میرا ہے۔“

”میں تو حیران ہو کر رہ گیا ہوں۔“

”نہیں۔ اس میں حیرانی کی اس کوئی بات نہیں ہے۔ جو موت غیر فطری انداز میں ہو۔ وہ ماحول پر برے اثرات مرتب کرتی ہے۔ مرنے والے کی روح بچتی رہتی ہے۔“

”سب کچھ ظاہر ہماری نگاہوں سے اوپر ہوتا ہے۔ مگر یہ سچائی ہے۔ تم اس لڑکی کی لاش کو دفن کروادو۔ یہ تمہو کا خدام سے ملنے کا ایک کام ہے۔“

”اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

”میرے ساتھ چلو۔ میں پولیس آفس جانا ہوگا۔ ایبیلیٹس لے جاتی ہوں۔“

”یہ کتنی جلدی ہو جائے انتظار چاہیے۔“

”اس کے بعد کی کہانی کچھ یوں ہے کہ واقعی اس لڑکی کا دماغ خفاک توں کے پاس سے مل گیا تھا۔ جسے اسی جگہ دفن کر دیا گیا۔“

”میری اس داستان نے بہت شہرت حاصل کر لی تھی۔ لوگوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ لاش کے بعد سب کو قتل ہونا بڑا بڑا اس کا ناکتہ میں ایسے ایسے نہ جانے کتنے عید ہوں گے۔“

”لڑکی کے والدین کو بھی خبر مل گئی تھی۔ وہ بھی آگئے۔“

”میں نے ان کے بعد ان کے دیکھنا نہ ہو گئے۔ ہم سبوں نے اس لڑکی کے لیے سفر پر چل دی اور واپس آ گئے۔“

”میں کیا کہانی سن رہی تھی؟“

”نہیں۔ اب میرے پاس اس کی یاد آ رہی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ کسی بارش کی طوفانی رات کو گھر میں چلا جاؤں اور پھر سے وہی سب کچھ دیکھوں۔ مگر شاید یہ سب نہیں ہو سکا کیونکہ اس کی روح کو اب قتل کر دیا گیا ہے۔“



جدائی

محترم معراج رسول صاحب السلام علیکم!

سرگزشت میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس بار اس میں شمولیت کے لیے مجھے نے بھی کوشش کی ہے۔ گوکہ آپ کے بار آپ بھائیوں کو ترجیح دی جاتی ہے لیکن کبھی کبھی جگہ بیتی بھی چھپتی ہے۔ اس خیال سے میں نے بھی ایک جگہ بیتی لکھی ہے۔ امید ہے پسند آئے گی۔ زبیا اور کامران دونوں ہی میرے رشتہ دار ہیں۔ ان کے بچپن کا قلق آج بھی مجھے تڑپاتا ہے۔ اسی تڑپ کو میں نے لفظوں کا پیریں دیا ہے۔

اختر قزلباش (لندن، یو کے)

”کامران آ رہا ہے، زبیا، پیوڑوٹی سے جیسا ہماری“

گھر میں داخل ہوئی تو زبیا نے اسے بتایا۔

”کامران... کون کامران؟“ اس کی سوال پچھانیں

کے چہرے پر کنگ میں جہاں سرت کے سامنے زبیا کر رہے تھے۔

”ارے اپنا کا!؟“ انہوں نے اور خوش ہو کر کہا

”اے لڑکی! دو روٹی ہوئی ہے کیا؟ آ رہا ہے کیوں کہہ

کو آئیڈیل مان لینا
رات دھیرے
کو جگنا شروع کیا۔

”اوہ یہ بھی کوئی بات ہوئی..... اے تو میں ”یوں“ مل
ماہنامہ سرگزشت

مندرجہ ذیل تھا۔ پھر دیوتا سے شکوہ کیا اس کی تو صرف پوجا
 29 اپریل 2012ء

کالی اور اسل ان میری سمیت پتھر ٹھیک میں ہے
ماہنامہ پیکر گزشتہ

29
اپریل 2012ء

کے ساتھ گھونٹنے لگیں۔ کامران کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ اس کے دل میں کلک پیدا کر رہا تھا۔ وہ جیسا بھی تھا۔ خدی تھا، غصیل تھا، اپنی منوا تھا، پر تھا تو اس کے قریب۔ ابھی وہ انہیں خیالوں میں گمھی کر رہا تھا کہ چو کا دیا "آئی، بھارت نے شہرٹی پاکستان پر حملہ کر دیا۔"

"کیا.....!" وہ سب کچھ بھول گئی۔ بھارتی ہوئی گئی۔ ریڈیو سے کان لگا کر بیٹھ گئی۔ بھارتی درندے پاکستانی جیالوں سے ہمسرہ پیکار تھے۔ "خدا رحم کرے" خبریں سن کر وہ بے ساختہ بولی۔

کچھ روز بعد مغربی حصے میں بھی جنگ شروع ہو گئی اور پھر محسنان کی جنگ پورے ملک میں شروع ہو گئی۔ زینا اس قدر مصروف رہتی کہ اسے سانس لینے کے لیے بھی فرصت نکالنی پڑی، وہ رینک فرینک بھی لے رہی تھی۔ ڈینس فرینک بھی لے رہی تھی۔ اس کے اس قدر حوصلے کو دیکھ کر ریاض میں بھی بے حد اہمیت عود کر آئی تھی، اس نے رضا کاروں میں اپنا نام لکھوا دیا تھا۔ زینا تو جیسے اپنے آپ سے بھی بے خبر تھی۔ بس اسے ایک ہی دھن تھی کہ دشمن کو زبردست شکست ہو۔ اسے جب بھی وقت ملتا، اپنے جیالے بھائیوں کے لئے دعا گو ہو جاتی۔ اس دوران میں کامران کے دد خلوٹ آئے۔ جن میں شکوہ تھا کہ اس نے وعدہ کے باوجود خط نہیں لکھا۔ اس نے کامران کی خشکی کا مختصر سا جواب دیا کہ میں تو آج کل بہت مصروف ہوں کامی! اس لیے وقت نہیں۔ تم ملک کے لیے کیا کر رہے ہو؟ اسے سب سے پہلے اپنے دھن سے محبت تھی پھر کسی اور یعنی کامران کا یا اس کی ذات کا نہیں آتا تھا۔ مگر میں سنا تھا۔ سب اپنے اپنے فرائض میں مشغول تھے کہ پڑوس کا بچہ آیا اور زینا سے کہا، آپ کی فریک کال ہے۔ وہ گئی تو کامران کا فون تھا۔

"کیسی ہوز جی!" کامران کے لہجے میں بے قراری تھی۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں کامی! بس شرقی پاکستان کی ہر دم ٹکر ہے۔ اپنا ریڈیو اور لی وی کچھ کہتے ہیں اور بیرونی ممالک کچھ اور بتاتے ہیں، میں تو بہت ڈیپریس ہو رہی ہوں"

اس کی آواز میں ڈوبے انسان جیسی لرزش تھی۔

"اوہ زمی! اتم بے حد حساس ہو، اتنا مت سوچا کر دیرری جان! کچھ اپنا بھی خیال کرو، اتنا سوچو گی اور کڑو گی تو تمہاری صحت پر برا اثر پڑے گا" کامران اس کے لیے پریشان تھا۔

"کامی! اتم میری ٹکر نہ کرو، مجھے کچھ نہیں ہوگا اور اگر کچھ ہو جائے تو مجھے بردا نہیں، ہاں ملک کو کچھ نہ ہو" وہ بہت دل

روٹھ جو جاتے ہو..... ایک بات یاد رکھو کامی! میں بہت کم روٹھتی ہوں مگر اگر ایک بار بھی روٹھ گئی تو پھر کسی نہ منوں گی" اس کے لہجے میں پہلے بار گھڑے کی کیفیت تھی۔

"ارے چھوڑو یہ بیکار کی باتیں" وہ اپنے خیالوں کی دنیا میں گم رہنا چاہتا تھا۔ محبوبہ کا ساتھ ہو اور محبوبہ بھی وہ جو جلد بیوی بننے والی ہو۔ تمہاری ہو تو پھر ادھر کی باتیں سوچ کر دماغ پر آگندہ کرنے سے فائدہ!

"ملک پر جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں کامی!"

تھوڑی دیر بعد زینا ہی بولی۔

"اور دل پر تمہاری محبت کے بادل چھا رہے ہیں" وہ مسکراتی تھی۔

"جی تو اپنی ذات کے خول سے باہر آ جایا کرو کامی!" مگر یہ بات اس نے کامران سے کہی نہیں صرف سوچ کر رہ گئی۔

پندرہ دنوں کے بعد زینا کے ماموں کا اپنے ایک دوست کے ساتھ کاروبار میں شیئر ہو گیا۔ کامران کو بھی لاہور ہی میں ایک اچھی انجینئرنگ پوسٹ مل گئی اور اب وہ لوگ لاہور ڈھنٹ ہو رہے تھے۔ "مجھے بھولو گی تو نہیں؟" رخصت کے وقت کامران نے اس کے کان میں کہا۔

"اپنی زندگی کو بھی کوئی بھول سکتا ہے؟" وہ ذرا دور کھڑے پڑ کر گویا نظر ڈال کر دھیسے سے بولی۔

"خدا کھو گی مجھے؟" وہ تمام باتیں ابھی بچی کر لینا چاہتا تھا۔

"تم کھو گے تو ضرور جواب دوں گی" وہ مسکرائی۔

"گو یا تم پہلے نہیں کھو گی؟" اس کا لہجہ کھٹی ہونے لگا۔

"میں پہلے کس طرح لکھ سکتی ہوں، جب تم جا کر پتا بھیجو گے تب ہی تو کھوں گی۔"

"اوہ..... مگر ہاں..... چا تو تمہیں ای یا پا پا کے خط سے بھی مل سکتا ہے۔"

"اچھا اچھا، میں ہی پہلے لکھ دوں گی" وہ اسے جاتے وقت غنا نہ کرنا چاہتی تھی۔ سب ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ کامران بے حد اداس ہو رہا تھا۔ زینا کو بھی جدائی کے خیال سے اداس تھی اور کامران نے جب شکستہ لہجے سے خدا حافظ کہا تو وہ اداسی کے سمندر میں ڈوب گئی۔

ان لوگوں کو رخصت کر کے سب گھر آئے تو وہ اپنے کمرے میں جا کر سسک پڑی۔ پورے کمرے میں کامران کی خوشبو سی ہوئی تھی۔ پھر اسے ایک ایک بات یاد آنے لگی۔ ماضی کی تصویریں اس کی آنکھوں کے سامنے تازہ و شاد رنگوں

کہ تمہارے ارد گرد دیکھا ہو رہا ہے۔

سوال صرف یہ نہیں کہ تم مجھے پالو یا سوال صرف زندگی کا نہیں، احساس کا ہے اور احساس کیا ہے، یہ اپنے اپنے نقطہ نظر کی بات ہے۔ ابھی تک تم زندگی کے دائرے سے باہر تھے۔ خواب کی دنیا میں۔ میں چاہتی ہوں، تم زندگی کی حقیقت کو پہچان لو تاکہ کل پھر تم کوئی خواب نہ دیکھنے لگو۔ اس بے حقیقت خواب کو چھوڑو۔

عظیم ہیں وہ لوگ جو کسی مقصد کے لیے جیتے ہیں یا مرتے ہیں۔ جنہیں صرف اپنے آپ سے محبت نہیں ہوتی۔ جو بلند ہمتی اور بلند عزائم کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں اور تم!۔

تم نے فون پر پوچھا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی۔ تم اپنے آپ کو میرا سہارا سمجھتے ہو تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ کیوں، مجھے تمہارے بے حس بازوؤں کے سہارے کی ضرورت کیوں ہونے لگی۔ میں اپنا سہارا آپ ہوں۔

دعا یہ ہو کہ تم گزر جاتے اگر تم مسلسل محبت بھرے خطوط لکھ کر مجھے دینی کچھ کے نہ لگاتے۔ اگر دن رات اسی ایک حالت میں رہتے۔ مگر جان لو کہ دنیا کی کوئی چیز ایک حالت میں نہیں رہتی۔ تغیر سب میں ہے۔ ہر آدمی، ہر شے، حالات کے تحت بہتر یا بدتر صورت میں بدلتی رہتی ہیں۔ مگر تم کیسے ہو، جس پر حالات ذرا بھی اثر انداز نہ ہوتے۔

کامران!۔۔۔ ہمیں اپنا کھویا ہوا وقار اور حصہ دوبارہ واپس لینا ہے اور اگر ہمیں اپنا وقار واپس لینا ہے تو ہم سب کو تنگی کشمیر بن جانا چاہئے۔ مگر کیا تم ایسا کر سکو گے؟

تم نے لکھا ہے کہ پچھلی باتوں کو بھول جاؤں۔ کیسے بھول جاؤں؟ ہم نے ہمیشہ یہ غلطی کی ہے کہ پچھلی کوتاہیوں کی طرف سے آنکھیں موند لی ہیں۔ جب تم ہم گزشتہ غلطیوں کو ذہن میں نہ رکھیں گے، آئندہ کوئی مثبت قدم نہ اٹھا سکیں گے۔ کوئی سبق نہ سیکھ سکیں گے۔ ہمیں ہر وقت، ہر لمحہ، ہر دم اپنی تمام گزشتہ کوتاہیوں اور غلطیوں پر نظر رکھنی ہوگی، ہر لمحہ۔ تم یہ نہ سمجھ چکے ہو کہ میں تمہاری دھمکی سے مرعوب ہو کر یہ خط لکھ رہی ہوں بلکہ دراصل یہ آخری خط تمہیں اس لیے لکھ رہی ہوں کہ تم مجھے سمجھ لو۔ تم مجھے اب تک نہ سمجھ سکے کامران۔ تم نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے تمہارے خط کا جواب نہ دیا تو تمہیں ہمیشہ کے لیے کو بیٹھوں گی تو مجھے یہ لکھتے ہوئے قطعاً انسو نہیں ہو رہا ہے کہ تمہیں کھو کر مجھے ذرا بھی دکھ نہ ہوگا۔ ہم تم اب ایک راہ کے راہی نہیں۔۔۔ تم اور میں ایک راستہ نہیں چل سکتے، میری تمہاری راہیں جدا جدا ہیں۔ اس لیے میں

تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ جس کے بندھن میں ہم دونوں کو باندھا گیا تھا۔ میں نے اسے توڑ دیا ہے۔ میں کچھ دار ڈالی ہوں کامران، مجھے جھکا یا جاسکا ہے مگر جب وطن کی اور اصولوں کی بات آتی ہے تو سخت لگزی کا روپ دھار سکتی ہوں جسے کوئی نہیں جھکا سکا۔ اور اگر اس وقت مجھے زبردستی جھکانے کی کوشش کی گئی تو میں ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو جاؤں گی، بکھر جاؤں گی، میں نہیں چاہتی میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں۔ اور پھر میرا بکھرا ہوا وجود تمہارے بھی کسی کام نہ ہوگا۔

چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ یہاں اس وقت بارش ہو رہی ہے۔ برسات کا پانی یوں ٹپ ٹپ کر رہا ہے جیسے کوئی نوجوان بوہ چپکے چپکے رو رہی ہو۔

میں ای کو سمجھاؤں گی اور ماموں دھماکی تو تم سمجھا دینا کہ انہوں نے جس لڑکی کا انتخاب تمہارے لیے کیا تھا، وہ تمہارے لیے قطعاً موزوں نہیں۔

تمہارے شوٹی بھرے خطوط ملتے تھے تو میری محبت سسک سسک کر دم توڑنے لگی تھی اور جب تمہارا امید کارڈ ملا۔۔۔ تو محبت کی موت واقع ہو گئی۔ اور اگر تم صرف میرا دل توڑتے، مجھے دکھ دیتے تو میں تمہیں معاف کر دیتی۔ مگر کامران، تم نے تو ملک کو دکھ دے دیں، تکلیف دی ہے۔ جو شخص اپنا کوٹ خود اٹھا کر نہ پہن سکا ہو وہ ملک کو کیا دے سکتا ہے۔ تم تو وطن کے لیے ایک بوجھ ہو۔ تکلیف کا سبب ہو۔ (کارڈ ملے ہی انگوٹھی اتار کر رکھ دی تھی، بنگوا لینا)

تم مجھے اس خط کے جواب میں کوئی خط نہ لکھنا، نہ مجھ سے ملنے کی کوشش کرنا۔ ناکام رہو گے۔ ہمیشہ تم مجھ سے خفا ہو جاتے تھے۔ اب میں تم سے خفا ہوں اور ہمیشہ کے لیے۔ یاد ہے، میں نے تم سے ایک بار کہا تھا کہ اگر میں ایک بار دھمکی مانی تو کبھی نہ منوں گی۔ آج وہ دن آ گیا۔ اب تم مجھے اور میں تمہیں ہمیشہ کے لیے کھوپکے۔ اب میں اور تم بالکل الگ الگ ہیں۔ مجھے بھول جاؤ کامران۔۔۔ زیبا!!

"اوہ۔۔۔!" کامران نے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کے کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں آرہی تھیں۔ جیسے طوفان آگیا ہو۔ اسے زندگی کی اہلیں راہوں پر اب کسی زمین کی سیاہ آنکھیں نظر نہیں آئیں گی۔ بیت کئے وہ دن۔ ماضی بہت دور چلا گیا۔۔۔ جواب بھی واپس نہ آئے گا۔۔۔ ہائے وہ حسین ماضی!۔۔۔ اور پھر وہ بستر پر کسی مردے کی طرح گر پڑا۔ کبھی بھی زندگی بھی تو موت ہو جاتی ہے نا۔۔۔!

